

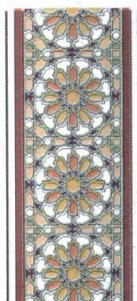
# اسلام اور مغرب

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

سعید الرحمان اعظمی ندوی



انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشنل سٹڈیز نیو دہلی







## معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِيقِ الْإِسْلَامِيِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

## تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے  
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی  
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

**PDF** کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے  
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ [KitaboSunnat@gmail.com](mailto:KitaboSunnat@gmail.com)

🌐 [www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

# اسلام اور مغرب

www.KitaboSunnat.com

مصنف  
سعيد الرحمن اعظمى ندوى



انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز

۱۶۲، جوگابائی مین روڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی - ۲۵

© 2009 جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

ISLAM AOUR MAGHRIB

by- Saedur Rahman Azami Nadvi

ISBN No : 978-81-89964-76-4

نام کتاب : اسلام اور مغرب

نام مصنف : سعید الرحمن اعظمی ندوی

سن اشاعت : 2012ء

کل صفحات : 331

مطبع : بھارت آفسیٹ، دہلی۔ 110006

قیمت :

ناشر

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز

۱۶۲، جوگابائی مین روڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۲۵

*Marketed by*

قاضی پبلیشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

35-B، حضرت تھاک الدین (ویٹ)، نئی دہلی۔ 13

Tel : 91-11-24352732 Fax: 91-11-24352048

E-mail : qazipublishers@yahoo.com

## فہرست

۷	پیش لفظ
۹	مقدمہ
۱۵	تمہید
۱۹-۷۳	باب اول: اسلام پر مغربی یلغار
۲۱	طاقت کا غرور
۲۵	شکست خوردہ ذہنیت اور دریدہ ذہنی
۲۹	اسلام اور مغرب
۳۵	اسلام کے مقابلہ میں بیمار ذہنیتوں کا رول
۴۱	مادیت پسندی اور اخلاقی قدروں کا زوال
۴۷	آزادی رائے ایک دلفریب نعرہ
۵۱	اسلام پر دشمنوں کی پورش
۵۷	دہشت گردی کے الزامات اور مسلمانانِ ہند
۶۱	ایک خطرناک اور مذموم انسانی جرم
۶۷	مغرب اور اہانت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۷۱	موجودہ حالات اور مسلمان

- باب دوم: مسلمان اور دعوتی جدوجہد ----- ۱۳۰-۷۵
- تبلیغ و دعوت انسانیت کی مسیحائی ----- ۷۷
- دعوت اسلامی اور اس کے نتائج ----- ۸۳
- دعوت اسلامی اور استحصال پسند عناصر ----- ۸۷
- شریعت اسلامی کے نفاذ کی طرف ----- ۹۵
- ہم اور ہمارا اسلام ----- ۹۹
- عقیدہ توحید اور مسلمانوں کا موقف ----- ۱۰۵
- اسلامی دعوت اور نوجوان ----- ۱۰۹
- کردار کے آئینے میں ہماری تصویر ----- ۱۱۵
- ہماری زندگی میں مصائب و آلام کا راز ----- ۱۱۹
- دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے ----- ۱۲۳
- باب سوم: عالمی قیادت کے زیریں اوصاف ----- ۲۶۶-۱۳۱
- اسوہ ابراہیمی اور شیوہ آزری ----- ۱۳۳
- آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا ----- ۱۳۹
- احساب اور اکتاب ----- ۱۴۳
- انسان اپنے کو پہچان! ----- ۱۴۷
- معاشرہ انسانی کی تعمیر میں دل کا کردار ----- ۱۵۳
- اسلامی اصول ہی موجودہ مسائل کا حل ----- ۱۵۹
- معاشرہ کی تعمیر میں اسلامی تہذیب کا قائدانہ کردار ----- ۱۶۳
- اسلام امن و سلامتی کا مذہب ----- ۱۶۹
- اسلام اور امن عالم ----- ۱۷۵

- ۱۷۹----- اسلام کا نظریہ تعلیم و تربیت
- ۱۸۳----- ہندوستان کی قدیم اسلامی صحافت کے دو نمونے
- ۱۸۷----- انسانیت کی تعمیر میں صحافت کا کردار
- ۱۹۱----- امن و سلامتی کا علم بردار مذہب اسلام
- ۱۹۵----- صبر کا مقام مومن کی زندگی میں
- ۱۹۹----- اسلام ایک سرچشمہ حیات
- ۲۰۵----- اسلام کا معیار فضیلت
- ۲۱۱----- بیداری کے آثار
- ۲۱۵----- خود اعتمادی کی ضرورت
- ۲۲۱----- ہماری سب سے بڑی ذمہ داری
- ۲۲۷----- پروپیگنڈہ نہیں، اخلاص کی ضرورت ہے
- ۲۳۱----- میرے لیے میرا خدا کس ہے
- ۲۳۵----- ہم نے کیا تیاری کی ہے؟
- ۲۳۹----- اسلام اور عقیدہ ختم نبوت
- ۲۴۵----- اسلام میں تعلیم و تربیت کا مقام اور نصاب تعلیم
- ۲۵۹----- دعوت دین وقت کی ضرورت
- ۲۶۳----- مزید تیاری کی ضرورت
- ۲۶۷-۳۳۱----- باب چہارم: مسلم معاشرہ کے کمزور ترین پہلو
- ۲۶۹----- مبالغہ آرائی اور رنگ آمیزی
- ۲۷۳----- بدگمانی اور اسکے خطرناک اثرات
- ۲۷۷----- غیبت معاشرہ کا ایک کمزور ترین پہلو

- ہماری سوسائٹی کی بیماریاں اور ان کے علاج کی ضرورت ----- ۲۸۱
- اسلام اس کا نام نہیں ----- ۲۸۷
- اسلام سے بیزاری کیوں؟ ----- ۲۹۱
- داخلی دشمن، خارجی دشمن سے زیادہ خطرناک ----- ۲۹۵
- کیا بھولے، کیا یاد رکھا، اخلاقی قدروں سے؟ ----- ۱۰۳
- کر سکتے تھے جو اپنے زمانہ کی امامت ----- ۳۰۵
- خانہ ساز شریعت یا آئینہ کتاب و سنت ----- ۳۱۱
- وقت یا تلوار! ----- ۳۱۵
- مسلم خواتین اور عالمی سیاست ----- ۳۱۹
- تمباکو نوشی اور اسلام ----- ۳۲۵
- دختر کشی یا نسل کشی؟! ----- ۳۲۹





بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## پیش لفظ

معمر کہ سق و باطل کے ضمن میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش کا موضوع گذشتہ دو صدیوں سے سرفہرست رہا ہے اور اسی لیے یہ اس پوری مدت میں داعیان اسلام، علماء، مفکرین اور محققین کی توجہ کا مرکز و محور رہا ہے، جنہوں نے اپنی نگارشات، تقاریر اور مباحثوں کے ذریعہ اسلام اور مغرب کی کشمکش کے مختلف گوشوں کو اجاگر کیا ہے۔

اسلام اور مغرب کے موضوع پر مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی زید مجدہ کا زیر نظر مجموعہ مضامین بھی اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی اور اس موضوع سے متعلق تحریروں میں قابل قدر اضافہ ہے۔ اس مجموعہ کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں تقریباً ان تمام پہلوؤں کو زیر بحث لایا گیا ہے جو اسلام کی مغرب سے کشمکش کے سلسلہ میں عصر حاضر میں اہمیت کے حامل ہیں اور جن کے سلسلہ میں امت مسلمہ خصوصاً نئی مسلمان نسل کو رہنمائی کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا دامت برکاتہم نے امریکہ، یورپ اور مشرق وسطیٰ کے حالات و مسائل پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ وطن عزیز ہندوستان، میں پیش آنے والے اہم واقعات کا بھی بے لاگ تجزیہ کرتے ہوئے راہ راست کی طرف رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔

اس مجموعہ مضامین کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ 1964 سے آج تک جتنے مسائل پر بھی مولانا نے قلم اٹھایا ہے ان کو پڑھنے کے بعد زمانہ کے طویل فاصلہ کا احساس ہی نہیں ہوتا؛ جو فکر،

جو طرز، جو انداز، جو دعوت کا رنگ، جو ملت کا درد، جو اعتماد کی صورت پھونکنے کی تڑپ، جو اتحاد کی پکار، جو بڑی سے بڑی طاقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کا حوصلہ اور جو اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لیے قربانی، ثابت قدمی، استقلال و پامردی کے ساتھ جدوجہد اور اس پر ہمیز کرنے کی کیفیت و جذبہ آج سے 4 دہائی قبل کے مضامین میں نظر آتا ہے بالکل وہی رنگ آج بھی ہے۔

اہل علم کی رائے میں مولانا اگرچہ عربی کے بلند پایہ ادیب، صحافی اور مایہ ناز قلم کار ہیں جنکی تحریروں نے عالم عرب کے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ سے عربی زبان و ادب کے میدان میں اپنی عبقریت کا لوہا منوایا ہے اور عرب ممالک کے علماء، مفکرین، اسلامی تحریکوں کے قائدین و کارکنان مولانا کی تحریروں اور مولانا کی زیر ادارت شائع ہونے والے ماہنامہ ”البعث الاسلامی“ سے خود بھی روشنی حاصل کرتے رہے ہیں اور ان کو پھیلانے اور عام کرنے کی ہر ممکن کوشش بھی کرتے رہے ہیں، تاہم پیش نظر مجموعہ مضامین سے مؤلف کی اردو زبان و ادب پر دسترس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے؛ بلاغت، زور بیان، تاثیر، سلاست، دل میں اتر جانے کا وصف ان تحریروں کا طرہ امتیاز ہے۔

مولانا کی تحریر کی ایک خوبی یہ ہے کہ سخت ترین حالات اور گھٹا ٹوپ اندھیرے میں بھی مولانا امید کی کرن اور روشنی کی چمک دیکھ لیتے ہیں؛ وہ کہیں مایوس نظر نہیں آتے، بلکہ مخالف حالات میں بھی دھارے کو بدل ڈالنے اور طوفان کا رخ پلٹ دینے کی دعوت دیتے ہیں، قرآن کریم اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال مولانا کے زور قلم میں چارچاند لگا دیتا ہے۔

آئی او ایس اسلام اور مغرب کے موضوع پر اس گلدستہ مضامین کو شائع کرتے ہوئے بجا طور پر توقع کرتا ہے کہ یہ تحریر ادارہ کی مطبوعات میں ایک وقیع اضافہ ہوگا اور موجودہ دور میں امت مسلمہ، بالخصوص نئی نسل، کی رہنمائی کا ایک مؤثر ذریعہ ثابت ہوگا۔

ڈاکٹر محمد منظور عالم

چیئر مین

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## مُقَدِّمَةٌ

یہ کتاب ان مضامین کا مجموعہ ہے جو مولانا سعید الرحمن صاحب اعظمی ندوی نے مختلف اوقات میں لکھے، کچھ ریڈیو سے براڈ کاسٹ ہوئے، کچھ مختلف باوقار جریدوں میں شائع ہوئے، ان مضامین کے اکٹھا کرنے اور کتابی شکل دینے کا کام ان کے شاگرد مولوی محمد فرمان ندوی نے انجام دیا ہے، جس کے لئے وہ بے حد تعریف کے مستحق ہیں، ورنہ یہ ہیرے موتی فائلوں میں بند رہتے اور ان سے استفادہ کرنے کا موقعہ بہت کم لوگوں کو ملتا۔

جناب مولانا اسلامی دنیا کی ایک بڑی جانی بوجھی شخصیت ہیں، ان کی شہرت اپنے ملک کی سرحدوں سے نکل کر عالم عرب میں پہنچ چکی ہے، جہاں ان کا ان کے علم و فضل کے سبب سے سجد اکرام ہوتا ہے، جس کے وہ بجا طور پر مستحق ہیں، وہ ایک متبحر عالم، ایک شاندار معلم، مؤرخ اور مفکر ہیں، کلاسیکل دینی مضامین پر گہری نگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ علوم جدیدہ سے بھی گہر تعلق رکھتے ہیں، اور حالات حاضرہ، ان کے وقوع اور وجوہات پر ایک ماہر کی طرح نگاہ ڈالتے ہیں۔

تحریر کا جو ملکہ مولانا کو ودیعت ہوا ہے وہ محض ایک ہنر نہیں ہے، بلکہ ایک وجدانی قوت ہے، یہ مصنف کے علم، روح کی پاکیزگی اور قوت بصیرت کی آئینہ دار ہے، یہ مضامین متنوع اور منفرد ہیں، گو ایک مشترک نام کے تحت جمع کئے گئے ہیں، الگ الگ موضوعات پر ہونے کے باوجود ایک

ربط فکری رکھتے ہیں، یہ رابطہ آفرینی کی دانستہ کوشش کے سبب سے نہیں ہے، بلکہ مصنف کی مزاجی کیفیت کے سبب سے ہے:

اسلام تیرا دین ہے، تو مصطفوی ہے۔

یہ مضامین مولانا کی اصابت رائے اور سلامت طبع کو گہرے اور شدید جذبات کے ساتھ بیان کرتے ہیں، یہاں ایک ہیئت اور ایک وحدت ہے، حکمت اور بصیرت آمیختہ ہیں، عبارت کا تیور اور لب و لہجہ معنی کو ہر پڑھنے والے تک پہنچا دیتا ہے، مضمون نگار کی کیفیت نفسی پڑھنے والے کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، کہیں تکلف اور تصنع نہیں، سارے مشاہدات اصلی، سارے جذبات فطری اور سارا بیان سادہ اور پُرکار ہے، جہاں آنسو ہے وہ انسان کے آنسو ہیں، کوئی بات فہم سے بالا نہیں، کوئی بات انفرادی اور مقامی نہیں، بلکہ عمومی اور ہمہ گیر ہے، وہ پڑھنے والے سے اس علم کی بات کرتے ہیں جو اس کی رسائی میں ہو۔

مولانا کی تحریر اور فکر میں ایک جمالیاتی حسن بھی ہے، اور حقیقت شناسی اور حقیقت نویسی کے ساتھ فلسفیانہ انداز فکر بہت نمایاں ہے، کلی صداقتیں ہیں، یہ مجموعہ ایک ایسی لذت کا سرچشمہ ہے جو ماضی میں جھانک کر اس کے حسن کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہے، ایک ایسا رنج ہے جو حال کی بے اعتدالی یا گم رہی دیکھ کر دل و دماغ کو متاثر کئے ہے، ایک پیغام بھی ہے کہ مستقبل سے ناامید نہیں ہونا ہے اور حال کو بھی سنوارا جاسکتا ہے، یہ مضامین ”از دل خیزد بردل ریزد“ کے آئینہ دار ہیں، ان میں ضوابط کی طاقت ہے۔

یہ مضامین پڑھنے والے کے دل میں بے چینی کے ساتھ عزم پیدا کرتے ہیں، جو کچھ ہو رہا ہے وہ بے حد ناپسندیدہ ہے، اس کی تلافی ہونی چاہئے، ہمیں ایک نئی فطرت نہیں تخلیق کرنی ہے، نہاۃ ثانیہ بھی کہنا ضرورت سے زیادہ ہے، ہمیں وہی آب و تاب لانی ہے جو ماضی میں ہماری شان تھی، ہمیں اپنی فطرت میں بالیدگی پیدا کرنی ہے، اسی پیغام کو دہراتا ہے جو رسول امی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا ہے اور جس پر عمل کر کے ہمیشہ سر بلند رہے، ہماری قدریں ازلی اور ابدی ہیں، کمرے کی وہ

کھڑکیاں جو اس گلستاں کی طرف کھلتی ہیں انہیں کھولنا ہے، پھر انہیں پھولوں کو دیکھنا ہے، ان کی خوشبو کو اپنے جسم اور دل و دماغ میں بسالینا ہے، یہ کتاب اخلاقی ہدایت کے ساتھ حسن بیان سے بھی مزین ہے، یہ تحریر اخلاق کی مدد اور معاون ہے، یہ باتیں نئی نہیں ہیں، اکثر لوگوں کے دل و دماغ میں ہیں، مگر ایسے عمدہ طریقے سے کبھی بیان نہیں ہوئیں، یہاں ہدایت اور تعلیم ہے، مولانا کی نگاہ غائر ہے، وہ بتا رہے ہیں کہ ہمارا دین، ہماری نفسیات اور نظام کائنات سب متوازی ہیں، یہ دنیا مزرع آخرت بھی ہے اور ایک انجمن بھی، مولانا نے حقیقت کو انجمن کی زینت بنا دیا ہے۔

اس کتاب کو پڑھ کر مراقبہ کی کیفیت نہیں پیدا ہوتی، جو صوفیوں کو بہت محبوب ہے، یہاں مکمل سکون کی کوئی خواہش نہیں، یقین محکم اور عمل پیہم کا پیغام ہے، اسباب اور علل کی توضیح ہے، جن کے حواس فریب خوردہ ہوں ان کو ایک مرد مومن کا موقع دکھایا جا رہا ہے۔ گوش حقیقت نبیوش میں حقیقی باتیں ڈالی جا رہی ہیں، یہ صرف حلقہ خواص کے لئے نہیں، خواص پسند ہونے کے باوجود مولانا کی گفتگو عوام سے ہے۔

مولانا کا پیش لفظ بھی عالمانہ نکات سے بھرپور ہے، مولانا نے اس دور کی جاہلیت کا عرب کے عہد جاہلی سے مقابلہ کیا ہے اور اس نتیجہ پر آئے ہیں کہ یہ دور اُس دور سے زیادہ بد نصیب اور جاہلیت کے شکنجوں میں جکڑا ہے، عرب کے اس دور جاہلیت کے خلاف سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم جہاد بلند کیا اور اسلام کا پیغام دیا، جس نے عرب کی کایا پلٹ کر دی اور ایسا معاشرہ وجود میں آیا جو رہتی دنیا تک کے لئے نمونہ بنا۔

مولانا نے بتایا کہ مغرب کا نام نہاد ترقی یافتہ معاشرہ جدید جاہلیت کا مکمل نمونہ ہے اور جب اہل مشرق نے اس کو اپنانے کی کوشش کی تو صرف اس جاہلی پہلو کو اپنانے کی کوشش کی۔

اس کتاب کے مضامین دیگر نظاموں، نظریات اور تمدنی فلسفے کے بالمقابل اسلامی منہج حیات کی اہمیت، اس کی بقاء و دوام اور انسانی مزاج سے ہم آہنگ ہونے کے بارے میں کتاب و سنت کی روشنی میں تحریر کئے گئے ہیں۔

کتاب کی ابتدا طاقت کے غرور سے ہوتی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی لڑائی قرآن میں مکالموں کے ذریعہ سے بیان ہوئی ہے، اور بقول مضمون نگار کے ”یہ ایک مختصر کہانی ہے جو ایک ابھرتی قوم کے منٹے اور مٹی ہوئی قوم کے ابھرنے کی ہے، یہ عبرتوں سے لبریز ہے، اور قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ ہے۔“

ایسا ہی مضمون ”مادیت پسندی اور اخلاقی قدروں کا زوال“ ہے، اس مضمون کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں مادیت کے سامنے سپر ڈالنے والے لوگوں کی نفسیات بیان کی گئی ہے، کیسے مادیت پسندی مقصدی شکل اختیار کرتی ہے، اس کی جڑیں مغرب کی مادہ پرست تہذیب میں ملتی ہیں، مضمون خالص منطقی نتائج سے وابستہ ہے، اس میں انجام کی طرف روشنی ڈالتے ہوئے واضح کیا گیا کہ آج اخلاقی انارکی اور انسانی قدروں کا زوال اسی سبب سے ہے، ایسا ہی مضمون ”اسلام پر دشمنوں کی یورش“ ہے، جس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ یہ یورش اسلامی ممالک میں ہر قسم کی معدنیات اور زمینی ذخائر کی موجودگی کے سبب سے ہے۔

مضامین کا یہ سلسلہ قائم ہے، یہ مضامین بیانیہ نہیں ہیں، بلکہ فکر اور دلائل سے حالات کی پیچیدگی کو بیان کیا گیا ہے، مولانا ان مضامین، اسلام کے خلاف مغرب کی عداوت اور کینہ کی بھیانک صورت حال کا نقشہ کھینچا ہے۔

اب مضامین سیل رواں کی شکل اختیار کر رہے ہیں، کسی مضمون میں ایک مذموم انسانی جرم پر تبصرہ ہے، شکست خوردہ ذہنیت اور دریدہ دہنی کو روشنی میں لاتے ہیں، کوئی بھی مضمون ہو مولانا اس میں کلام پاک ہی سے استفادہ کرتے ہیں، اس کی آیتوں کو لکھتے ہیں اور صورت حال کو اس کی روشنی میں واضح کرتے ہیں، قرآن ہی ان کی سوچ کا بلجا ہے، یہی پیغام ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو، اسی ہی میں سب کی فلاح اور بہبود مضمّن ہے، لوگوں کو عمل پر ابھارنے کی تاکید ہے: آپ کہہ دیجئے کہ (جو چاہو) عمل کرو، سوا بھی دیکھ لیتا ہے تمہارے عمل کو اللہ، اس کا رسول اور اہل ایمان، جو بگاڑ آیا ہے وہ صرف امید، آرزو سے دور نہیں ہوگا، بلکہ اس کی اصلاح تبلیغی دعوت کے



ساتھ قول و فعل میں مطابقت پیدا کر کے اسلامی سیرت کو ایک واضح شکل میں پیش کرنے سے ہوگی، اس سے زیادہ بھلی بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے، نیک کام کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں، مولانا نے فرمایا کہ مسلمانوں کو صحیح اسلام سے روشناس کرنے کے لئے کسی فلسفہ یا نظریہ کی ضرورت نہیں، ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے وہ سبق حاصل ہو سکتا ہے، جو کسی اور چیز سے نہیں مل سکتا، اسی طرح مولانا کا مضمون ”عقیدہ توحید اور مسلمانوں کا موقف“ پر ہے، مضمون کا ماحصل یہ ہے کہ اسلام میں غیر اللہ کی عبادت کی کوئی گنجائش نہیں، وہ کفر اور شرک کے محرکات سے بھی دور رہنے کا حکم دیتا ہے، انتہائی چشم کشا مضمون ہے۔

اس وقت زمانہ صاحب کردار اور باشعور مسلمان کا منتظر ہے، جس کی رگوں میں اخلاص کی روح جاری اور ساری ہو، تعلیمات دین کا پیکر ہو، شخصیت و کردار اور ایمانی فدا کاریوں کے نمونے پیش کرے۔

مضمون ”ہماری زندگی میں مصائب اور آلام“ میں مولانا نے فرمایا کہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے قائدانہ منصب کو ٹھکرا دیا اور غلامی کی زندگی پر راضی ہو گئے، خود داری اور شرافت کی زندگی بسر کرنے کی روش ترک کر دی، ہم اپنی بد بختی اور نامرادی کو دوسروں کے سر پر نہیں تھوپ سکتے، بہر حال حق و باطل کی کشمکش جاری رہے گی اور اہل عبرت کے لئے سامان عبرت فراہم کرتی رہے گی، مولانا نے اقبال کا شعر لکھا ہے:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

واقعی روز اول نے یہ سلسلہ قائم و دائم ہے۔

اسوۂ ابراہیمی اور شیوہ آذری میں مولانا کے اندر کا شاعر بیدار ہوا ہے، پورا مضمون ”بے خطر کو پڑا آتش نمرود میں عشق“ کی توضیح اور تفسیر ہے، کیسے آگ انداز گلستاں پیدا کرتی ہے۔

مضامین کا یہ سلسلہ جاری اور ساری ہے، ہر مضمون کا ماحصل یہی ہے کہ شریعت اسلامیہ کا

وجود ہر فساد کی اصلاح، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ظلم و ستم کے خاتمہ اور تمام زمانوں میں ہر جگہ حیات بشری کی خوش بختی اور فلاح کی ضمانت لیتی ہے، اللہ نے جو رسول ہمارے لئے بھیجا وہ ایک بہترین نمونہ ہے اس شخص کے لئے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان اور یقین رکھے اور خدا کو خوب یاد کرے۔

یہ مقدمہ غیر ضروری طور پر طویل ہوتا جا رہا ہے، کیا عرض کیا جائے بقول سعدی ”نہ حسنش غایتے دارد، نہ سعدی رانخن پایاں“۔ اب اس کو ختم کرتا ہوں، حالانکہ بہت کچھ لکھنے کو رہ گیا ہے، یہ خاتمہ اس دعا پر ہے کہ اللہ اس ابرگہر بار کو ایسا ہی برستار رکھے اور موتیوں سے سب کے دامن بھر جائیں۔

پروفیسر وصی احمد صدیقی

۱۴۲۹/۹/۱۱ھ

معتد مال و نائب ناظم ندوۃ العلماء

۲۰۰۸/۹/۱۳ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## تمہید

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين، محمد  
وعلى آله وأصحابه أجمعين، أما بعد:

اس ترقی یافتہ عہد میں جب کہ تہذیب و تمدن اور علم و سائنس کی روشنی سے ساری دنیا روشن ہے، بہت کم ذہن اس حقیقت کی طرف متوجہ ہوتے ہوں گے کہ یہی زمانہ ظلمت و جاہلیت کے عروج اور انسانوں کی بدنصیبی اور شقاوت کا عہد بھی ہے، تاریخ میں عرب کے عہد جاہلی کو جو شہرت حاصل ہے اس عہد کو مستقبل کی تاریخ میں شاید اس سے زیادہ شہرت حاصل ہو، عرب کا عہد جاہلی بلاشبہ تاریخ کا ایک عجیب تاریک اور بدنصیب دور سمجھا جاتا ہے۔ لیکن چشم بصیرت سے دیکھا جائے تو موجودہ دور اس سے بھی زیادہ بدنصیب اور جاہلیت کے شکنجوں میں جکڑا ہوا نظر آئے گا، فرق صرف اتنا ہے کہ زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس دور کی جاہلیت بھی ترقی پذیر ہو چکی ہے۔

عرب کی جاہلی زندگی پر نظر ڈالئے تو آپ کو فتنہ و فساد، قتل و غارت اور طبقاتی کشمکش، قبائلی تعصب اور ظلم و جور کے دن رات پیش آنے والے واقعات کے ساتھ بت پرستی، اور خدا بیزاری کی ایسی گھناؤنی شکلیں نظر آئیں گی، جہاں جبین انسانیت شرم سے عرق آلود ہو جائے، اسی جاہلیت کے خلاف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم جہاد بلند کیا اور انسان کو اس کے صحیح مقام سے آشنا کیا، اور سارے عالم کے لئے ایک ایسا پیغام پیش کیا جو قیامت تک کے لئے اس کے ہر دکھ درد کا مداوا تھا،

اور وہ تھا اسلام کا پیغام، جس نے دیکھتے دیکھتے عرب کی جاہلی زندگی کی کاپی پلٹ دی، اور اس کو ایک ایسے مثالی معاشرہ سے تبدیل کر دیا جو رہتی دنیا تک کے لئے نمونہ بنا۔ یہ وہ حقیقت ہے جس سے تاریخ اسلام کا ہر طالب علم واقف ہے۔

لیکن آج ہم پھر ایک بہت بڑی جاہلیت سے دوچار ہیں، یہ جاہلیت عرب کی جاہلیت سے بھی زیادہ تاریک، زیادہ گہری، اور اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے، اس جاہلیت کا سرچشمہ اللہ کی حاکمیت سے بیزاری ہے، جس کے لئے آج کی بڑی بڑی ایجادات اور محیر العقول مادی دریافت میں ہرگز کوئی جواز نہیں ہے، یہ جاہلیت خدا کی صفت خلق و ابداع کو انسانوں کی طرف منسوب کرتی ہے، چنانچہ قدیم جاہلیت بت پرستی کی داعی تھی توحید جاہلیت میں ایک انسان دوسرے انسان کو خدا مانتا ہے اور اس کے سامنے سر نیا زخم کرتا ہے، قدیم جاہلیت میں فتنہ و فساد، تعصب، ظلم و جور اور قتل و خونریزی کی جتنی خصوصیات پائی جاتی تھیں، جدید جاہلیت میں اس سے کہیں بڑھ کر یہ چیزیں موجود ہیں، یہ صحیح ہے کہ موجودہ جاہلی زندگی میں بت پرستی اس طرح رائج نہیں ہے، لیکن یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ اس زندگی میں خدا اور خالق کا تصور بالکل ختم ہو چکا ہے، اور وہ نجاستوں اور ناپاکیوں میں اس طرح ملوث ہو چکی ہے کہ معصیت اور شرک کی ہر بدترین شکل اس کی نظر میں ولفریب اور دیدہ زیب ہے اور وہ اس کا بڑھ کر استقبال کرتی ہے۔

مغرب کی ترقی یافتہ زندگی اس جدید جاہلیت کا مکمل نمونہ ہے اور اہل مشرق جب بھی اس کی تقلید شروع کرتے ہیں تو اس کے بہت سے اچھے ظاہری پہلوؤں کو چھوڑ کر صرف اسی جاہلی پہلو کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں، جس میں خدا اور بندے کا کوئی تصور نہیں ہے، بلکہ انسان ہی انسان کا حاکم اور اس کا خدا ہوتا ہے۔ ان حالات میں دنیا کو ایک صحیح قیادت و رہنمائی کی ضرورت ہے، جو صرف اسلام ہی پیش کر سکتا ہے۔

یہ مجموعہ ان مضامین پر مشتمل ہے جو دیگر نظاموں، نظریات اور تمدنی فلسفے کے بالمقابل اسلامی منہج حیات کی اہمیت اور اس کے بقاء و دوام اور اس کے انسانی مزاج سے پوری طرح ہم آہنگ ہونے کے بارے میں کتاب و سنت کی روشنی میں تحریر کئے گئے ہیں۔

کتاب کے اکثر مضامین مختلف مجلات و رسائل میں شائع ہو چکے تھے، اور کچھ بروقت بھی لکھنے کی توفیق ہو گئی، سارے مضامین میں قدر مشترک اسلام اور اسلامی نظام حیات کی برتری اور اس کی عظمت ہے، اس لئے اس کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا بعض عزیز بھائیوں اور خاص طور سے عزیز ی محمد فرمان ندوی استاد دارالعلوم نے مشورہ دیا، اور انھیں کی کوششوں سے یہ مجموعہ تیار ہوا، اس لئے امید ہے کہ ناظرین کرام اس کتاب کو ایک با مقصد عمل تصور فرمائیں گے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ اس حقیر کوشش کو قبول فرما کر اس سلسلہ کے تمام معاونین اور اس ناچیز پر احسان عظیم فرمائیں۔ (آمین)

راقم الحروف

سعيد الرحمن اعظمی ندوی

۱۳۲۹/۰۸/۲۳ھ

مدیر البعث الاسلامی

۲۰۰۸/۰۸/۲۶ء

ندوة العلماء، لکھنؤ





باب اول: —————●

اسلام پر مغربی یلغار



## طاقت کا غرور

ہم اس وقت ایک ظالم اور متکبر بادشاہ کے سامنے ہیں، ایک ایسے سرکش حکمران کے سامنے جس کی آنکھوں پر تکبر و سرکشی کی غلیظ چادر چڑھی ہوئی ہے اور جو اپنی حماقت اور کندہ بینی کی وجہ سے خدائی کا دعویدار ہے اور ”انصار بکم الاعلیٰ“ کا اعلان کر رہا ہے، یہ اپنے وقت کا سب سے بڑا سرکش اور ظالم و متکبر بادشاہ فرعون ہے۔

فرعون سرزمین مصر کا حکمران، جس نے پوری قوم کو غلام بنا رکھا ہے اور رعایا کو انتہائی بے دست و پا سمجھ کر ذلت و غلامی کے بندھن میں جکڑنا چاہتا ہے، وہ فرعون جو اشرف المخلوقات انسان کو جانور سے زیادہ حیثیت دینے کو تیار نہیں، اور جس نے دنیا میں اپنے زمانے کی سب سے عظیم امت اور اپنے وقت کی بلند و برتر قوم بنی اسرائیل کو ہمیشہ کے لئے قعر مذلت میں ڈھکیل دینے کے لئے پوری قوت صرف کر دی ہے، جو ایک نبی کی اولاد کو ذلیل و رسوا کرنا چاہتا ہے، اور اس کے لئے وہ اپنے آخری حربہ کو استعمال کر رہا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو فرعون کی یہ سرکشی، اس کا استکبار اور اس کی حماقت پسند نہیں آئی، اس نے چاہا کہ اس قوم کو عزت و بلندی کے اس مرتبہ پر قائم رکھے جو ان کا حق تھا اور غلامی اور ذلت کی تاریکیوں سے نکال کر ایک ایسی روشنی ان کو عطا کرے جو رہتی دنیا تک باقی رہے، اور جو آنے والی قوموں کے لئے مشعل ہدایت بن سکے، چنانچہ اس روشنی کا سب سے پہلا نور اسی قوم کے ایک نومولود بچے کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا، جن کا نام موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ہے۔

موسیٰ مختلف آزمائشوں اور امتحانات سے گزرنے کے بعد اب نور نبوت سے سرفراز ہو چکے ہیں۔ رحمت الہی ان پر سایہ فگن ہے، وہ فرعون سے مقابلہ کرنے کے جذبے سے سرشار ہیں، ظلم و تکبر کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہیں اور انسان کو اس کے حقیقی مرتبہ پر واپس لانے اور غلامی کی زنجیر سے نجات دلانے کے لئے پوری طرح کمر بستہ، اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت کی امانت عطا فرمائی اور ہر موقع پر اپنی مدد ان کے ساتھ رکھی، اور بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانے کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دی اور اپنی پوری مدد کا ان کو یقین دلایا۔

یقین کی بے پناہ قوت اور ایمان کے جذبہ سے سرشار ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام ظالم فرعون کے دربار میں پہنچے اور اس سے قوم کو آزاد کرنے کا مطالبہ کیا، ایمان کی دعوت دی اور خدائے واحد کو معبود ماننے کا مطالبہ کیا۔

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی یہ جرأت دیکھ کر کہا کہ اے موسیٰ! کیا تم وہی شخص نہیں ہو جس کی ہم نے بچپن میں پرورش کی اور تم ایک مدت تک یہاں مقیم رہے، اس کے باوجود جو کچھ تم نے کیا وہ کسی سے مخفی نہیں ہے، بلکہ وہ سراسر کفرانِ نعمت ہے، احسان ناشناسی ہے۔

موسیٰ نے تلخ لہجے میں فرمایا کہ بنی اسرائیل کو تم نے غلام بنالیا، یہی وہ تمہارا احسان ہے جسے تم جتا رہے ہو۔ اللہ کے بندوں کو غلام بنانے والے ظالم حکمران! تو نے میری قوم کو غلام بنایا، ان کو حقیر سمجھا اور طرح طرح سے ان کی توہین کی، کیا یہی تیرا وہ عظیم احسان ہے جو تو یاد دلارہا ہے۔ اور احسان مند ہونے کا مطالبہ کر رہا ہے۔؟

موسیٰ کی حق گوئی سے فرعون کا دربار گونج اٹھا، اور فرعون کی خدائی لا جواب ہو کر رہ گئی۔ لیکن سلطنت کے غرور اور عزت و عظمت کے نشہ نے فرعون کے اندر انتقام کی آگ بھڑکادی، اس کے درباریوں نے اس آگ کو مزید ہوا دی، لوگوں نے کہا کہ کیا آپ موسیٰ اور ان کی قوم کو اسی طرح چھوڑ دیں گے، تاکہ وہ زمین میں فساد برپا کریں اور وہ آپ اور آپ کے معبودوں سے منہ موڑ لیں۔ فرعون نے جواب دیا کہ وہ دن دور نہیں جب کہ ہم ان سے اس کا انتقام لیں گے اور ان کی عورتوں کو چھوڑ کر ان کے تمام مردوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے اور ان کو ہماری بالادستی کے

سامنے جھکنا پڑے گا۔

موسیٰ علیہ السلام کی قوم فرعون کی یہ دھمکی سن کر گھبرا گئی، حضرت موسیٰ نے ان کو اطمینان دلایا اور ان سے کہا کہ تم لوگ اللہ سے مدد طلب کرو اور صبر کرو اور یہ بھی یاد رکھو کہ زمین اللہ کی ہے، وہ جس کو چاہے اس کا وارث بنائے اور نیک انجام تو ہمیشہ اللہ سے ڈرنے والوں کا رہا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے خلاف ایمان کی قوت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ فرعون کے جادوگروں نے جو خالص فرعون کے پروردہ اور اس کی رعایا تھے، اور فرعون کی خدائی اور اس کی ربوبیت کے معترف تھے اور موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہو کر آئے تھے، انہوں نے بھی مقابلہ کی تاب نہ لا کر فرعون کے بھرے دربار میں صاف صاف اعلان کر دیا کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لائے۔

”جادوگر سجدے میں گر گئے اور انہوں نے کہا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔“

فرعون یہ کیفیت دیکھ کر غصے سے پاگل ہو گیا اور اس نے جادوگروں کو دھمکی دی کہ تم نے اس شہر کے لوگوں کو نکالنے کی سازش کی ہے تو اس کا انجام تم کو بھی معلوم ہو جائے گا۔ تمہارے ہاتھ پیر مخالف سمت سے کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔

ایمان لانے والے جادوگروں نے نہایت بہادری اور جرأت کے ساتھ صاف صاف یہ اعلان کر دیا کہ ”تم کو جو کچھ کرنا ہو کر لو، زیادہ سے زیادہ تم ہماری اس دنیاوی زندگی کا خاتمہ کر دو گے، ہم تو اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔“

اس کے بعد فرعون کا جو حشر ہوا وہ کسی سے مخفی نہیں، یہ مختصری کہانی ہے ایک ابھرتی ہوئی قوم کے مٹنے اور مٹی ہوئی قوم کے ابھرنے کی، جو عبرتوں سے لبریز ہے اور جس میں قوموں کے عروج و زوال کی پوری تاریخ موجود ہے۔

\* \* \*





## تھکست خوردہ ذہنیت اور دریدہ دہنی

اسلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف صلیبی یہودی عداوت دشمن کے رگ و پے میں خون کی مانند گردش کرتی رہتی ہے اور زمان و مکان کے اختلاف کے ساتھ ساتھ اس کی شکلیں بھی بدلتی رہتی ہیں، کبھی زبان و قلم کی قینچی سے اسلام کی تصویر بگاڑی جاتی ہے اور کبھی فکری و تہذیبی حملے کئے جاتے ہیں، کبھی اسلامی شریعت اور اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی تاریخ کے سلسلہ میں سو قیانہ خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے، اسلامی شعائر اور اس کے مقامات مقدسہ کی توہین کی جاتی ہے اور سابقین اولین صحابہ کرامؓ کے سلسلے میں کوشش کی جاتی ہے کہ ان کے مقام بلند سے کھلواڑ کیا جائے اور خلفائے راشدین کی شان عالی میں گستاخی کی جائے۔ اسلام کے خلاف ان کی یہ معاندانہ روش یہیں پر ختم نہیں ہوتی، بلکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کے سلسلہ میں الزام تراشیاں کی جاتی ہیں۔ تاریخ اسلام ان جیسے نازک و حساس مراحل سے بارہا گزر چکی ہے اور ان خرافات سے بار بار اس کا سابقہ پڑ چکا ہے، افسوس کہ ان خرافات کی نشر و اشاعت کی مکمل ذمہ داری دنیا کے بڑے بڑے نشر و اشاعت کے مراکز نے لے رکھی ہے، ابھی رشدی کا قضیہ ذہنوں سے محو نہیں ہوا ہے۔

جب کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ عالم انسانیت میں بلند اخلاقیات کا وجود اسلام کا مرہون منت ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ سب خاتم الانبیاء، امام الایمان محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ہے، اس بات کی شہادت قرآن کریم نے بھی اسلوب بدل بدل کر دی ہے، کتنی آیتیں ہیں جن میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ رحمت عالم محمد عربی کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، اور کسی

بھی مومن کا ایمان اس کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ خدا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں پر بیک وقت ایمان نہ لائے اور شکر و وفاداری کا نذرانہ اس وقت تک ادا نہیں ہو سکتا جب تک اس بات کا اقرار نہ کرے کہ ساری دنیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی مرہون منت ہے جنہوں نے علم و عرفان کا دریا بہایا اور زندگی کو ایک پاکیزہ عقیدہ سے مزین کیا اور لوگوں کو آداب زندگی سکھائے اور جہالت و عداوت، بغض و حسد کی تنگ گھاٹی سے نکال کر اخوت و محبت کی جولان گاہ میں لاکھڑا کیا اور ایسے صالح معاشرہ کی تشکیل کی جس نے انسانوں کا مقام بلند کیا اور ایک پر امن اور شریفانہ زندگی گزارنے پر آمادہ کیا، اور ان کے اندر جدوجہد، حرکت و نشاط اور فعالیت کی روح پیدا کی اور اس طرح اسلامی تہذیب کی بنیاد پڑی، اس نے عالم انسانیت میں عفت و پاکیزگی کا مزاج ایسے وقت میں پیدا کیا، جس وقت انسان اپنا مقام کھو چکا تھا اور لوگوں کی زندگیاں امتیاز رنگ و نسل، قومیت و وطنیت کے مختلف خانوں میں بٹ گئی تھیں اور انسانی خواہشات کا غلام بن کر رہ گئی تھیں، جہاں طاقتور کمزور پر حکومت کرتا اور امیر فقیر پر، اور پوری انسانیت کے ساتھ ذلیل غلاموں جیسا سلوک کیا جاتا بلکہ جانوروں سے بھی بدتر۔

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نے ان تمام آمرانہ و انتہا پسندانہ روایات کا خاتمہ کیا اور پوری انسانیت کو ایک صف میں لاکھڑا کیا، اور ہر انسان کو جینے کی آزادی عطا کی، حدود میں رہ کر اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کی اجازت دی، اس کو آپسی خیر خواہی، بھائی چارگی، محبت و الفت کی تلقین کی، فضیلت و عزت اور اشرافیت کے سارے جھوٹے پیمانوں کو منسوخ کیا اور سب کے لئے ایک پیمانہ اور ایک معیار مقرر کیا اور وہ تقویٰ الہی ہے۔

علامہ ابن قیم جوزیؒ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علو شان، خدا سے آپ کے گہرے قرب و تعلق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت، فرشتوں کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر دل عزیز کی شہادت دی ہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بوجھ ہلکا کیا، اور آپ کے مخالفین کی قسمت میں ہمیشہ کے لئے ذلت و خواری لکھ دی،

لہذا اپنی کتاب ”زاد المعاد“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اسکے رسول ہیں اور وحی سماوی کے پاسبان و امین اور اللہ کے منتخب شدہ اور خدا اور بندے کے درمیان واسطہ دین مستقیم کے فرستادہ اور راہ حق کے راہبر ہیں، ان کو اللہ نے رحمت عالم امام الانبیاء اور ساری مخلوقات ارضی کے لئے امن و محبت کا پیامبر بنا کر مبعوث فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ واضح راستے کی طرف رہنمائی کی اور تمام بندگان خدا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو لازم قرار دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کو خدائی شان قرار دیا گیا، دخول جنت کے لئے دامن مصطفوی سے وابستگی مشروط کی گئی، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ کو کھول دیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت کو دوام عطا ہوا، آپ کے بوجھ کو ہلکا کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنے والے کی قسمت میں ذلت و مسکنت لکھ دی گئی۔

چنانچہ مسند ابونعیم جرشی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”بعثت بالسيف بين يدي الساعة حتى يعبد الله وحده لا شريك له، وجعل رزقي تحت ظل رحمي وجعل الذلة والصغار على من خالف أمري ومن تشبه بقوم فهو منهم“ (میں قیامت تک کے لیے تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہوں، یہاں تک کہ روئے زمین پر صرف اور صرف اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی جانے لگے، اور اللہ تعالیٰ نے ہمارا رزق ہمارے ہی رحم و کرم میں مقدر کر دی ہے، اور ہر اس شخص کے لیے، ذلت و رسوائی لکھ دی ہے جو میری مخالفت کرے، اور جو شخص بھی کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ ان ہی میں کا شمار کیا جائے گا) پس جس طرح ذلت و نکبت عاصی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تقدیر میں لکھ دی گئی ہے اسی طرح عزت و سر بلندی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کی قسمت کے ساتھ وابستہ کر دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”ولله العزة ولرسوله وللمؤمنين“ (منافقون: ۸) عزت

تو صرف اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور ایمانداروں کے لئے ہے، ”فلا تھنوا وتذعوا إلى السلم، وأنتم الأعلون، واللہ معکم“ (محمد: ۳۵) پس تم بودے بن کر صلح کی درخواست پر نہ اتراؤ، جبکہ تم ہی بلند و غالب رہو گے، اور اللہ تمہارے ساتھ ہے ”یا ایہا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المؤمنین (أنفال: ۶۴) اے نبی! تجھے اللہ کافی ہے اور ان مؤمنوں کو جو تیری پیروی کرتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم انسانیت پر جو احسانات و انعامات اور نوازشیں کی ہیں، وہ حد شمار سے فزوں تر ہیں، اور یہ عالم جدید اپنی ثقافت، اپنے کلچر اور اپنی صنعت، اپنی ایجادات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا مرہون منت ہے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود نہ ہوتا تو نہ آداب ہوتے، نہ اخلاق اور نہ علوم و فنون کی کثرت، اگر آپ کی ہستی نہ ہوتی تو انسانیت اپنے پیام و مرتبہ سے نا آشنا رہتی، نہ وہ فریضہ خلافت کی اہل قرار پاتی، بلکہ شقاوت و بدبختی اور نخوت و انانیت کے گڑھے میں پڑی ہوتی۔

ان ملحدوں اور غفلت شعاروں کو یاد رکھنا چاہئے جن کے دل اپنے کرتوتوں کی وجہ سے اس طرح سے زنگ آلود ہو گئے کہ فضائل و رذائل، شقاوت و سعادت کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت بھی جاتی رہی اور وہ گمراہی و ضلالت میں پڑے ہوئے بد نصیبی اور شقاوت کی زندگی گزار رہے ہیں۔

لہذا نہ انہیں رذائل کی پرواہ ہے، نہ گندے حالات کی، اللہ تعالیٰ نے ان کے جھوٹ اور افترا پردازیوں کی جو صاف صاف گواہی دی ہے انہیں اس کو ہرگز نہ بھولنا چاہئے، وہ کان کھول کر سن لیں۔ ”کبرت کلمۃ تسخر من أفواہہم، إن یقولون ألا کذباً“۔ (کہف: ۵) ”بہت بڑی بات ہے جو ان کی زبان سے نکل رہی ہے، وہ سوائے جھوٹ کے اور کچھ نہیں کہتے۔“



## اسلام اور مغرب

موجودہ ترقی یافتہ دنیا کی نگاہوں میں تمام قدیم افکار و نظریات اور دیرینہ قدریں قصہ پارینہ بن کر رہ گئی ہیں، اور وہ انسان جو گذشتہ زمانہ میں بادشاہوں اور حکمرانوں کے غیظ و غضب کے سایہ میں زندگی کے لمحات گزارتا تھا، آج وہ اس ترقی یافتہ اور سائنسی اور صنعتی دنیا کے اندر قدیم تہذیب کے دلدل سے نکل کر کمپیوٹر، انٹرنیٹ، اور زندگی کے دوسرے شعبہ جات میں حصول متاع کے لئے تگ و دو کرتا نظر آ رہا ہے۔

اہل مغرب کی اقوام عالم کو یہ باور کرانے کی کوشش کہ انسان کی ترقی اور فلاح اسی میں پنہاں ہے کہ وہ قدیم تہذیب و تمدن کو پس پشت ڈال دے اور زمانے کے بدلے ہوئے اصول میں وہ اپنے روشن و تابناک مستقبل کو تلاش کرے، زمانے کی ہر نرم و گرم چیز کو قبول کرتا جائے، اور دنیاوی جاہ و متاع کے حصول کے لئے اسلام کے چھوڑے ہوئے ورثہ کو نہایت بے دردی کے ساتھ خیر باد کہہ دے، اس بے بنیاد و غلط نظریہ کے تحت اہل مغرب اور ان کے رنگ میں رنگنے والے لوگ اسلام کے علمبرداروں اور اس کے نام لیواؤں کو جو اسلامی تہذیب و ثقافت کو اپنے سینہ سے لگائے ہوئے ہیں، اور اسے حرز جاں بنائے ہوئے ہیں، انسانی سوسائٹی کے لئے ہمہ وقت ایک خطرہ سمجھ رہے ہیں، اور اسلامی تہذیب و تمدن کو ایک جاہلانہ تصور خیال کر رہے ہیں، اور لوگوں کے دلوں میں اس کے خلاف نفرت و عداوت کا بیج بوتے رہتے ہیں اور اسلام سے رشتہ رکھنے والے کو احمق، جاہل اور قدامت پرست کے نام سے یاد کرتے ہیں، اہل مغرب کی یہ دریدہ فنی اور شیدائیان اسلام کے خلاف اس پروپگنڈے نے ان کے درمیان حقیقت کا ایسا لبادہ

[illegible]

כ. דהא דאמר ר' חייא בר אבא

مسلمانانِ اُثریج و اُصلی نے اپنے عقیدہ حق کے لئے جیسا کہ مسلمانِ غیر نے کیا ہے اور  
تیار کیا ہے وہ فخرِ مسلمانی کی بھرپور شہادت ہے کہ یہ عقیدہ حق ہے جس کی جیتنا  
اور جیتنے والوں کے لئے جہاد کا حق ہے اور جیتنے والوں کی جیتنا اور جیتنے والوں کے  
حق کی جیتنا اور جیتنے والوں کے حق کی جیتنا اور جیتنے والوں کے حق کی جیتنا اور جیتنے  
والوں کے حق کی جیتنا اور جیتنے والوں کے حق کی جیتنا اور جیتنے والوں کے حق کی جیتنا اور جیتنے



باشندے ان الفاظ سے مانوس ہونے لگے، اور دانشورانِ فرنگ مذہب اسلام اور اسکے مقدس رسول کی پاکیزہ زندگی کو مسخ کرنے کے لئے جو حربہ استعمال کرتے رہتے ہیں، وہ خود انھیں کے گلے کی پھانس بنتا جا رہا ہے، اور انھیں کے معاشرہ کے لئے خطرناک ثابت ہو رہا ہے، اور یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے ماضی کے ریکارڈ پر ایک نظر ڈالئے آپ کو بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ خرمن اسلام کو پھونکنے کے لئے ایندھن جمع کرنے والے مطلع تاریخ پر پاسبان اسلام کی صورت میں جلوہ گر ہوئے بقول شاعر

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے  
پاسبان مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

چنانچہ ڈنمارک سے شائع ہونے والا کارٹون جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فرضی تصویر کو شائع کیا گیا، اور اس پر تمام مسلم ممالک نے احتجاج کیا، یہ خود یورپ میں اور خاص طور سے ڈنمارک کی سرزمین پر اسلام کی نشر و اشاعت کا ذریعہ بن گیا، اور وہاں کے باشندے اسلام کی طرف مائل ہونے لگے، اور اس کے سایہ میں زندگی کے لمحات گزارنے کے لئے بیتاب و بے قرار ہونے لگے، اور یہ ایک انکشاف ہے کہ فرانس کے اندر مسلمانوں کی تعداد میں بڑی تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے، اسی کو کہتے ہیں جادوہ جو سرچڑھ کر بولے۔

یہ ایک سرسری جائزہ ہے یورپین ممالک کا، دوسری جانب مصر کی سرزمین پر آج بڑے وسیع پیمانے پر غیر مسلموں بالخصوص عیسائیوں کو اسلامی دعوت کے نورانی سایے کی جانب آنے کی دعوت دی جا رہی ہے، اور وہ شرح صدر کے ساتھ اسلام کو اپنے سینے سے لگا رہے ہیں، اسلام کی اس بڑھتی ہوئی مقبولیت و تاثیر کو دیکھ کر عیسائیت کے علمبرداروں کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگا اور وہ سلگ اٹھے، رد عمل کے طور پر مسلم نوجوانوں کو وہ مختلف طریقوں سے اپنے دام فریب میں مبتلا کر رہے ہیں اور ان کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے نئے نئے ہتھکنڈے اپنا رہے ہیں، کبھی انھیں مال و دولت کے ذریعہ اپنا غلام بنا رہے ہیں تو کبھی مہ و شوں کا سہارا لے کر سادہ لوح نوجوانوں کو پھسلانے کے طریقے اختیار کئے جا رہے ہیں، مسلم نوجوان کے ذہن میں یہ زہر بھی

گھولاجارباہے کہ بڑے بڑے مسلم علماء نے عیسائیت کی تبلیغ کو اپنی توجہات کا مرکز بنایا، اسی پر بس نہیں بلکہ بیجان انگیز جنسی فلموں (Blue Films) میں ممتاز علماء کی جھوٹی تصویریں اس انداز سے پیش کی جا رہی ہیں گویا ہوس و جنس پرستی ان علماء کا بہترین مشغلہ حیات تھا، مسلم نوجوانوں کے سامنے جب اس طرح کی تصویر آتی ہے تو ان کے دلوں میں اسلام کے تئیں نفرت و ناپسندیدگی کا شعلہ بھڑکنے لگتا ہے، مگر قدرت کا نظارہ دیکھئے کہ ان تمام مخالف ہواؤں کے باوجود آج اسلام لوگوں کو اپنا گردیدہ بناتا جا رہا ہے، مصر کی سرزمین پر روزانہ عیسائیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اسلام میں داخل ہو رہی ہے، جبکہ عیسائی مشنری کو ہرموڑ پر پریشانی جھیلنی پڑ رہی ہے، اگر زمین اس کے لئے تنگ ہوتی ہوئی نظر آ رہی ہے تو آسمان اس پر غضب آلود نگاہیں ڈال رہا ہے، جب کہ اسلام کی طرف لپکنے والوں کی تعداد خود ان کے لئے باعث تشویش بنتی جا رہی ہے۔

تندی باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب

یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

عصر حاضر میں یورپ کے تعلق سے ماہرین نفسیات نے ایک ایسی عقلی اور دماغی بیماری کے جراثیم (اسلام فوبیا) کا انکشاف کیا ہے کہ اس مرض کا شکار انسان اسلام کی نفرت کی آگ میں خود بخود جھلنے لگتا ہے اور اس کو نظر حقارت سے دیکھنے لگتا ہے، اسی گھناؤنی ذہنیت نے اہل یورپ کو اسلام کے اندر ایسی تبدیلیاں کرنے کے مطالبہ پر آمادہ کیا جو اسلام، عصر حاضر اور ترقی یافتہ دور اور ترقی یافتہ انسان کے افکار و نظریات سے ہم آہنگ ہو، بالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذہب اسلام سے یورپ کا یہ مطالبہ ہے کہ وہ اپنے تمام قدیم امتیازات و شخصیات کو پامال کر کے موجودہ یورپ کی سفاک مادی تہذیب کے رنگ میں اپنے کو رنگ دیں، یہ ایک ایسی تجویز اور ایسا مطالبہ ہے کہ جس کی بنیاد پر اسلام کی حیثیت اس پیر فرقت کی رہ جاتی ہے جو عہد شباب اور بہار کے لمحے گذار کر اب خانہ نشینی پر مجبور ہے اور جس کی تمام سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی گئی ہے، اسلام کے خلاف دلوں میں پنپنے والا یہ قہر آلود حسد صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ دیگر مذاہب کی مشرکانہ اور

جاہلانہ رسم و رواج اور خود ساختہ ادیان کی شہ رگ کو کاٹ کر اور وحدانیت کا پرچم لہرا کر ساری انسانیت کو اسلامی شریعت کے اس لازوال کینوس میں لانے کے لئے کوشاں ہے جو عالم بشری کے لئے ابر کرم کی مانند ہے اور ہر ہر موڑ پر انسانی زندگی کے لئے درد کا درماں فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، مذہب اسلام سے اسلام دشمنوں کی نفرت و عداوت یہ کوئی عہد جدید کی پیداوار نہیں ہے، بلکہ یہ وہ دیرینہ بیماری ہے جو یہود و نصاریٰ کو گھن کی طرح کھا گئی جس کی شہادت خود کلام پاک میں موجود ہے ”ولن ترضی عنک الیہود ولا النصاری حتی تتبع ملتہم“ (بقرہ: ۱۲۰) یہود و نصاریٰ ہر گز ہر گز آپ سے خوش نہیں ہو سکتے تا آنکہ آپ ان کے دھرم کو اپنائیں، کیسی نا سمجھی ہے کہ یورپ اس اسلام کے نام سے تھرا رہا ہے جو صدق و صفا، اخلاص و وفا، عبادت و طاعت اور اچھے اعمال کا داعی اور نقیب ہے۔ اور جو ظلم و زیادتی، اخلاقی امراض، محارم و رذائل اور غلط طریقے سے لوگوں کے مال کو کھانے اور ہڑپ کرنے پر قدغن لگاتا ہے، یعنی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام جو سماج کو اور انسانی زندگی کو ہر قسم کی برائیوں سے پاک کر کے پاکیزگی اور طہارت کے زیور سے آراستہ کرنے کے لئے اپنے کھلے ہوئے اور روشن راستے کی طرف بلا رہا ہے، آج وہی آنکھوں کا تکا ہی نہیں بلکہ شہتیر اور دل کی پھانس بنا ہوا ہے۔ ”وأن هذا صراطی مستقیم، فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبیلہ: (أنعام: ۱۵۳) میرا یہ سیدھا راستہ ہے، اسی پر چلو اور دوسری پگڈنڈیوں سے دور ہو کہ وہ تم کو صحیح اور سیدھی راہ سے دور کر دیں گے۔





## اسلام کے مقابلہ میں بیمار ذہنیتوں کا رول

اسلام کی حقیقت اور اسکی روح سے نا آشنا افراد اکثر یہ سوال کرتے ہیں کہ دینِ متین کا وہ کونسا محور ہے، جو تمام تہذیبی و تمدنی فلسفوں اور نظریات پر حاوی ہے، ادیان و ملل کا تقابلی مطالعہ کرنے والوں، اور غیر جانبداری کے ساتھ مذاہب کا علم رکھنے والوں سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ مذہبِ اسلام کی تعلیمات ہی وہ تعلیمات ہیں جنہیں بقا و دوام حاصل ہے۔ چنانچہ جب اسکی تعلیمات سدا بہار، فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ اور قریب تر ہیں تو ان کا یہ فطری حق ہے کہ ہر زمانے میں انہیں بروئے کار لایا جائے، ہر طرح کی ترمیم و اصلاحات سے انہیں محفوظ رکھا جائے اور سخت سے سخت حالات اور وقتی و عارضی منافع و مصالح کے سامنے، اسکی فعالیت اور برتری کو ثابت کیا جائے۔

مذہبِ اسلام کی تعلیمات کو بعض ان مذاہب کی تعلیمات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا جو اپنی اصلی اور حقیقی شکل میں روئے زمین پر گنتی کے چند دن باقی رہیں، پھر تبدیلی و تحریف کا شکار ہو گئیں یا اپنے عہد کے ساتھ رخصت ہو گئیں، اسلام کی تعلیمات تو زمانے کے دست و برد سے محفوظ ہیں اور محفوظ رہیں گی، کیونکہ ربِ قدیر نے ہر طرح کے تغیر و تبدل سے ان کی حفاظت و صیانت کی ذمہ داری خود لے لی ہے، اسی حقیقت کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں آشکارا کیا ہے، ”إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ“ (حجر: ۹) (کہ اس قرآن کو ہم ہی نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں)۔

ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مذہبِ اسلام جس زندگی کو تشکیل دینا چاہتا ہے اسکا معنی و مفہوم

سائنس و ٹکنالوجی اور تہذیبی ترقیات کے اس دور میں دیگر تہذیبی و ثقافتی اور معاشرتی و سماجی مفاہیم کے ساتھ خلط ملط ہو گیا ہے، حتیٰ کہ یہ صورتحال اب ان مسلم تعلیم یافتہ طبقوں کے یہاں بھی دیکھنے کو مل رہی ہے جنہوں نے شریعت اسلامی کا عملی تجربہ نہیں کیا ہے اور نہ اسلام کے مثالی معاشرے میں زندگی گزارنے کا انہیں موقع ملا، جبکہ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم نے حیرت انگیز ٹکنالوجی اور اس کی ایجادات و اکتشافات اور سائنس کے میدان میں مادی تہذیبوں کی رفتاروں کا مشاہدہ کیا ہے۔

در اصل بات یہ ہے کہ ان کے دلوں میں یہ احساس گھر کر چکا ہے کہ ”اسلام“ موجودہ کاروانِ زندگی کا ساتھ نہیں دے سکتا اور نہ مہذب و معتمد انسانوں کی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل میں ہاتھ بٹا سکتا ہے، کیونکہ اس کے اندر ”جدیدیت کی روح“ بالکل مفقود ہے، اور اس کے پاس نئے مسائل کا حل موجود نہیں ہے، نئے نئے چیلنجوں سے بچہ آزمائی اور حملوں کا منہ توڑ جواب دینے کی اس میں طاقت و قوت نہیں ہے، ایک طرف تو یہ بات ہے، دوسری طرف ان کیلئے شریعت اور اس کے حاملین پر یلغار کرنے اور ان پر رعبیت پسندی، تنگ زوایہ فکر اور محدودیت کا الزام تراشنے کی گنجائش بھی نکل آتی ہے۔ جس نے ان کو نئے نئے سوالوں کا جواب دینے سے عاجز کر دیا ہے جو ذہنی آزادی، اخلاقی بے راہ روی، مردوزن کو مساوات کا درجہ دینے اور ان کو، طرزِ عمل اور کسبِ معاش میں ایک پوزیشن پر لاکھڑا کرنے کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں۔

مسلمانوں کے یہ طبقے جو بظاہر اسلام کے نام لیوا نظر آتے ہیں، لیکن باطن اسلام سے اس درجہ بدظنی رکھتے ہیں کہ اسے درویشوں اور فقیروں کا دین گردانتے ہیں، آج ان کا حال یہ ہو گیا ہے کہ وہ احساسِ کمتری کا شکار ہو رہے ہیں، خود کو تو بے وقعت و بے حیثیت کر رہے ہیں، ساتھ ہی ساتھ مثالی افراد کی تاریخ کو بھی داغدار کرنے کی ناکام کوششیں کر رہے ہیں جن کو اسلام نے گندے ماحول، وحشیانہ سلوک، غیر فطری طرزِ عمل، انتہائی درجے کی ذلت و پستی اور ان جیسے دیگر بدترین احوال سے نکالا تھا، جہاں یہ اپنی زندگی کے شب و روز بسر کر رہے تھے۔

یہ جماعتیں اسلام کے ہمہ گیر احسانات کو فراموش نہ کئے جانے کے باوجود فراموش کرنے کی سعی نامشکور کر رہی ہیں، کیا انہیں وہ دن یاد نہیں جب انسان ظالمانہ محکومی و غلامی کے بوجھ تلے

دبا جا رہا تھا، روم و ایران کی متحد فی ریاستوں میں قسم قسم کی شقاوتیں اور تیرہ بختیاں ان کا نصیب بن گئی تھیں، یہودیت و نصرانیت کے علمبرداروں اور دیگر حاملین مذاہب کے مابین معرکہ آرائیاں اور خانہ جنگیاں چھڑی ہوئی تھیں، جن میں ہزاروں بے گناہ لوگ جان بحق ہوئے، ایسے نازک مرحلہ میں اسلام نے جو مثالی اور تاریخی رول ادا کیا ہے اور جو درخشاں کارنامے اور زریں خدمات انجام دی ہیں، کیا انہیں فراموش کیا جاسکتا ہے؟۔

قرآن مجید نے اسی صورتحال اور آپس میں دست گریباں جماعتوں اور قوموں کا نقشہ اپنے معجزانہ اسلوب میں یوں کھینچا ہے ”واذکر وانعمة الله عليكم إذ كنتم أعداء فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخوانا، وكنتم على شفا حفرة من النار فأنقذكم منها“ (آل عمران: ۱۰۳)

**ترجمہ:** اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد رکھو، جب تم باہم دشمن تھے تو اس نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی، سو تم اس کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور تم دوزخ کے گڈھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں بچالیا۔

آج بکثرت یہ دیکھنے کو مل رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنہیں دولتِ اسلام سے نوازا ہے، اور اسلامی تعلیمات کے مطالعہ کی توفیق دی ہے ان لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہو رہا ہے کہ کیا اسلام، علم و تکنالوجی کے اس نئے دور میں بھی لائقِ تنفيذ اور قابلِ عمل ہے؟ چنانچہ وہ علماء اسلام اور داعیانِ عظام پر قدیم صالح اور جدید نافع کی روشنی میں کوتاہ فہمی، زمانے کے بدلتے ہوئے حالات سے ناواقفیت و ناتجربہ کاری اور تہذیبی و تمدنی معاشرہ کی تشکیل میں ناکامی کا الزام تراشتے پھرتے ہیں، چنانچہ انہوں نے اپنے مشاہدات اور مفروضہ خیالات کو ایمان و ایقان کی دولت سے مالا مال شخص پر لازم کرنے کا جواز نکال لیا ہے، اور اس ”معتدل اسلام“ کو پیش کرنے میں کوتاہی نہیں برتی جو حالاتِ زمانہ اور بیمارِ ہنیتوں کے تقاضوں کے عین مطابق اور ان سے ہم آہنگ ہو۔ اور ان کی تمنا یہ ہے کہ ”امتِ مسلمہ“ گردشِ دوراں اور مصائبِ زمانہ کی زد میں آجائے، وہ اس امت کے خاتمہ کیلئے غیر معمولی کوشش کرنے سے باز نہیں آ رہے ہیں، جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے

”خیر امت“ کے لقب سے سرفراز فرما کر پوری دنیا کی قیادت و امامت اور رہنمائی و ہدایت کیلئے اس صفحہ ہستی پر مبعوث فرمایا ہے اور جنگل کی خود رو سبز گھاس کی طرح بے یار و مددگار نہیں چھوڑا۔

ان ہی فرسودہ افکار و خیالات اور کھوکھلے مظاہر کے نتیجہ میں مسلم معاشرے میں، ایسے کمزور عقائد رکھنے والی جماعتیں وجود میں آگئی ہیں جو شریعت اسلام اور اسکی ثقافت کو داغدار کرنے میں کوشاں ہیں، یورپی قائدین نے اپنے تخریبی منصوبے کے استحکام کی خاطر ان کا استحصال کیا اور وہ مسلمانوں کی معنوی صلاحیت کو مسخ کرنے اور مذہب اسلام کی صاف و شفاف شکل و صورت کو بگاڑنے اور اسکی روشن و تابناک شریعت کو بد صورت بنانے میں مصروف ہیں، جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تخریبی افکار و خیالات کا دائرہ ان منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں متعاون ہوتا چلا جا رہا ہے۔

آج قرآن و حدیث میں تحریف و تبدیل کرنے کی جو بدترین کوششیں کی جا رہی ہیں، اور اس ناپاک مقصد کو پورا کرنے کیلئے جو ایک زبردست مالی بجٹ تیار کیا جا رہا ہے، وہ اس میدان میں ہونے والی زبردست سرگرمیوں اور ان کے سنجیدہ اعمال کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

مقام افسوس ہے بلکہ زیادہ صحیح تر لفظوں میں یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ جگر کو چاک کر دینے والی بات ہے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اپنے دشمن و حریف ”اہل مغرب“ کی کوششوں اور سرگرمیوں کو تیز کرنے، ان کی ٹکمی و معمولی پونجی کو بڑھاوا دینے میں ان کی شریک و سہیم ہے، جبکہ اسکا دیوالیہ نکل چکا ہے اور اسکا کھوٹ دودو چار کی طرح ہر صاحب بصیرت کے نزدیک عیاں اور بے نقاب ہو گیا ہے۔

”یریدون لیطفنوا نور اللہ بأفواہہم، واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون“

(صف: ۸)

**ترجمہ:** وہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے گل کرنا چاہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ اپنا نور پورا کر کے رہے گا، اگرچہ منکرین ناپسند کریں۔

مغربی سامراج جو مسلم ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ غلاموں جیسا سلوک کر رہا تھا، اسکی یہی تمنا رہتی ہے کہ مسلمان ہمیشہ غلامی و محکومی کی زندگی گزارتا رہے، تاکہ وہ علم و ثقافت کے



اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہونے کے بارے میں کچھ سوچ بھی نہ سکے اور اس کا احساسِ دروں اور ان کی باطنی کیفیات بڑے بڑے اہم امور کے سلسلے میں بالکل ہی ختم ہو جائیں، اس مقصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے انہوں نے ایک مخصوص نصابِ تعلیم وضع کیا ہے جس کا زندگی کے تمام میدانوں میں حتیٰ کہ معاشی مسائل میں بھی فائدہ نظر نہیں آ رہا ہے۔ امت مسلمہ کو نقصان پہنچانے اور اس کو احساسِ کمتری کے آخری درجہ میں لانے کی جو جان توڑ اور انتھک کوششیں مغربی سامراج اور ان کے ہم نواؤں نے کی ہیں، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، لیکن اسے شومی قسمت نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے کہ سامراجیت کے خاتمے اور ملکوں کی آزادی کے باوجود وہ تو میں جو مدتوں مغربی سامراج کے زیر سایہ زندگی گزارتی رہیں، وہ اس دور کے انسانی معاشرے کے ناپسندیدہ متروکہ اشیاء سے بھی بے تعلق نہ ہو سکیں اور کما حقہ ان کو مغض و مکروہ بھی نہ تصور کر سکیں۔

اگر عالمِ اسلام اپنے فطری علوم و معارف اور قدرتی وسائل سے مالا مال نہ ہوتا تو سامراجی افراد کی مصنوعی ایجاد کردہ قحط سالیوں سے دوچار ہو جاتا، لیکن انہوں نے اس کے بجائے مسلمانوں کو ان کے ایمان و عقائد سے برطرف کرنے کی ہر ممکن کوششیں کیں، کبھی شریعت میں تحریف و بتدیل اور خرد برد کر کے، تو کبھی معاشرتی نظام میں لاقانونیت و بد نظمی پھیلا کر، کبھی معاشی و تجارتی معاملات میں سود کے استعمال کو ناگزیر ضرورت قرار دیکر اور کبھی شخصی منافع اور دنیاوی مصالح کی بنیاد پر تمام تر تعلقات قائم کر کے، کبھی مسلم عورتوں کو گھروں سے نکال کر شاہراہوں پر لاکھڑا کر کے، تو کبھی سیاسی و اقتصادی امور میں ان کو حصہ دلا کر، حتیٰ کہ الیکشنوں اور رفاہ عامہ کے کاموں اور سرکاری دفاتر میں ملازمت دیکر، کوئی کہاں تک گنائے، خلاصہ یہ کہ عورتوں کو مردوں کے ساتھ تمام شعبہ جائے زندگی میں سہیم و شریک کر کے مسلم قوموں کے عقائد و ایمان اور ان کی غیرت کو ختم کرنے کی انہوں نے سعی پیہم اور جہد مسلسل کی ہے۔

اس طرزِ کہن کے ذریعہ مادی طاقتوں سے لیس مغربی کیمپ مسلم ممالک کو شکار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اب وہ ایسے اسلام نما معاشرہ کی تشکیل کے درپے ہیں جو صرف چند ظاہری شکل و صورت ہی میں اسلام کی نمائندگی کرے، اور عقائد اور ایمانی اصولوں کا اسلامی تعلیمات کی

ہمہ گیری اور عقائد کی برتری سے کوئی تعلق نہ ہو۔

اس طرح مغربی کیمپ تاریخ اسلام کی شبیہ بگاڑنے میں کامیابی و شاد کامی کی راہ پر گامزن ہیں، لیکن اس کے باوجود مذہب اسلام کی تہذیب و ثقافت اور اسکی کتاب و شریعت کو ختم کرنے میں ناکام ہی رہیں اور رہیں گی، کیونکہ اس دین کی بقا و تحفظ اور دیگر ادیان پر اسکے تفوق و برتری اور غلبہ و تسلط کی ذمہ داری خود خالق کائنات نے لے لی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

”وہو الذی ارسل رسولہ بالہدی و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ، و کفی باللہ شہیداً“ (فتح: ۲۸)

**ترجمہ:** وہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ اسے ہر دین پر غالب کرے اور اللہ تعالیٰ بطور گواہ کے کافی ہے۔



## مادیت پسندی اور اخلاقی قدروں کا زوال

اس تغیر پذیر دنیا میں جہاں ہر طرف تہذیب و تمدن، علم و ادب، فکر و فن اور انسانی ترقی کے جدید ترین مسائل کا چرچا ہے، جہاں انسان انسان کے مقابلہ میں اور حکومتیں حکومتوں کے مقابلہ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں مصروف ہیں اور تمام توانائیوں کے ساتھ اکیسویں صدی کی ترقیات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں، وہیں انسان کی بیش قیمت زندگی کو مادیت پسندی کا سیلاب اپنے تیز دھارے میں انسانیت کی اعلیٰ قدروں کو بہا لے جانا چاہتا ہے، اخوت، ہمدردی، غمخواری و غمگساری، بے لوث محبت اور انصاف و شائستگی انسان کی عملی زندگی میں کوئی تعمیری کردار ادا کرنے سے قاصر ہے، مال کی محبت اور اس سے والہانہ عشق انسان کو اس کے بلند مقام سے گرانے کے عمل میں مصروف ہے، کہاں انسان کے پیدا کرنے والے پروردگار نے بنی نوع انسان کو ”وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ...“ (اسراء: ۷۰) یعنی ہم نے آدم کی اولاد کو عزت و عظمت سے نوازا، کا اعلان عام سنایا، اور کہاں انسان کو اس لازوال نعمت سے محروم کر کے اسفل السافلین میں گرانے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔

یہ ایک عجیب و غریب تضاد ہے جو زندگی کے تمام گوشوں پر چھایا ہوا ہے، ایک حساس اور باغیرت انسان سیرت کی تعمیر کے ساتھ عالم کی تعمیر میں مصروف ہونا اپنی سعادت و وفاداری کے اظہار کا ذریعہ تصور کرتا ہے، وہ مادی مسائل سے پوری طرح مستفید ہونے کے ساتھ روحانی اقدار اور انسانی رشتوں کو جلا بخشنے کی کوششوں میں ہمہ دم مصروف نظر آتا ہے، وہ انسانیت کی ڈھنسی ہوئی کشتی کو بچانے اور بنی نوع انسان کے لٹتے ہوئے سرمایہ کو محفوظ کرنے کی سعی پیہم میں مشغول

رہتا ہے، دنیا میں خواہ کتنی ہی برائیاں پھیلی ہوئی ہوں، کتنے ہی گناہ سر بازار کئے جا رہے ہوں، اور کتنی ہی بد اخلاقیات علی الاعلان ہو رہی ہوں، لیکن اس تاریکی میں بھی روشنی کی کرن اور اس خود غرض ماحول میں بھی جذبہ ایثار و مودت موجود ہے اور مادیت زدہ معاشرہ میں ایسے افراد کی کمی نہیں ہے جن کے ہاتھوں عدل و انصاف، ایثار و سخاوت، ہمدردی و اخوت اور محبت و تعاون کی فضا فروغ پاتی ہے اور خود غرض ہوسنائی میں بھی زندگی کی ایک نئی کرن نظر آتی ہے:

لیکن ایک عمومی جائزہ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ مادیت کی اس دوڑ میں کسی نہ کسی حد تک ہر شخص شریک نظر آتا ہے، اور حالات کے سامنے سپر ڈالتے ہوئے اپنے مادی مستقبل کو سنوارنے کی کوشش کر رہا ہے، تاکہ وہ ہوسنائی میں اپنے بھرم کو قائم رکھ سکے، اور غربت و افلاس کے طعنوں سے محفوظ رہ کر زندگی کی سرگرمیوں میں برابر حصہ لے سکے، اور کوئی بھی حقارت کی نظر اس پر نہ ڈال سکے، ظاہر ہے اس مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے مادی وسائل کا سہارا لینا ایک ناگزیر ضرورت ہے، رسم و رواج کے بڑھتے ہوئے رجحان کو روکنا جب اپنی کمزوری کا اعلان کرنے کے مرادف سمجھا جاتا ہو، اور لوگوں کی نظروں میں وہ پسماندگی کی علامت قرار پاتا ہو تو لازمی طور پر مادی حیثیت سے اپنے آپ کو مضبوط کرنے کا جذبہ دلوں میں پرورش پاتا ہے اور مادیت پسندی مقصدیت کی شکل اختیار کر لیتی ہے، اور لوگ بے اختیار مادی ترقی کی راہیں ڈھونڈھنے لگتے ہیں اور ہر کام کے پیچھے مادی منفعت کا جذبہ کارفرما نظر آنے لگتا ہے۔

مغرب کی مادہ پرست تہذیب نے اس رجحان کو عام کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے، اور مادی منفعت اور تہذیبی ترقیوں کو تمام اخلاقی قدروں اور انسانی عظمت کے پیمانوں پر غالب کرنے کی سعی پیہم میں وہ پوری طرح مصروف ہے، جن انسانی معاشروں نے اس تہذیب کو اپنایا ہے اور بلاچون و چرا اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہے، وہی سب سے پہلے اخلاقی زوال کا شکار ہوئے، اور ان کی نمائندگی کرنے والے افراد میں حد درجہ جنسی اتار کی اور اخلاقی کمزوری کے نمونے پائے گئے، اور انسانی روابط و تعلقات کی بنیاد انسانی قدروں کے بجائے مادی منفعت پر قائم ہوئی اور کامیاب زندگی کا تصور مطلق العنان آزادی کو قرار دیا گیا۔

ایسی صورت حال میں مذہبی تعلیمات اور انسانی احساسات اپنا اثر کھودیتے ہیں اور مادیت کے تیز رفتار طوفان میں ان کی آواز دب جاتی ہے اور مادہ پرست انسان جوش جنون میں وہ سب کچھ کر گزرتا ہے جس کی توقع جنگل کے درندوں سے نہیں کی جاسکتی۔

مادہ پرستی نے نہ صرف مذہب بیزاری کو عام کیا، اور پرائیوٹ زندگی کے نام پر انسانی شرافت و مروت کا خاتمہ کیا، بلکہ مختلف النوع جرائم کی حوصلہ افزائی کی اور انسانی خون کے ساتھ انسان کی سب سے گرانقدر متاع، عزت و آبرو کو بھی بے قیمت بنا دیا، حقیر مفاد پرستی کی راہیں ہموار کی اور قریب ترین خونی رشتوں کو خواہشاتِ نفس کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا، باپ اور اولاد کے رشتے اور تمام خاندانی قرابتوں کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا، حقیر ترین مادی فائدے کی راہ میں ایک دوسرے کو قتل کرنا، بے آبرو کرنا اور ذلت و عنت کی آخری حد تک پہنچا دینا روزمرہ کا معمول بن گیا۔

لیکن اس کے ساتھ مادی تہذیب کی کچھ خوبیوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، خاص طور سے ذمہ داری کا احساس، وقت کی پابندی، وعدہ کا پاس و لحاظ اور ایمانداری کے ساتھ ڈیوٹی کی انجام دہی، تہذیبِ مغرب کے وہ مثبت اور روشن پہلو ہیں جن کی تقلید یا مشرق میں عام طور سے نہیں کی جاتی، اور جو لوگ اس مادی تہذیب کی مدح سرائی اور اس کی ثنا خوانی کرتے ہیں، وہ بھی اس کی قابل تقلید خوبیوں سے عام طور سے آنکھیں بند رکھتے ہیں، ان کی تمام تر توجہ ظاہری ٹیپ ٹاپ اور مادی چیزوں ہی پر مرکوز رہتی ہے۔ اور فسوں و فرنگ سے مسحور ہو کر وہ اس کے زبردست داعی اور نمائندے بن جاتے ہیں اور ایک کامیاب زندگی کا تصور مادی تہذیب کے ساتھ وابستہ کر دیتے ہیں، اس بنا پر ان میں مادیت پسندی اپنے آخری درجہ تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے نتیجہ میں وہ اخلاقی زوال کا شکار ہو جاتے ہیں اور اپنے ناحول کو اسی نقطہ نظر کا حامی اور گرویدہ بنا دیتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ نے اس مادی تہذیب اور اسکے پیدا کردہ مسائل کا تجزیہ اپنی کتاب ”تشکیلِ جدید الہیاتِ اسلامیہ“ میں کیا ہے اور ماویتِ زدہ طبقے اور اس کے علمبرداروں کی بے بضاعتی اور ان کی اندھی تقلید کا ذکر کرتے ہوئے اس کو اس قوم کیلئے جو قیادت اور عالمی انقلاب برپا کرنے

کیلئے پیدا کی گئی تھی، ایک ناقابل تلافی گناہ قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

جو عالم ایجاد میں ہے صاحب ایجاد  
ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ  
تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو  
کر اس کی حفاظت کہ یہ گوہر ہے یگانہ  
اس قوم کو تجدید کا پیغام مبارک  
ہے جس کے تصور میں فقط بزم شبانہ  
لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازہ تجدید  
مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ

ہمارے مشرقی ممالک میں خصوصاً برصغیر میں بسنے والے لوگ زیادہ تر احساس کمتری کے دباؤ سے مغرب کی مادہ پرست تہذیب کو رشک کی نظر سے دیکھنے لگے، اور آہستہ آہستہ اس کی نقل کا داعیہ دلوں میں پیدا ہوا، شروع میں انگریزی تعلیم کی طرف میلان ہوا، اور انگریز کے بنائے ہوئے نصاب تعلیم کو لوگوں نے گلے سے لگایا، جن لوگوں نے اس طرز فکر کو اپنانے میں سبقت کی وہ اہل ثروت و وجاہت، زمین دار اور تعلقہ دار طبقے کے لوگ تھے، ان میں بڑے لوگوں نے اپنی اولاد کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے یورپ کی یونیورسٹیوں میں بھیجا، جہاں سے وہ صاحب بہادر اور بیرسٹر بن کر آئے، انہوں نے مادی تہذیب کو ذہنی طور پر قبول کر لیا اور زندگی کو اسی سانچہ میں ڈھالا، اور معاشرہ میں اپنی ایک نرالی شان پیدا کر کے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ ہم کومن ویث القوم اسی طرز زندگی کو اختیار کرنے اور اسی کے مطابق ذہنوں کو ڈھالنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

ہمارے ملک میں جوں جوں انگریزی تعلیم کا رواج بڑھا اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعداد میں اضافہ ہوا، عوام الناس میں بھی ذہنی تبدیلی آنا شروع ہو گئی اور مادیت پرستی کا رجحان ترقی کرتا گیا، اخلاقی قدروں سے بے اعتنائی برتی جانے لگی، اور قدیم تہذیب و معاشرت کے اوپر سے اعتماد اٹھنے لگا، ہر قدیم طریقہ کو بدلنے اور جدیدیت کو رواج دینے کی تدبیریں مختلف طریقوں

سے کی جانے لگیں، رہن سہن اور مکان و لباس، کھانے پینے کے انداز، گفتگو اور عام معمولات زندگی میں مادی تہذیب کا دخل شروع ہو گیا، زیادہ کمانے، دولت جمع کرنے، اچھا کھانے اور پہننے اور سوسائٹی میں نمایاں مقام حاصل کرنے کا عمل تیزی سے بڑھتا رہا، یہاں تک کہ مذہب کی روحانی قدروں سے لوگ بیزار ہو گئے، اس پر مستزاد سائنس کی ترقی، علم جدید کا چیلنج اور ایجاد و اختراع میں غیر معمولی پیش رفت، انسانوں کے لئے مادیت کی ایک نئی دنیا دریافت کرنے میں بہت زیادہ معاون ثابت ہوئی، اور اب سوائے مادیت پرستی اور اس کی راہ میں ہر طرح کی توانائیاں صرف کرنے کے کوئی چارہ کار نہ رہ گیا، اور اس راہ میں ایک ریس (Race) شروع ہوئی اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا سلسلہ اس قدر دراز ہوا کہ مادیت پسندی ہی دراصل مقصد زندگی بن گیا۔

مادی وسائل کی فراوانی، مال و دولت کی ریل پیل، ٹکنالوجی اور صنعت کی بے حساب ترقی اقوام مشرق کیلئے پیامِ رحمت نہ ثابت ہو سکی، بلکہ اس کے نتیجہ میں اخلاقی انحطاط شروع ہو گیا، اور جن باتوں کو معاشرہ میں لوگ عیب سمجھتے تھے وہ ہنر قرار پا گئیں اور جن حالات کو اخلاقی بیماریوں سے تعبیر کرتے تھے۔ ان کو غیر معمولی ذہانت کے نام سے یاد کرنے لگے، جہاں انصاف تھا وہاں ظلم، جہاں ہمدردی تھی وہاں بے رخی، جہاں محبت تھی وہاں دشمنی، جہاں نرم خوئی تھی وہاں درشتی اور سخت خوئی کا دور دورہ ہو گیا۔ اور اخلاقی زوال کے حدود اور بچہ برابر پھیلنے لگے، یہاں تک کہ غیبت، چغل خوری، کذب بیانی، رشوت ستانی، تشدد اور عداوت، خیانت اور چوری ناجائز طریقوں سے مال و دولت کمانے کی حرص، یہ تمام برائیاں، معمولات زندگی میں داخل ہو گئیں اور بڑائی کی علامت شمار کی جانے لگیں۔

اور اب ذرا نوجوان طبقہ کو دیکھئے، اسکی نظروں میں اخلاق و شرافت کا معیار کچھ اس طرح قرار پاتا ہے کہ جو نوجوان تعلیم میں محنت کئے بغیر پاس ہو جائے، کسی صلاحیت کے بغیر اونچے تعلقات کی بنیاد پر کوئی سرکاری عہدہ حاصل کر لے وہ سب سے کامیاب اور اپنے ہم چشموں میں سب سے زیادہ قابل احترام ہے، اسی طرح جو نوجوان سب سے زیادہ فلموں سے واقفیت رکھتا ہو،

[illegible]

ہر ایک کو اپنے لیے لکھا ہے



## آزادی رائے ایک دلفریب نعرہ

”آزادی رائے“ ایک دلفریب اصطلاح ہے جس کی اساس نہ تو عقیدہ اور اخلاق پر ہے اور نہ وہ کسی علمی یا فکری اور فلسفیانہ نظریہ کی دین ہے، یہ دراصل ایمانی عقائد اور آسمانی تعلیمات میں شکوک و شبہات اور گمراہی و مغالطہ کی ختم ریزی کیلئے ایک مؤثر ذریعہ کے طور پر مغرب کی ایجاد کردہ ہے، بلکہ سچ پوچھئے تو یہ پوری شریعت اسلامیہ کے بارے میں شکوک و شبہات کی دیواریں کھڑی کرنے کا ایک خوبصورت طریقہ ہے، مغرب اپنے یہاں آنے والے مسلم نوجوانوں کو علم و تہذیب، ثقافت و کلچر، نئی تہذیب و افکار اور جدید علوم کے پیرہن میں یہ سبق ازبر کر رہا ہے کہ عقلمند ذکی و فطین انسان کا امتیاز صرف فکر و رائے کی آزادی میں ہے، آزادی رائے سے مغرب کی مراد یہ ہے کہ آدمی تمام انفرادی و اجتماعی امور و معاملات میں اپنی ایک رائے رکھتا ہو جس کی وہ موقع اور بے موقع وضاحت بھی کرتا رہے، دوسروں کو اپنی بلند فکر، اصابت رائے، دانشمندی اور ہوشمندی اور ذہانت کا یقین بھی دلاتا رہے، اسی کی بدولت وہ مسلمان جو مادی اور اجنبی معاشروں میں رہتا ہے، بہت سے بنیادی عقیدوں اور شرعی مسائل میں انفرادی رائے رکھنے لگتا ہے، اور اس سے کج فکری، کم عقلی اور نادانی کی عجیب و غریب حرکتیں صادر ہونے لگتی ہیں۔

مغرب زدہ مسلمانوں کی جماعت کے بہت سے ایسے نام نہاد و دانشوروں کا ہم نے مشاہدہ کیا ہے جو فکر اسلامی کے قائلین اور اسلامی تہذیب کے پیشواؤں پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور انہیں اسلامی امور و معاملات میں اصلاح و ترمیم اور فقہ اسلامی کی تہذیب جدید اور علمی و سائنسی ایجادات

کی روشنی میں تشکیلِ جدید کی تجویز مان لینے کی صلاح دیتے ہیں اور انہیں یہ باور کراتے ہیں کہ اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تو تہذیبی پسماندگی ان کی رفیق اور اقتصادی کمزوری تا زندگی ان کے ساتھ لازم ہو جائے گی۔

بعض کم علم، کج عقل اور بے بصیرت پرستارانِ مغرب نے تو بہت سے مسلمہ فطری حقائق اور شرعی مسائل کا انکار کر کے ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا، انہوں نے سب سے پہلے مسلم خواتین، اسلامی پردہ اور اسلامی لباس کو اپنا ہدف بنایا، مسلم خاتون کو کھلی ہوئی آوارگی، ہر قسم کی بری عادتوں اور بے حیائیوں میں مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کی دعوت دی، اسلامی پردہ اور تن پوش لباس کا مذاق اڑایا، علمائے شریعت پر رجعت پرستی، قدامت پسندی اور دقیا نویسیت کا الزام لگایا اور مسلمانوں کی پسماندگی کا سب سے بڑا سبب انہیں کو بتایا، جبکہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ ایسی فکر رکھنے والے افراد مذہبِ اسلام کا مطالعہ کسی محدود نقطہ نظر سے کسی خاص ذہنیت کے آئینے میں کرتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ آج کے دور میں جبکہ پوری دنیا ایک گوشہ میں سمٹ گئی ہے، اور ایک شہر اور ایک بستی کی شکل اختیار کر چکی ہے جہاں دوریاں اور فاصلے ناپید ہو چکے ہیں اسلام آؤٹ آف ڈیٹ (OUT OF DATE) ہو چکا ہے، پھر ایسے دور میں اسلام انسانیت کی قیادت ورہبری کے فرائض کس طرح انجام دے سکتا ہے اور چودہ صدی سے بھی زائد پرانی شریعت کی ”اندھی تقلید“ کا کس طرح پابند ہو سکتا ہے۔

فکر ورائے کی آزادی کا مطلب یہی ہے جس کا مطالبہ تمام مسلم معاشروں میں کیا جا رہا ہے کہ کسی بھی حال میں یہ اصول ان سے چھوٹنے نہ پائے، اس آزادی کے علمبردار چیخ چیخ کر اعلان کر رہے ہیں کہ ”اسلام تو آزادی رائے کا مذہب ہے، حدود و قیود اور بندشوں کا مذہب نہیں، پروپیگنڈے سے ان کا مقصد صرف مسلمانوں کو مغالطہ میں ڈالنا اور ان باتوں کی طرف رجھانا جن کا مذہب اسلام سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے، بعد ازاں یہ اپنے مغربی آقاؤں کو رفاقت و مودت کا یقین دلاتے ہیں اور ان کی خدمت میں غلامی، محکومی اور عبودیت کا ٹیکس بھی ادا کرتے ہیں۔

آزادی رائے کا مطلب صرف اور صرف مادہ پرست مغرب کے آگے جھکنا اور اس اسلام دشمن گمراہ باطل گروپ کی اطاعت قبول کرنا ہے جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور ذلت و خواری، محتاجی و مغلوبی کو مسلط کر دیا ہے اور جو اللہ کے غضب میں گھر گئے ہیں، ہم ہر اس آزادی فکر و رائے کو ٹھکراتے ہیں جس کا انجام گمراہی، اور جس کا نتیجہ ذلت و خواری ہو، اور وہ اللہ کے آخری دین و شریعت کو مذمت و استہزاء اور زہر آلود تیروں کا نشانہ بناتی ہو۔





## اسلام پر دشمنوں کی یورش

مخالفین اسلام بین الاقوامی سطح پر دین اسلام کے خلاف خواہ کتنی ہی سازشیں کر لیں، اسے رجعت پسند اور دہشت گردی کو فروغ دینے والا مذہب قرار دیں، لیکن کبھی وہ اسلام کو مٹانے کی سازش میں کامیاب نہیں ہو سکتے، دین الہی ابدی اور تاقیامت باقی رہنے والا ہے، اس کا نظام کامل و مکمل ہے، وہ افراط و تفریط سے بہت دور ہے، وہ تا ابد چمکتا و مکتا رہے گا، لوگوں کے دلوں کو اسیر کرتا اور ان کو ایمانی غذا فراہم کرتا رہے گا، کیا مشرق اور کیا مغرب، کیا شمال اور کیا جنوب، ہر سمت کے لوگ اس کو اپنے دلوں میں جگہ دیتے رہیں گے اور اس کے دامن سے وابستہ ہوتے رہیں گے، اور وہ اپنی متاعِ گم شدہ کو اس کے دائمی اصولوں میں پاتے رہیں گے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، کتنے ایسے خاندان اور گھرانے ہیں جو وحشت و درندگی اور ظلم و چیرہ دستی کے دام میں آنے والے تھے، لیکن اسلام نے ان پر ایمان کی بارش کی، جس سے ان کے دل کی دنیا بدل گئی، حیاتِ نوحیسی عظیم دولت ان کے ہاتھ آ گئی، اور پورا خاندان مایوسی و قنوطیت کے دبیز پردہ کو چاک کرتے ہوئے ایمان و یقین کے چمن پر بہار میں پہنچ گیا جہاں سکون و وقار کی بوچھاڑ تھی اور ایمان و استقامت کی قد بلیں روشن تھیں، قرآن کریم اور حدیث نبوی میں ایمان و ایقان پر جتنے رہنے والے لوگوں کیلئے جنت کی خوشخبری دی گئی ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ، ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا، وَأَبْشُرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ، نَحْنُ أُولَآئِكَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ، وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ

(فصلت : ۳۰، ۳۱)

**ترجمہ:** جن لوگوں نے (دل سے) اقرار کر لیا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر مستقیم رہے، ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو، جس کا تم سے پیغمبروں کی معرفت وعدہ کیا جایا کرتا تھا، اور ہم تمہارے رفیق تھے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے اور تمہارے لئے اس جنت میں جس چیز کو تمہارا حی چاہے گا موجود ہے۔ اور نیز تمہارے لئے اس میں جو مانگو گے موجود ہے۔

قرآن کریم کی یہ بشارت بہت عظیم ہے، اسکی اہمیت کا صحیح ادراک اسی مرد مومن کو ہوگا جس نے قرآن کی روشنی میں دین اور اس کے تقاضوں کو سمجھنے کی حتی الوسع کوشش کی ہو، اور انفرادی و اجتماعی زندگی میں اسکے اصول و ضوابط کو برتا ہو، اسی ایمانی حقیقت سے سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں، مشکل سے مشکل قفل کھل سکتے ہیں، آج یہی ایمانی حقیقت تہذیبی چیلنجوں سے برسرِ پیکار ہے، مادی دلفریبیاں اور خوبصورت نعرے اور آوازیں ہر چہار جانب سے سنائی دے رہی ہیں، لیکن اس کی قطعیت میں کوئی شک نہ پیدا ہوا ہے اور نہ ہوگا، باطل طاقتوں کا تو حال یہ ہے کہ اسلامی شعائر پر یلغار کرنے کی جان توڑ کوشش کر رہی ہیں، جب ان کا کوئی حربہ ناکام ہوتا دکھائی دیتا ہے تو دوسرے نئے خطرناک ہتھیاروں کے ذریعہ از سر نو یلغار شروع کر دیتی ہیں، اور مسلمانوں کو ان کے سرچشمہ حیواں سے دُور رکھنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کرتیں، لیکن جس قدر ان کی سازشیں ردِ عمل آتی ہیں اسی قدر اسلام کی کرنیں پورے عالم کو بقیعہ نور بناتی جا رہی ہیں۔

آج امریکہ دیورپ میں اسلام کے بارے میں جو ناگفتہ بہ صورت حال ہے وہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اعدائے اسلام شریعت اسلامی کے مٹانے پر کمر بستہ ہیں وہ اس اسلامی بیداری پر اپنی دیوار کھڑی کرنا چاہتے ہیں جو عالم و جاہل، غبی و ذہین، مالدار و غریب ہر ایک کو اسیر کرتی جا رہی ہے، ظاہر ہے کہ اسلام کی یہ اثر انگیزی اپنا رنگ دکھا کر رہے گی، کیونکہ مذہب اسلام ہی اللہ کا پسندیدہ دین ہے، اور جو بھی اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کا خواہاں ہوگا تو وہ قابلِ رد ہوگا اور آخرت میں اسکا سودا بڑے گھائے کا ہوگا۔

اس عملی تضاد کی اصل بنیاد سامانِ دنیا کے حصول کی حرص و طمع ہے، اور جب مال و دولت کا حصول ہی مطمح نظر ہوتا ہے تو اسکے پس پردہ کوئی اخروی تصور نہیں ہوتا، یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر وہ کوشش جو متاعِ دنیا کے حصول کیلئے ہی کی جائے گی، اخروی زندگی میں وہ کبھی بھی سودمند نہیں ہوگی، بلکہ اس کا انجام بہت برا ہوگا۔

یہی منفی نظریہ اعدائے اسلام کے ذہنوں پر حاوی ہے، نہ انہیں حساب و کتاب کا خوف ہے اور نہ آخرت کی جوابدہی کا ڈر، اسی وجہ سے وہ جرائم کے ارتکاب میں بڑے پیاک واقع ہوئے ہیں قتل و غارت گری اور انسانی آبادی کو تہہ و بالا کر دینے کی دھمکیاں آئے دن سننے میں آتی ہیں، عالم اسلام خاص طور سے ان کی آنکھوں کا کاٹنا بنا ہوا ہے، ابھی افغانستان و عراق میں ان کی وحشیانہ حرکتوں کا مشاہدہ ہر خاص و عام نے کیا اور کر رہا ہے اور ارض مقدس فلسطین ان کے انسانیت کش حملوں سے لہو لہان ہے، لیکن بذریعہ میڈیا سرد جنگ کے ذریعہ لوگوں کے دماغوں کو دھونے (Brain Washing) کی کوشش کی جا رہی ہے اور کبھی مسلمانوں کو دہشت گرد، کبھی انتہا پسند، کبھی شدت پسند ثابت کیا جا رہا ہے، کبھی انہیں انسانی آبادی کیلئے ایک شدید خطرہ بتایا جا رہا ہے، جبکہ مسلمان امن و امان کے داعی، اور محبت و مودت کے علمبردار ہیں، یہ ایک ایسی بہترین امت ہیں جو لوگوں کی نفع رسانی کیلئے برپا کی گئی ہے، بھلائی کا حکم دیتی ہے اور برائی سے روکتی ہے، اور ذات واحد پر ایمان رکھتی ہے، جب بھی یہ امت ان خصوصیات سے دست بردار ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کے اوپر سے اس کا ایمان جاتا رہے گا تو اللہ اس پر عذاب نازل فرمائے گا اور اس وقت اس کا تضرع و ابہتال کچھ کام نہ دے گا، صحیح حدیث میں وارو ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بخدا جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم ضرور بھلائی کا حکم دیتے رہو گے اور برائی سے روکتے رہو گے، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تم پر اپنا عذاب بھیجے گا فیصلہ فرمالے اور اس وقت تم دعا کرو گے اور تمہاری دعا قبول نہیں کی جائے گی۔

امت مسلمہ کی موجودہ صورت حال بہت افسوسناک ہے، اور ایسا محسوس ہوتا ہے بغض و عداوت، اور حسد و کینہ اسکے مزاج میں داخل ہو گیا ہے، مبادا کہیں یہی صورت اسکے منصب

قیادت سے پیچھے رہنے کا نتیجہ تو نہیں ہے، آج مسلمان ہر سطح پر پست ترین قوم نظر آتے ہیں اور یہ پستی اسی خصوصیت سے دست بردار ہونے کی وجہ سے آئی ہے۔ آج اولین ضرورت یہ ہے کہ وہ ان خصائص سے آراستہ ہوں جو ان کو حقیقی مسلمان بناتی ہیں، اور قیادت و سیادت کے منصب پر فائز ہو کر امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیں۔

داعیان اسلام اور مفکرین دین و ملت کی انتھک کوششوں سے یہ تصور ذہن میں آتا ہے کہ موجودہ اسلامی بیداری مسلمانوں کے کھوئے ہوئے منصب کے حصول کا راستہ ہموار کر رہی ہے، اور امت مسلمہ کو اعتدال پسند قوم کی حیثیت سے سابقہ مقام دلانے کے مواقع فراہم کر رہی ہے، اور انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا، آنے والا دور اسلام اور امت مسلمہ کے نام سے جانا جائے گا۔

اعدائے اسلام نے ممالک مغرب میں اسلامی بیداری کی بڑھتی لہر سے یہ محسوس کیا ہے کہ مسلمان بلاشبہ دنیا کے منظر نامہ پر جلد ہی آجائیں گے، وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اگر قیادت کی زمام ان کے ہاتھ چلی گئی تو ہمارا کیا حال ہوگا، انسانی شرافتیں پامال ہوں گی، زمین فتنہ و فساد سے بھر جائے گی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ** وفساد کبیر۔

**ترجمہ:** اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ملک میں فتنہ ہوگا اور زبردست فساد ہو جائے گا۔ (سورۃ انفال: آیت-۷۳)

اسی وجہ سے انہوں نے پختہ عزم کر لیا ہے کہ اسلام کو کسی لمحہ چنپنے نہیں دینا ہے، اور اس کی تابناک تاریخ کے اعادہ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، کیونکہ اس کی تاریخ ایمان و یقین، زہد و تقویٰ، عفت و پاکدامنی، تعلق مع اللہ، تعلیمات اسلام پر عمل اور اللہ کی مدد پر اعتماد سے آراستہ ہے۔ اسی وجہ سے وہ مسلمانوں کو عالمی سطح پر بدنام کرنے کیلئے ان پر دہشت گردی کا لیبل لگا رہے ہیں، اور اس کو ایک مستقل تہذیبی فلسفہ کا روپ دے رہے ہیں، جس کا نشانہ عقیدہ اسلام کے حاملین ہیں، اسی پر بس نہیں بلکہ پوری دنیا کو یہ باور کر رہے ہیں کہ مسلمان عالمی ترقی، خواہ وہ اقتصادی ہو یا سائنسی، تکنیکی ہو یا معاشرتی، ہر ایک کی راہ میں وہ سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہو رہے ہیں، اس فلسفہ کو عالمی مسئلہ بنانے کیلئے انہوں نے اپنی جان و مال کی



قربانی دی، اور ہر ممکن طریقہ سے اس کے لئے ذرائع مہیا کر لئے، دلیل کے طور پر نائن الیون (Nine Eleven) کا واقعہ ہی کافی ہے، جسمیں جان و مال کا غیر معمولی نقصان ہوا۔

بلاشبہ مسلمان پر فریب اصطلاحوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، اسلامی ممالک وحشیانہ کارروائیوں کے سرفہرست ہیں، کیونکہ انہیں کے اندر ہر قسم کی معدنیات اور زمینی ذخائر بھی ہیں، جب ان ممالک پر قبضہ ہو جائے گا تو وہ ذخائر خود بخود دست تصرف میں آجائیں گے، اس سے یہودی منصوبہ بندی کی تکمیل عمل میں آئے گی اور مدتوں پہلے تیار ہوا پروٹوکول عملی شکل اختیار کرے گا، شیطان نے ان کے اعمال مزین کر کے ان کے سامنے رکھ دیئے ہیں، اور ان کو صحیح راستہ سے ہٹا دیا ہے، حالانکہ وہ سمجھنے کی صلاحیت سے محروم نہیں ہیں۔





## دہشت گردی کے الزامات اور مسلمانان ہند \*

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم!

حضرات! میرے لئے باعث مسرت ہے کہ آپ حضرات وقت کی ایک اہم اور فوری ضرورت کے پیش نظر اس جلسہ کو منعقد کر رہے ہیں اور ملی حمیت اور غیرت دینی کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں، دل کی گہرائیوں سے یہ آرزو ہے کہ آپ کا یہ اجتماع ہر اعتبار سے کامیاب ہو اور اس کا پیغام نہ صرف عوام الناس اور کسی ایک محدود حلقے تک پہنچے، بلکہ ہمارے اس ملک کے ذمہ دار حضرات بھی اس کو اہمیت دیں اور ملک و وطن کی تعمیر و ترقی میں اس کو ایک اہم ذریعہ کی حیثیت سے دیکھیں اور اس عظیم ملک کے باشندوں کو متحد کرنے اور سب کو امن و امان کے سائے میں ایک خوشحال اور پر امن زندگی گزارنے کی راہ میں اس کو ایک سنگ میل بنانے کی ذمہ داری محسوس کریں۔

نوجوان طبقہ اس ملک کا اور دنیا کے ہر معاشرہ کا ایک بیش قیمت سرمایہ ہے، آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اولاد کی تربیت کی اولین ذمہ داری والدین پر ہے، اور ان کے ذریعہ ایک خوشحال اور تعلیم یافتہ سماج قائم کرنے کی ذمہ داری، تعلیم اور تعلیم گاہوں اور وہاں کے اساتذہ پر ہے، لیکن اس سے کہیں زیادہ یہ ذمہ داری حکومت اور اہل حکومت کی ہے، تاکہ اس کے نتیجہ میں ایک ترقی یافتہ اور احساس ذمہ داری سے بھرپور دنیا کے نقشے پر ہمارا ملک ایک امتیازی شان رکھنے کے قابل ہو سکے اور دنیا کے دوسرے ممالک اس کو رشک کی نظروں سے دیکھنے میں ایک لذت محسوس کریں۔

\* الدہاد میں اپریل ۲۰۰۸ء میں منعقدہ دہشت گردی مخالف کانفرنس میں یہ مضمون پیش کیا گیا۔

دہشت گردی آج کا ایک خطرناک اور نہایت ہی مکروہ اور ناپسندیدہ رجحان ہے، اس کے شرعی، اخلاقی اور قانونی نقصانات بالکل واضح ہیں، یہ اللہ کی زمین میں فساد پھیلانے کے مترادف ہے، قرآن کریم کی رو سے ایسے اہل فساد کو جب زمین میں فساد پھیلانے سے روکا جاتا ہے تو وہ بے ساختہ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، لیکن رب کریم نے ان کے اس بیان کی سختی سے تردید فرمائی اور آگاہ کیا کہ وہ دراصل فساد پھیلانے والے ہیں، لیکن ان کو اس کا احساس نہیں ہے، سورہ بقرہ کی اس آیت کریمہ کو پڑھئے اور دیکھئے کہ قرآن کریم اس بارے میں کیا خبر دیتا ہے: **وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تَفْسُدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ، أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ، وَلَكِن لَّا يَشْعُرُونَ.**

**ترجمہ:** اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو، تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں، خبردار ہو! یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن شعور یعنی سمجھ نہیں رکھتے۔ (سورہ بقرہ: ۱۱-۱۲)

دہشت گردی عالمی سطح پر آج ایک ایسا پیچیدہ مسئلہ بن گیا ہے کہ اس کا حل تلاش کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہونے کے باوجود ایک لائٹل مسئلہ معلوم ہوتا ہے، اس ضمن میں کسی فرقہ، کسی مذہب اور کسی تہذیب کو متہم نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ برائی خواہ وہ کسی نوعیت کی ہو، اپنا کوئی مذہب نہیں رکھتی، اس لئے دہشت گردی جیسے گناہ کو متعین طور سے کسی گروہ کے سرٹھو پنا یا کسی طبقہ کو اس کے اندر ملوث قرار دینا نہ صرف یہ کہ علم و حکمت کے خلاف ہے، بلکہ اس سے انسانی زندگی کے تمام انفرادی، اجتماعی، تمدنی اور عقیدہ کی وابستگی کے فطری طریقوں کو سخت دھچکا لگتا ہے، اور اس کی رہنمائی کرنے والے تمام افراد کو پست ہمتی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اگر آج کے انسان محض اپنے ذاتی مفاد کو پورا کرنے کے لئے پورے نظام کو تباہ کرنا اور اللہ کی مخلوق اور معصوم جانوں کو بے دردی اور درندگی کے ساتھ خاک و خون کے دریا میں ترپانا، انسانی تہذیب کا ایک لازمی جز سمجھتے ہوں، تو ہم اس ناپسندیدہ برائی اور اس کا ارتکاب کرنے کی نہایت سختی سے تردید کرتے ہیں، اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ صرف قوم مسلم اس گناہ میں ملوث ہے، تو شاید یہ

بات تاریخی حقائق کی روشنی میں کبھی بھی تسلیم نہیں کی جاسکتی، اس لئے کہ مذہب اسلام امن وامان اور صلح و آشتی کی تلقین پورے شہ و مد کے ساتھ کرتا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں اس کی دعوت دی ہے، بلکہ امن و آشتی کی فضا قائم رکھنے کا حکم دیا ہے اور اس کے خلاف عمل کرنے کو شیطان کی پیروی کرنے سے تعبیر کیا ہے اور یہ بھی صراحت کر دی ہے کہ شیطان ایک کھلا ہوا دشمن ہے، اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس شہنشاہ اور بدنما چہرہ کو ہمیشہ کے لئے دُشمن کر دیں تو سورہ بقرہ کی آیت (۲۰۸) کو پڑھ کر دیکھیں: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً، وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ، إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ.** (بقرہ: ۲۰۸)

**ترجمہ:** اے ایمان والو! اسلام (جو سراپا امن ہے) میں سارے کے سارے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، کیوں کہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔  
دوسری آیت جس میں اہل ایمان کو خطاب نہیں کیا گیا ہے بلکہ عام انسانوں کو مخاطب کیا گیا ہے سورہ بقرہ کی آیت ۵-۲۰۴ ہے ملاحظہ فرمائیے:

**وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْجَبُكُ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا، وَيَشْهَدُ اللَّهُ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ، وَهُوَ أَلَدُ الْخِصَامِ، وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ، وَاللَّهُ لَا يَعْجُبُكَ الْفَسَادُ:**

**ترجمہ:** بعض لوگوں کی دنیاوی غرض کی باتیں آپ کو خوش کرویتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ کرتا ہے حالانکہ دراصل وہ زبردست جھگڑالو ہے، جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کی اور کھیتی و نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند کرتا ہے۔

لہذا دہشت گردی کی کوئی صفت یا اس کا کوئی طریقہ کسی فرقہ یا کسی مذہب کے ماننے والوں میں پایا جاتا ہو تو اس کو روکنا اور اس سے باز رکھنا ہمارا مذہبی فریضہ ہے، ہم امت مسلمہ کی حیثیت سے جس کو خیر امت کا لقب اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اور ہدایت کا ذریعہ بنا کر اس دنیا میں اللہ کی طرف سے اس کو بھیجا گیا، اس کا بنیادی فریضہ یہ ہے کہ وہ اچھی باتوں کا حکم دے اور بری

باتوں سے لوگوں کو روکے۔

کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی انسانی جان سے کھیلنا اور کسی معصوم جان کو فنا کے گھاٹ اتار دینا کسی بھی مذہبی نظام اور تہذیبی فلسفہ میں اس کی اجازت دی گئی ہے؟ اور جس سرزمین پر ہم زندگی بسر کر رہے ہیں اور اس کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو رہے ہیں، اس کو اس طرح کی شیطانی حرکتوں سے داغدار بنائیں اور ملک و ملت کا خیال کئے بغیر ملت کی غلط ترجمانی اور ملک کی تعمیر و ترقی کو روک کر اس کو تاریکیوں کے غار میں ڈھکیل دینا اور اس کو برباد کرنے کی نگرانی کرنا کسی بھی فرد بشر کا کام ہو سکتا ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو یہ فطرت کی ترجمانی ہے، اور اگر کوئی شخص اس کو جائز سمجھتا ہے تو وہ درندوں اور جانوروں سے بھی زیادہ گیا گنڈا انسان ہے، اور اس کے بارے میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کو پیش نظر رکھنا دنیا کے تمام انسانوں کے لئے ایک عظیم عبرت ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ، لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بَهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بَهَا، وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بَهَا، أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ، أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ۔ (سورہ اعراف: ۱۷۹)

**ترجمہ :** اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں جن کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے، اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے، اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، دراصل یہی لوگ غافل ہیں۔



## ایک خطرناک اور مذموم انسانی جرم \*

مسلمانوں کو بدنام کرنے اور اسلام کی تصویر کو مسخ کرنے کی سازشیں اور تدبیریں ایک عرصہ دراز سے جاری ہیں، اور مختلف زاویوں سے ملت اسلامیہ پر حملہ کرنے اور اس کے وجود کو اگر ختم نہ کیا جاسکے تو داغدار بنانے کی مسلسل اور منظم کوششیں کی جارہی ہیں، اس ضمن میں جو حقائق کھل کر سامنے آئے ہیں ان میں ڈنمارک کے اخبار ”جیلانڈس“ اور اس اخبار کے ذمہ داروں کی نہایت ہی دلخراش اور مذموم حرکت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرضی خاکہ شائع کرنا اور انتہائی جرأت بے باکانہ اور دریدہ دہنی کے ساتھ اس کو وسیع رقبہ تک پھیلانا اور مسلمانان عالم کے شدید ترین اور متحدہ احتجاج کے باوجود ان خاکوں کو بار بار شائع کرنا اور عالم اسلام بلکہ پوری دنیا کے احتجاج کا مذاق اڑانا انتہائی شدید، اخلاقی اور انسانی جرم ہے، اس کے لئے بین الاقوامی عدالت، منصفانہ فیصلے اور مجرمین کو سخت سے سخت سزا تجویز کرنے میں پوری طرح با اختیار ہے، اور اس کی اس راہ میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں ہے، مگر یہ سب کو معلوم ہے کہ اتنے بڑے حادثہ کا کسی سطح سے کوئی نوٹس نہیں لیا گیا اور آج بھی یہ جرائم پیشہ گروہ اپنی مجرمانہ حرکتوں سے باز آنے کے بجائے مکمل طور پر آزاد ہے، اور وہ وقتاً فوقتاً شرارتوں کا اعادہ کرتا رہتا ہے، اور مسلمانان عالم کے زخمی دلوں پر نمک پاشی کرتے رہنا اس کا معمول (Routine work) بن گیا ہے۔

مورخہ ۱۳/۸/۲۰۰۸ء کو بچے پورا جستان میں بم بلاسٹ ہوا، جس میں کم سے کم ۶۰ افراد جاں بحق ہوئے، ذیل کا مضمون روزنامہ راشٹریہ سہارا لکھنؤ کے سنڈے پبلیکیشن کے لئے لکھا گیا اور شائع بھی ہوا۔

ہمارے اس ملک ہندوستان جنت نشان میں آئے دن بم بلاسٹ کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، اور اسکے نتیجہ میں جان و مال کا اتلاف اور زبردست تباہی کے منظر سے گزرنا پڑتا ہے، اور اس مذموم اور ناقابل برداشت حرکت کے پیچھے جن خفیہ سازشوں کا ہاتھ نظر آتا ہے، ان کو متاثر مسلمانوں کے کسی واقعی یا فرضی گروہ کے ساتھ وابستہ کر دیا جاتا ہے اور اسکے نتیجہ میں مسلم نوجوانوں کی ایک منظم اسکیم سے گرفتاری عمل میں آتی ہے، اور ان کو پس زنداں کر دیا جاتا ہے، اور فرضی مقدمات ان پر مسلط کر دیئے جاتے ہیں، حالانکہ حقائق کی روشنی میں ان کا اس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، لیکن ہمارے تفتیشی ادارے اور جانچ کرنے والی ٹیم کو اپنی کارکردگی ثابت کرنے کیلئے ایسا کرنا پڑتا ہے، اور شاید یہ ان کی مجبوری ہے۔

بم بلاسٹ کے تازہ واقعہ میں بے پور کا نام آج کل سرخیوں میں ہے، وہاں یہ واقعہ مورخہ ۱۳ مئی ۲۰۰۸ء کو ایک عوامی بھیڑ کے علاقہ میں پیش آیا، اس میں کافی جانوں کا ضیاع ہوا، کم سے کم ۶۰ افراد ہلاک ہوئے، ایک بڑی تعداد زخمیوں کی سامنے آئی اور ایسا منظر جسے دیکھ کر دل دہل جائے، خاص طور سے بے قصور لوگوں کو موت کے گھاٹ اس طرح بے خبری کی حالت میں اچانک اتار دینا انتہائی درجہ کی حیوانیت ہے، اور زندگی پیدا کرنے والے پروردگار کی قدرت کا مذاق اڑانے کے مرادف ہے۔

خبروں سے پتہ چلتا ہے کہ اس سانحہ سے پہلے ہی کچھ لوگ بیوپاریوں کی شکل میں بے پور میں آکر مقیم ہوئے، اور اس کے چند ہی دنوں بعد بم بلاسٹ کا یہ واقعہ پیش آیا، اس واقعہ کے ذمہ دار جرائم پیشہ لوگوں کو پکڑنے کے لئے تفتیشی ادارے سرگرم ہو گئے، اور مجرمین کو گرفتار کرنے کیلئے ہر طرح کے ذرائع استعمال کئے، لیکن ۱۶ مئی تک سیریل بم بلاسٹ کے بارے میں کئی ریاستوں کی پولیس فورس مشترکہ طور پر جانچ کرتی رہی، اور کم از کم اٹھارہ مشتبہ لوگوں کے ساتھ تفتیش کا عمل جاری رکھنے کے باوجود کوئی کامیابی نہ مل سکی، وزیر مملکت راجندر سنگھ راتھور نے نامہ نگاروں سے بات چیت کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ مشترکہ جانچ میں راجستھان، آندھرا پردیش، اور اتر پردیش کی پولیس شامل ہے، اس کے لئے خصوصی ٹیم بھی تشکیل دی گئی ہے، اور تمام سرانگوں کی بنیاد



اور اس کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کی جا رہی ہے، اور دیگر ریاستوں میں ہوئے بم دھماکوں سے اسے جوڑ کر دیکھا جا رہا ہے۔

ان تمام کوششوں کے باوجود وزیر مملکت راجندر سنگھ نے اعتراف کیا کہ پولیس ابھی تک کسی نتیجہ تک نہیں پہنچ سکی ہے، اس دھماکہ میں دس سائیکلیں استعمال کی گئی تھیں، سائیکل کے دوکانداروں سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کی جا رہی ہیں، جن تھیلوں میں دھماکہ خیز مادہ رکھ کر سائیکلوں کے ذریعہ یہ دھماکہ کیا گیا، ان کے بارے میں بھی پتہ چلانے کی کوششیں جاری ہیں، لیکن اس کے باوجود وزیر مملکت نے اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ اس سانحہ کے پس پشت بنگلہ دیش کی دہشت گرد تنظیم کا ہاتھ ہو سکتا ہے، انہوں نے کہا کہ راجستھان میں ناجائز طور سے رہنے والے بنگلہ دیشیوں کو نکالا جائے گا، ان کا کہنا تھا کہ ۲۰۰۳ء میں راجستھان میں ڈھائی ہزار بنگلہ دیشی تھے، اور اب دس ہزار سے زیادہ سکونت پذیر ہیں۔

سلسلہ دار بم بلاسٹ میں ایک سائیکل پر زندہ بم برآمد ہوا ہے، اسکی بناوٹ سے پولیس نے یہ امکان ظاہر کیا ہے کہ حیدرآباد بم دھماکوں میں استعمال شدہ بم حیدرآباد میں بنائے گئے تھے، اس لئے پولیس کا یہ خیال ہے کہ یہ بم جے پور ہی میں بنائے گئے تھے۔

مگر اس بحث سے کوئی فائدہ نہیں کہ بم کہاں بنائے گئے تھے، اور کس نے بنائے تھے، اصل مسئلہ مجرموں کے پکڑنے کا اور حقیقت حال کی تہ تک پہنچنے کا ہے اور یہ بھی طے کرنا ضروری ہے کہ یہ بم دھماکے کس مقصد سے کئے جا رہے ہیں، اور معصوموں اور بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلنے والے کب تک اس عمل کو جاری رکھیں گے، ہماری خفیہ پولیس اور اینٹی ٹرینس کے ذرائع کو سرگرمی کے ساتھ ایسے لوگوں کا جو نہ صرف اس ملک کے دشمن ہیں، بلکہ وہ عوام کی جان و مال کے ساتھ کھیلنے اور ان کو برباد کرنے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں پوری طاقت اور سرگرمی کے ساتھ پتہ لگانا چاہئے، اور صحیح اور واقعی صورت حال کو سامنے لانا چاہئے، تاکہ جو لوگ ملک دشمنی کی اس تحریک میں شریک ہیں، ان کے چہرے حکومت اور عوام دونوں کے سامنے یکساں طور پر آئیں، اور وہ کٹھرے میں بندان مجرموں کی شناخت کر سکیں، اور ان پر لعنت و ملامت کی نہ صرف بارش کر سکیں بلکہ ان کو

سولی پر چڑھانے کا مطالبہ کر کے اپنے وطن کو ظلم و بغاوت کے عنصر سے پاک کر سکیں۔

اس طرح کے جرائم میں ملوث لوگوں کا کوئی مذہب اور عقیدہ نہیں ہوتا، اس لئے شک کی سوئی صرف مسلمانوں کی طرف گھمانا اور ان کو اس طرح کے سنگین اور تباہ کن واقعات کا ذمہ دار ٹھہرا نا انصاف کی رو سے صحیح نہیں ہے۔

جے پور کے حادثہ میں جو نام بھی شروع میں سنے گئے اور اخباروں میں اشاعت پذیر ہوئے ان سے اس بات کا اندازہ کرنے میں آسانی ہوتی ہے کہ واقعی اس دردناک داستان کے حقیقی ذمہ دار کون لوگ ہیں، اور جان و مال کا اتنا زبردست خسارہ کر کے وہ کیا چاہتے تھے۔

ہمارے ملک میں بہت سے فرقے اور مذاہب کے ماننے والے موجود ہیں، دستور میں سب کو ایک باعزت شہری کی طرح زندہ رہنے اور امن و امان اور اخوت و محبت کی فضا قائم رکھتے ہوئے اپنے خیالات کے اظہار کی آزادی کا حق حاصل ہے، یہی نہیں بلکہ ہر مذہب کے ماننے والے کو اپنے مذہب کی دعوت دینا اور دوسروں کو اپنے نقطہ نظر سے آگاہ کرنا کسی نوعیت سے بھی قابل اعتراض نہیں ہے، جس طرح غیر مسلم حضرات کو اپنے مذہبی خیالات کا پرچار کرنا اور اسکے لئے سیمینار اور ورکشاپ کا منعقد کرنا کسی حال میں ممنوع نہیں ہے، اسی طرح اس ملک میں رہنے والی دیگر اقوام اور اہل مذاہب اور مسلمانوں کو بھی اپنے مذہب کی سچائی بیان کرنا اور اپنے تمدنی فلسفے کی دعوت دینا کسی حال میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں کہی جاسکتی۔

ہمارا ملک اپنے ارضی اور معدنیاتی خزانوں سے بھرپور اور پوری طرح معمور ہے، لوہے کے کانوں سے لے کر تانبے، پیتل، سونے چاندی، ہیرے جواہرات اور سب سے بڑھ کر قابل زراعت زمینوں، مختلف قسم کے پھلوں کے باغات اور نہایت قیمتی جڑی بوٹیوں سے مالا مال ہے، یہ ایسے خزانے ہیں، جو بیک وقت دوسرے ملکوں میں نہیں پائے جاتے، اسی طرح صنعت و حرفت، ٹکنالوجی اور سائنس کے میدان میں بھی یہ گریز پا ترقی دوسروں کے لئے اگر قابل حسد نہیں تو قابل رشک ضرور ہے، مسلمان حکمرانوں نے اگر اس ملک کو تہذیب و تمدن اور زندگی گزارنے کے نئے طریقوں کا گہوارہ بنایا اور انہوں نے بلا تفریق اہالیان ہند کو بہت سے تمدنی اور معاشی تحفے

دئے تو انگریزی سامراج آقاہیت کا مسکہ جمانے اور اہل ہند کو کالے غلام کے نام سے یاد کرنے اور ان کے ملک کے تمام پوشیدہ خزانوں کو لوٹنے اور اپنے مرکز ثقل انگلستان کی طرف منتقل کرنے میں اپنے جملہ وسائل کو استعمال کرتا رہا، اور اہالیان ملک کو ذلت و افلاس کے گڑھے میں گرانے اور ہر طرح سے ان کو ذلیل و خوار کرنے میں مصروف رہا۔

اب جبکہ سب کی اجتماعی کوششوں سے ہمارا ملک انگریزوں کے چنگل سے آزاد ہو چکا ہے، اور ہمارے سامنے زندگی کے تمام میدانوں میں زبردست ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے امکانات پوری طرح روشن ہیں، ہم اس ملک کے زمینی خزانوں اور اسکی معدنیات سے پوری آزادی کے ساتھ فائدہ اٹھاتے ہوئے صنعت و حرفت اور علم و سائنس کے میدان میں نئی نئی راہیں کھول سکتے ہیں، اور دنیا کے پچھڑے اور غربت زدہ ملکوں کو بہت کچھ دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، ہماری اس عظمت و اہمیت کو سپر پاور ملکوں نے محسوس کر لیا ہے، اور وہ کسی نہ کسی بہانے ہماری صلاحیتوں، ہمارے علمی اور سائنسی امتیاز بلکہ ہمارے اس ملک کو خریدنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔

کاش ہم اس راز کو سمجھتے اور ملک کی ترقیات کی راہ میں دھماکہ کرنے کے بجائے ٹکنالوجی اور سائنس کے میدان میں ایسا دھماکہ کرتے جو دنیا کی تمام طاقتوں کو ہماری عظمت اور تفوق و امتیاز کا کلمہ پڑھنے پر مجبور کر دیتا؟!

افسوس کہ آج تک (ماہ اکتوبر ۲۰۰۸ء) بم بلاسٹ کا یہ سلسلہ اپنی پوری توانائی اور جرأت کے ساتھ جاری ہے، اور اس سلسلے کی تفتیش میں کچھ نفرت پھیلانے والی تنظیموں کے ذمہ داروں اور ان کے کارکنوں کا نام بھی آ رہا ہے۔





## مغرب اور اہانت رسول اللہ ﷺ \*

آج کل پورے عالم اسلام اور مسلم اقلیتی ممالک میں ڈنمارک کے ایک اخبار کے ذریعہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت آمیز کارٹونوں کو شائع کرنے کے تعلق سے شدید مخالفتوں اور احتجاجات کا سلسلہ جاری ہے، ان کارٹونوں کو لے کر مسلمانوں میں سخت غم و غصہ پایا جا رہا ہے، اور مسلمان اس اخبار اور ڈنمارک کی حکومت کے خلاف اپنی حد درجہ ناراضگی کا اظہار کر رہے ہیں، ان اہانت آمیز خاکوں کو اس ملک کے ایک روزنامہ نے یہ کہہ کر دوبارہ شائع کیا کہ مسلمان یہ جان لیں کہ ان کے احتجاج اور مخالفت کا عالمی برادری پر کوئی اثر نہیں پڑے گا؟ چنانچہ جب چہار جانب سے اس کے خلاف آواز بلند کی جانے لگی، اور مسلمان اپنے گھروں سے نکل کر اور اپنے سارے کام کاج کو تھ کر اپنی گونا گوں مصروفیتوں سے وقت نکال کر مقامی، ریاستی، ملکی و بین الاقوامی سطح پر اس کے خلاف صف آرا ہوئے اور ڈنمارک کی حکومت اور اس اخبار کے سلسلہ میں اپنی شدید نفرتوں کا اظہار کرنے لگے، تو ڈنمارک کے وزیراعظم نے اس جرم پر اپنی معذرت ظاہر کر دی اور اس بات کا اعلان کیا کہ حکومت اس جرم میں شامل نہیں ہے، بلکہ اس سے پوری طرح بری الذمہ ہے، لیکن ان ساری مخالفتوں اور احتجاجوں کے باوجود ابھی بھی فرانس اور اس کے ہمنو ممالک میں اس طرح کے اہانت آمیز کارٹون اور خیالی تصویروں کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے، اور تم ظریفی کی حد تو یہ ہے کہ آج بھی فرانس اور سویٹزرلینڈ جیسے ممالک میں ”محمد اور تعصب“ کے عنوان پر ڈرامے پیش کئے جاتے ہیں، وہ ڈرامے ایسے مواد پر مشتمل ہوتے ہیں جو براہ راست اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو (نعوذ باللہ) داغدار کرتے ہیں۔

\* اشارہ ہے ۲۰۰۷ء میں ڈنمارک کے اخبار ”جیلاڈس پوسٹن“ میں شائع شدہ اہانت آمیز خاکوں کی طرف۔

اس وقت یورپ میں بھی مسلمان اور اسلامی تنظیموں نے اس کی مخالفت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، اور یہی نہیں بلکہ اس طرح کے اہانت آمیز کارٹونوں کی اشاعت کو ان سازشوں کا حصہ مانتے ہیں جو ہمیشہ سے امن و سلامتی کے صالح اقدار کے خلاف کی جاتی رہی ہیں۔

اسی طرح پاکستانی پارلیمنٹ نے بھی یورپین اخباروں میں شائع ہونے والے اس طرح کے اہانت آمیز کارٹون کی مذمت کی ہے، اس کے خلاف متفقہ طور پر ایک قرارداد مذمت پاس کی ہے، جس میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اس طرح کی مصنوعی تصویروں اور کارٹونوں کا مقصد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو داغ دار کرنے اور پوری انسانی برادری میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے پائے جانے والے حسن ظن کو بدظنی اور بدگمانی میں تبدیل کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے، اور قرارداد میں اس کی بھی صراحت موجود ہے کہ صحافت اور میڈیا کی آزادی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مذہب اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کی ناپاک اور اشتعال انگیز کارروائیوں کے ذریعہ اور اس طرح کی شیطانی سرگرمیوں کے ذریعہ نشانہ بنایا جائے اور کسی مذہب کے کسی بھی بانی کو داغ دار کیا جائے، آزادی کا یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ انسان آپسی بھائی چارگی اور مذہبی رواداری اور باہمی عزت و احترام جیسی قدروں کو فراموش کر کے شتر بے مہار بن جائے اور پوری انسانی برادری کو قلمی اذیت پہنچائے اور اس کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچائے اور اس کی مذہبی غیرت و حمیت سے چھیڑ چھاڑ کرے، یہ ایسا ناپاک اور گھناؤنا طرز عمل ہے جس سے ہر شخص جس کے اندر ذرہ برابر بھی انسانیت ہوگی، کبھی برداشت نہیں کر سکتا اور کبھی بھی سچائی، راست گوئی اور انسانی برادری کا احترام جیسے زریں اور پاکیزہ قدروں اور اصولوں سے سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔

اس جرم کے خلاف مسلمانوں کی کارروائیاں پوری اسلامی دنیا میں اور فلسطین اور انڈونیشیا اور ہندوستان میں صرف احتجاجی جلوس تک محدود نہیں، بلکہ اس کے خلاف مسلمانوں نے دوسرا قدم یہ اٹھایا ہے کہ ڈنمارک کی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کیا، نتیجہ بہت ساری تجارتی کمپنیوں کو بہت زیادہ نقصان کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک کہ بعض کمپنیاں مصنوعات کے گاہکوں اور کسٹمرس نہ ملنے کی وجہ سے اپنے بہت سارے کارکنان کو برخاست کرنے پر مجبور ہو گئیں۔

اس طرح کی مجرمانہ حرکتیں اور اس نوعیت کے اخلاقی جرائم جن کا نشانہ براہ راست مذہبی اور اخلاقی قدریں ہوتی ہیں، دراصل ان ناپاک اسکیموں اور سازشوں کی ایک کڑی ہیں، جو اسلام دشمن طاقتیں اسلامی بنیاد کو کمزور کرنے اور قبول اسلام سے لوگوں کو روکنے کے لئے رچ رہی ہیں، یہ دراصل ان کی جانب سے اسلام کے مطالعہ کی طرف بڑھتے ہوئے رجحانات اور قبول اسلام کی طرف پیش قدمی بلکہ اس کے سیل تند کو روکنے کی ایک گہری سازش ہے، کیونکہ اس وقت تمام براعظموں بالخصوص یورپ اور امریکہ میں لوگوں کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز اسلام اور اسلامی تعلیمات ہیں، دوسری طرف اسلام دشمن طاقتوں کی اسلام دشمنی بھی اپنی آخری منزل تک پہنچ چکی ہے۔ اور روئے زمین سے مذہب اسلام کو مٹانے کی ہر طرح کی کوششیں ان کی جانب سے کی جا چکی ہیں اور اسلامی چراغ کو گل کرنے کے لئے ہر طرح کے ہتھیار کا تجربہ کیا جا چکا ہے، پھر بھی اسلام پوری دنیا میں برق رفتاری سے پھیل رہا ہے، اور ایسا کیوں نہ ہوگا جب کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اسلام کی بقا اور سر بلندی کا وعدہ فرمایا ہے: ”یریدون لیطفنوا نور اللہ بأفواہہم واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون“ (صف: ۸) وہ یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کی روشنی کو گل کر دیں اور جب کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ پوری دنیا میں اس روشنی کو پھیلا کر رہے گا، گرچہ یہ کام مشرکوں کے لئے کتنا ہی ناگوار ہو۔

اس سے بھی زیادہ دلخراش بات شیخ الازہر کا وہ بیان ہے جس میں انھوں نے حالیہ بحران اور اس کے خلاف مسلمانوں کی کارروائی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم مسلمانوں کو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کے مسئلہ سے دست بردار ہو جانا چاہیے، کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت دنیا میں نہیں ہیں، وہ ہم سے روپوش ہیں، ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم باحیات ہوتے تو کیا ان کی شان میں گستاخی جائز تھی، یہ نظریہ اور یہ خیال مصلحت پرستی اور طاغوتی طاقتوں کے سامنے اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کا اظہار ہے، اس کے سوا اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں، اس کے برخلاف ایسی سکونامی تنظیم نے ڈنمارک سے اپنے سارے تعلقات ختم کرنے کی دھمکی دی ہے، جیسا کہ تنظیم کے ناظم عمومی ڈاکٹر عبدالعزیز التویجری نے اپنے ایک بیان میں اس کی صراحت کی ہے کہ ڈنمارک مسلسل لاکھوں مسلمان کے جذبات سے کھلواڑ کر رہا ہے،

اس لئے اس تنظیم کی یہ کوشش رہے گی کہ ستاون اسلامی ممالک ڈنمارک سے اپنے اقتصادی اور سیاسی تعلقات ختم کر لیں، محترم ڈاکٹر تویجری نے اپنے بیان میں اس بات کی بھی صراحت کی ہے کہ آنے والے دنوں میں ڈنمارک کے اس اخبار کے خلاف جس نے اہانت آمیز کارٹون شائع کیا ہے، مقدمہ دائر کیا جائے گا اور اگر اس سلسلہ میں کوئی منصفانہ فیصلہ جاری نہیں ہوا تو پھر یہ تنظیم بین الاقوامی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے گی، کیوں کہ تنظیم کی یہ کوشش ہے کہ اہانت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ اور مذہب اسلام کے تعلق سے گستاخانہ بیانات کا سلسلہ اور دیگر مذاہب کو بدنام اور داغ دار کرنے کا عمل پوری طرح سے بند ہو جائے تاکہ پھر کوئی فتنہ سر نہ اٹھائے اور کوئی دجالی طاقت اپنے پر نہ پھیلائے۔

محترم ڈاکٹر تویجری نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ مغربی ممالک میں اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے کے لئے میری تنظیم کی جانب سے دو طرح کے کام کئے جائیں گے:

- ۱- اسلامیات کے موضوع پر حالات حاضرہ کے پیش نظر نئی کتابیں شائع کی جائیں گی۔
- ۲- بین الاقوامی کانفرنس اور سیمینار منعقد کئے جائیں گے۔

ایسی تنظیم کی یہ کوشش اس ضمن میں ہر اعتبار سے لائق تعریف ہے اور اس میں پیغام بیداری ہے ان ممالک کے لئے جو اس وقت ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں اور اس مسئلہ میں اپنی زبان کھولنا یورپین ممالک سے وابستہ اپنے مفاد کے خلاف سمجھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ صورت حال کسی اعتبار سے قابل قبول نہیں ہو سکتی، بلکہ ایسے حالات میں عرب ممالک کے رہنماؤں کو عقل کے ناخن لینا چاہئے اور ہوش میں آنا چاہئے کیوں کہ اسلام دشمن طاقتوں کی اسلام کے مخالف اس نوعیت کی سرگرمیاں اور ان کی اس طرح کی گستاخانہ کوششوں اور ان کی آواز میں آواز ملانے والے لوگ دونوں ہی مستقبل قریب میں حد درجہ برے انجام کا سامنا کریں گے۔ کیوں کہ اس طرح کے سرکش اور خدا بیزار لوگ سر اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں تو انھیں اللہ کے فیصلہ کے مطابق کچل دیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں سرکش فرعون کا واقعہ نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے، بشرطیکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں اور اپنے اقوال و افعال کو درست کرنے کی کوشش کریں۔



## موجودہ حالات اور مسلمان

عصر حاضر میں مسلمانوں کو خیر امت کی حیثیت سے مٹانے کی سازش ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے، اسلام کے دور اول میں بھی یہودیت کے زیر سایہ اس طرح کے واقعات پیش آئے، اور بعد کی صدیوں میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا، پانچویں صدی ہجری میں صلیبی جنگوں کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا، صلیبیوں نے عالم اسلام پر قبضہ کرنے اور امت مسلمہ کو فنا کے گھاٹ اتار دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے نور الدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے بہادر اور جانناز حکمرانوں کو حملہ آور صلیبیوں سے مقابلہ کرنے اور ان کو شکست فاش دے کر عالم اسلام سے نکالنے کی ہمت و طاقت عطا فرمائی، انہوں نے بیت المقدس کو ان کے قبضے سے آزاد کر کے تاریخ اسلام میں ایک زریں باب کا اضافہ کیا۔

لیکن ساتویں صدی ہجری میں پھر مسلمانوں کو ایک سخت فتنے سے دوچار ہونا پڑا، اور وہ تھا تاتاریوں کا فتنہ، عالم اسلام پر ان کی یورش اور قتل و خونریزی کی گرم بازاری، تاریخ ان کے سیاہ کارناموں کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی، مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھر اسی حملہ آور قوم کے ایک حکمران کے دل میں اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوا، اور شیخ جمال الدین نامی ایک بزرگ عالم کی اس کے دربار تک رسائی ہوئی، اور ان کے اثر سے یہ قوم اسلام کی نعمت سے نہ صرف یہ کہ سرفراز ہوئی بلکہ داعی اسلام بن کر ابھری۔

یہ دونوں واقعے اسلام کے خلاف علی الاعلان جنگ اور مسلمانوں کو منصب قیادت سے ہمیشہ کے لئے محروم کرنے کی سازش کا ایک اہم حصہ تھے، لیکن یہ سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں برابر

جاری رہا، اور امت مسلمہ اس طرح کے فتنوں اور آزمائشوں سے ہمیشہ دوچار رہی، اور ہر زمانے میں اس صورت حال کا احساس علمائے دین اور داعیان اسلام پر چھایا رہا، اور اس کے نتیجے میں امت کی اصلاح و تربیت اور اس کو اپنے منصب پر واپس لانے کے لئے مخلصانہ جدوجہد بھی ہوتی رہی، اور جب بھی مخالفین کی طرف سے امت کو فردائیا جماعۃً اپنے منصب سے محروم کرنے کے لئے نہایت سنجیدگی اور پوری منصوبہ بندی کے ساتھ کوششیں شروع ہوئیں تو داعیان اسلام کے دلوں میں امت کے تعلق سے بے چینی لاحق ہوئی، اور انہوں نے مسلمانوں کو موجودہ فتنوں اور آنے والی آزمائشوں سے آگاہ کرنے کی ہر ممکن کوشش صرف کی، اور ان کو اپنے حقیقی منصب کی طرف لوٹنے کی تلقین کر کے اپنی ذمہ داری کو صحیح طریقے سے انجام دینے کا ثبوت پیش کیا، اللہ تعالیٰ اپنے ان مؤمن بندوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

(إنما المؤمنون الذين آمنوا بالله ورسوله، ثم لم يرتابوا وجاهدوا بأموالهم وأنفسهم في سبيل الله أولئك هم الصادقون). (سورہ حجرات ۱۵)

ترجمہ: ایمان والے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر شک و شبہ میں مبتلا نہ ہوئے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے، وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں سچے۔

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ میں پیش آنے والے واقعہ نے ثابت کر دیا کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کا انداز اب بدل گیا ہے اور اس کے لئے نہایت باریک بینی اور ہوشیاری کے ساتھ منصوبہ بندی کی جاتی ہے، اور یہ ثابت کرنے کی پوری کوشش ہے کہ اسلام ایک دہشت گردانہ مذہب ہے، اور مسلمان اس دہشت گردی کے علم بردار ہیں، لہذا ایسے مذہب کو اور اس کے ماننے والوں کو اس ترقی یافتہ جدید اور ٹکنالوجی کے دور میں باقی رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ الزام بھی اپنی اہمیت کھو چکا اور اسلام کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کرنے کے لئے مغربی ممالک کے لوگوں کا رجحان بہت زیادہ بڑھا، اور قرآن کریم کو براہ راست پڑھ کر ان کے دلوں میں اسلام قبول کرنے کا جذبہ بیدار ہوا، اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوا، جب کہ یہ سارا مخالفانہ عمل اسلام سے متفرق کرنے

اور اس کے متبعین کو برگشتہ کرنے کے لئے کیا گیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمہ کو بلند رکھا، اور آج صورت حال یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں زبردست اضافہ ہو رہا ہے۔

اسی کے ساتھ ہمیں اس حقیقت کا اعتراف کرنے میں کوئی جھجک نہیں ہونی چاہئے کہ آج امت مسلمہ کے افراد میں صحیح اسلامی روح کی بڑی کمی ہے، اسلامی زندگی میں انحطاط اور اخلاقی زوال کا تناسب بہت زیادہ بڑھ چکا ہے، اس لئے ہمارے مذہبی تشخص کا نمونہ لوگوں تک پہنچنے میں دشواری پیش آرہی ہے اور ہم اپنی وہ شان امتیازی دنیا کے سامنے پیش کرنے سے قاصر ہیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورۃ انفال، آیت ۲۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے، تو کر دے گا تم میں شان امتیازی (دوسروں کے مقابلے میں)، اور دور کر دے گا تم سے تمہارے گناہ اور تم کو بخش دے گا، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید فرماتے ہوئے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”والذي نفسي بيده، لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر، أوليوا سكن الله أن يبعث عليكم عقابا من عنده، ثم تدعون فلا يستجاب لكم“۔

ترجمہ: اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری انجام دیتے رہو گے، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے تم پر کوئی عقاب (آزمائش) بھیج دے کہ پھر تمہاری دعائیں بھی قبول نہ کی جائیں۔





باب دوم:

مسلمان اور دعوتی جدوجہد



## تبلیغ و دعوت انسانیت کی مسیحا

تاریخ عالم شاہد ہے کہ اسلام نے عالمی سطح پر ملی قیادت کا فریضہ انجام دیا، ڈوبتے سفینہ کو ساحل مراد تک پہنچا دیا، روتی، بلبلاتی، دم توڑتی انسانیت کے ظلم و کرب کو ختم کیا اور اسے اعلیٰ مراتب سے سرفراز کیا، اسلام کا یہ انقلابی عمل ایسے وقت میں وقوع پذیر ہوا، جب انسانیت ظلم و بربریت سے کراہ رہی تھی، ایک خاندان کے گئے چنے افراد پورے مجموعہ انسانی پر اپنا حکم و تسلط جمائے ہوئے تھے، ان کے ساتھ گدھے اور کتے کا سا برتاؤ کرتے تھے، اور ان کو تفریح طبع کا سامان سمجھتے تھے، اسلام کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے انسان کو انسان کے ساتھ جینے کا طریقہ سکھایا، مردہ ضمیر کو بیدار کیا، حق کی آواز کو بلند کرنا سکھایا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جلیل القدر تصنیف ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں ماقبل اسلام کی اس صورت حال کی پوری تصویر کھینچی ہے، وہ فرماتے ہیں:-

”صدیوں سے آزادانہ حکومت کرنے اور دنیا کی لذتوں میں منہمک رہنے، آخرت کو یکسر بھول جانے اور شیطان کے دام ترویج میں آجانے کی وجہ سے ایرانیوں اور رومیوں نے زندگی کی آسانیاں اور سامان زیست میں بڑی موشگافی اور نازک خیالی پیدا کر لی تھی، وہ ہر قسم کی ترقی اور نفاست میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے اور فخر کرتے تھے، دنیا کے مختلف گوشوں سے ان سرگرمیوں میں بڑے بڑے اہل ہنر اور اہل کمال جمع ہو گئے تھے جو اس سامان آرائش و راحت میں نزاکتیں پیدا کرتے تھے اور نئی نئی تراش خراش نکالتے تھے، چنانچہ ان پر فوراً عمل شروع ہو جاتا تھا اور اس میں برابر اضافے اور جدتیں ہوتی رہتی تھیں اور ان باتوں پر فخر کیا جاتا تھا، زندگی کا معیار





## تبلیغ و دعوت انسانیت کی مسیحا

تاریخ عالم شاہد ہے کہ اسلام نے عالمی سطح پر ملی قیادت کا فریضہ انجام دیا، ڈوبتے سفینہ کو ساحل مراد تک پہنچا دیا، روتی، بلبلائی، دم توڑتی انسانیت کے ظلم و کرب کو ختم کیا اور اسے اعلیٰ مراتب سے سرفراز کیا، اسلام کا یہ انقلابی عمل ایسے وقت میں وقوع پذیر ہوا، جب انسانیت ظلم و بربریت سے کراہ رہی تھی، ایک خاندان کے گئے چنے افراد پورے مجموعہ انسانی پر اپنا حکم و تسلط جمائے ہوئے تھے، ان کے ساتھ گدھے اور کتے کا سا برتاؤ کرتے تھے، اور ان کو تفریح طبع کا سامان سمجھتے تھے، اسلام کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے انسان کو انسان کے ساتھ جینے کا طریقہ سکھایا، مردہ ضمیروں کو بیدار کیا، حق کی آواز کو بلند کرنا سکھایا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جلیل القدر تصنیف ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں ماقبل اسلام کی اس صورت حال کی پوری تصویر کھینچی ہے، وہ فرماتے ہیں:-

”صدیوں سے آزادانہ حکومت کرنے اور دنیا کی لذتوں میں منہمک رہنے، آخرت کو یکسر بھول جانے اور شیطان کے دام تزویر میں آجانے کی وجہ سے ایرانیوں اور رومیوں نے زندگی کی آسانیاں اور سامان زیست میں بڑی موشگافی اور نازک خیالی پیدا کر لی تھی، وہ ہر قسم کی ترقی اور نفاست میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے اور فخر کرتے تھے، دنیا کے مختلف گوشوں سے ان مرکروں میں بڑے بڑے اہل ہنر اور اہل کمال جمع ہو گئے تھے جو اس سامان آرائش و راحت میں نزاکتیں پیدا کرتے تھے اور نئی نئی تراش خراش نکالتے تھے، چنانچہ ان پر فوراً عمل شروع ہو جاتا تھا اور اس میں برابر اضافے اور جدتیں ہوتی رہتی تھیں اور ان باتوں پر فخر کیا جاتا تھا، زندگی کا معیار

آج انسانی سوسائٹی پر مادیت کا جو جال پھیلا ہوا ہے اور چہار داگ عالم میں اس سے جو شور بپا ہے اس سلسلہ میں اگر ہم فکر و تامل سے کام لیتے ہوئے انسان کی زبوں حالی و خستہ سامانی کے اسباب و عوامل تلاش کریں تو لازمی طور پر مادیت ہی کو اصل سبب قرار دینا ہوگا، چنانچہ آج کا متمدن انسان اسی طرح پریشان و حیران ہے جس طرح دور جاہلیت میں تھا، اسکی اس پریشانی و بد حالی کے چہرے اور نام بدل گئے ہیں، ورنہ جہاں تک ظلم و جور، شقاوت و عذاب، تشدد و سرکشی کا سوال ہے وہ آج بھی اسی طرح ہے جیسے زمانہ اسلام سے ماقبل تھا، چاہے وہ تہذیب و ثقافت کے نام پر ہو، یا خوشحالی و معیار زندگی کے اعلیٰ ہونے کی بنیاد پر۔

آپ خود دیکھتے ہیں کیا آج کالے اور گورے کے درمیان جنگ بپا نہیں؟ کیا طبقاتی تفاوت آج نہیں پایا جاتا؟ کیا عیش و تنعم میں پلنے والا اور اعلیٰ عہدہ دار طبقہ اپنی دولت و مال کی بنیاد پر اتراتا ہوا نظر نہیں آتا؟ کیا رنگ و خون، نسل و خاندان کا امتیاز آج بھی باقی نہیں ہے؟ کیا کمزور طبقہ کو ایک ادنیٰ غلام کی سی زندگی آج گذارنی نہیں پڑتی؟ کیا مزدور و پیشہ ور طبقہ صرف ایک لقمہ عیش کے لئے محنت و مشقت برداشت نہیں کرتا؟ کیا یہ سب روم و فارس کی تہذیب و ثقافت اور طرز معاشرت سے بڑھ کر ہمارے علم و فن اور عقل و فلسفہ کے تمدن و کلچر میں نہیں پایا جاتا؟ کیا ایک کمزور و ناتواں انسان سے اس کا حق زندگی نہیں چھینا جاتا؟ کیا اس کو تپتی ہوئی آگ اور لوہے پر نہیں لٹایا جاتا؟ کیا اس کی کھال بکری اور اونٹ کی طرح نہیں کھینچی جاتی؟ اور اس کو ذلیل و رسوا نہیں کیا جاتا؟ کیا ایک لاڈلے بچے کو اس کی ماں، اور شوہر کو بیوی اور اولاد کو والدین کے سامنے نہیں ذبح کیا جاتا؟ اس طرح کی کتنی مثالیں ہیں جو آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس متمدن دنیا میں آج ظلم و جور، ذلت و رسوائی، جرائم و تشدد، طمع و حرص، جھوٹ و دغا کی فضا جس قدر عام ہے اسلام سے پہلے زمانہ میں اس قدر عام نہ تھی، دور جاہلی کا انسان اتنے سخت حالات سے دوچار نہ تھا جتنا کہ آج کا متمدن (Civilized) شخص تمدن و فن کی وجہ سے دوچار ہے، آج تو یہ حال ہے کہ ظلم و شقاوت، غلام و تابعدار بنانے، حقوق کی پامالی کرنے، بے عزتی و آبروریزی کو ایک بہت بڑا کامیاب فن سمجھا جانے لگا، نیز دینی و اخلاقی لبادہ

اوڑھ کر اس کی آڑ میں لوگوں نے جو ڈھونگ رچا رکھا ہے یہ بھی آج ایک کامیاب فن ٹھہرا۔ ان نامساعد حالات میں جس تیزی کے ساتھ اخلاقی، دینی اور انسانی اقدار سے انحراف ہو رہا ہے دراصل اس کی وجہ خواہشات نفس اور غلط آرزوؤں کی تکمیل ہی ہے، اس صورت حال نے موجودہ زندگی پر فلسفہ، علم و نظریات کی کئی شکلیں پیدا کر دیں اور اس پر بحث کرنے والوں نے عقل و فکر کی بنیاد پر خیال آرائی اور نکتہ چینی سے طرح طرح کے افکار کو جنم دیا جس سے عیش پرستوں کا مقام (Credit) اور بلند ہو گیا، یہ عیش پرستی، ناز و نعم انہیں افکار و نظریات کا نتیجہ ہے۔

اب غور و فکر کرنے کی بات ہے کہ یہ بگاڑ کیسے دور ہو، یہ صرف امید و آرزو اور فلسفہ اسلام کو پیش کر دینے اور قلم و زبان سے برائیوں و اچھائیوں میں فرق کر دینے سے ہرگز دور نہیں ہو سکتا، بلکہ اس بیمار سوسائٹی کی مسیحائی کے لئے تبلیغ و دعوت کے ساتھ ساتھ قول و فعل میں مطابقت پیدا کر کے اسلامی سیرت کو واضح و متفق شکل میں پیش کرنے کی ضرورت ہوگی، جب تک ہمارے قول و عمل میں تضاد ہے اس وقت تک یہ فساد و بگاڑ ختم نہیں ہوگا۔

اسلام ہم سے یہی چاہتا ہے اور یہی اس کا مقصد بھی ہے، اس سے پہلے مسلمانوں کو اتنے سخت حالات کا مقابلہ نہیں تھا، جتنا آج ہے، اور خاص کر پندرہویں صدی ہجری تو طرح طرح کے چیلنج لے کر نمودار ہوئی، ایسے وقت میں ہمارا خاموش بیٹھنا یقیناً آیت قرآنی ”وَلَسْكَنَ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ“ کے منافی ہوگا۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم علم و عمل کے ہتھیار سے لیس ہو کر اس ستم رسیدہ انسانیت کو اس کا سبق یاد دلائیں، قرآن پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں کو عمل پر ابھارنے کی تاکید کی گئی ہے نوید قرآنی ہے، ”وَقُلْ أَعْمَلُوا بِمَا أَمَرَ اللَّهُ بِكُمْ وَتَرَوْهُ مُقْبِلًا“ (توبہ: ۱۰۵)۔ آپ کہہ دیجئے کہ (جو چاہو) عمل کرو، سوا بھی دیکھ لیتا ہے تمہارے عمل کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور اہل ایمان۔





## دعوت اسلامی اور اس کے نتائج

دینی دعوت ہی انسانیت کی ہدایت کا پیغام اور اس کے تحفظ و بقا کی مدعی اور ضامن ہے، وہ اخلاق و روحانیت، خدمت خلق اور نفع رسانی کا اعلیٰ نمونہ ہے اور انسانیت کی نشوونما اور تہذیبی و اخلاقی ارتقاء کا انحصار اسی پر ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جب داعیان اسلام اور ہادیان انسانیت کے اندر دینی دعوت کی اشاعت و ترویج عام ہوتی ہے اور شعور و احساسات کی چنگاری بھڑکنا شروع ہوتی ہے تو عام طور پر سادہ لوح عوام کے اندر بھی جذبہ ایمانی موجزن ہوتا ہے اور وہ ان کے دوش بدوش اور شانہ بہ شانہ چلنے کے لئے تیار ہوتے ہیں، جس کے نتائج اس طرح ظاہر ہوتے ہیں کہ غیر شعوری طور پر دعوت کی موافقت، اور دعوتی سرگرمیوں کا اہتمام شروع ہوتا ہے، علمائے اسلام اور مفکرین کی طرف سے بھی دینی افکار و خیالات اور علمی نظریات کی تائید ہونے لگتی ہے، کیونکہ علماء ہی اپنے طرز بیان اور بلیغ اسلوب سے اسلامی تحریک کو پروان چڑھا سکتے ہیں، اور مادہ پرستی ان کی راہوں میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

یہ ان داعیان حق اور مفکرین اسلام کے اخلاص، ایثار نفس، اور علمی و عملی قربانی کا ثمرہ ہے کہ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کا کوئی قطعہ ارض ایسا نہیں، جہاں اسلام کے اس انقلاب عظیم نے ظاہری اور حسی طور پر کوئی انقلاب اور تبدیلی نہ پیدا کی ہو اور صحیح اسلامی تعلیمات کی روح و معنویت منظر عام پر نہ آئی ہو۔

جہاں تک حقائق اور مشاہدات کا تعلق ہے تو پورے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ مہذب

غیر مسلم بھی اسلام کی تاثیر نفس، روشن ضمیری، قوت جاذبیت اور مقناطیسی کشش کا لوہا مانتے ہیں اور بہت سی تہذیبی و تمدنی مشکلات و مسائل کا حل اور ظاہری و باطنی امراض کا علاج سوائے اسلام کے دیگر مذاہب و ادیان میں نہیں پاتے، یہ اسلام کی منفرد اور ممتاز خصوصیت ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ اسلام اس ضمیر فروشی، اصول فروشی اور اخلاقی انحطاط کے دور میں بھی مینارۂ رشد و ہدایت بنا ہوا ہے اور آفتاب اسلام روز اول سے اب تک اسی طرح روشن اور تابندہ ہے، یہی وجہ ہے کہ جاپان اور یورپ و افریقہ کے بعض علاقوں میں جہاں پر اخلاقیات و صداقت، غیرت و عزت، شرافت و خود داری اور انسانیت مرچکی تھی، دعوتی سرگرمیوں، اور کوششوں سے غلامی و عبودیت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے لوگوں کی ایک خاص تعداد اسلام اور تعلیمات اسلام کی متقا و مطیع ہو گئی، اور اسلامی تعلیمات اور دینی احکامات سے روشناس ہوئی، اس راز کو ہر سلیم الطبع اور صاحب عقل و فہم انسان سمجھ سکتا ہے کہ اسلام نے حق و باطل، حلال و حرام، کفر و ایمان اور جسم و روح میں فرق، اور خالق و مخلوق اور حاکم و محکوم کے باہمی ربط و تعلق، اور سعادت و شقاوت کی راہوں کی نشاندہی میں افراط و تفریط سے کام نہیں لیا ہے:

وَأَنْ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السَّبِيلَ فَتَنُفِرَ بَكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ  
ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ، (انعام: ۱۵۳)

**ترجمہ:** یہ میرا سیدھا راستہ ہے، تم اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر مت چلو کہ تم کو اس کے راستہ سے الگ کر دیں، اس نے تم کو اس کا حکم دیا ہے تاکہ تم پر ہیزگار ہو جاؤ۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: خذ ما صفا، دع ما کدر (صاف اشیاء کو لو اور نا صاف کو ترک کر دو)  
اس کے برعکس مادیت اور غیر اسلامی تہذیب نے انسان کی فطری صلاحیت عقل و فراست اور وجدان کی کیفیت کو کالعدم کر دیا ہے جس سے صواب و نا صواب میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔

تاریخ گواہ ہے کہ اسلامی تقویم میں ایک ایسا دل سوز دور بھی گزر رہا ہے جس میں دینی دعوت اور اسلامی نظریات و افکار کی راہوں پر کانٹے اور خاردار جھاڑیاں بچھائی جاتی تھیں تاکہ متبعین حق کے دامن چاک ہو جائیں، لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ جسمانی و روحانی قربانیاں پیش کرنے اور مصائب

و آزمائشوں سے زور آزمائی میں کبھی مسلمانوں کے قدم نہیں ڈگ گئے، بلکہ نہایت ہی بشاشت، خوشدلی اور جذبہ ایمانی کے ساتھ سر بکف میدان میں آ گئے، اس یقین کے ساتھ کہ

اے دل! تمام نفع ہے سودائے عشق میں

اک جان کا زیاں ہے سوا یا زیاں نہیں

بڑی مسرت کی بات ہے کہ دعوت اسلامی کے دائرے اور حدود وسیع سے وسیع تر ہوتے جا رہے ہیں، ہر ملک و ملت میں عالمی پیمانے پر اسلامی تعلیمات اور اخلاق و فضائل کی نشر و اشاعت کیلئے دینی و اسلامی مراکز اور تعلیم گاہیں قائم ہو رہی ہیں، مغرب میں بطور خاص بیداری کی مہم شروع ہو گئی ہے، وہاں بہت سی انجمنیں تعلیمی ادارے اور اسلامی مدارس موجود ہیں، تعلیمات اسلام اور تبلیغ دین کے لئے بہت سے اسباب و عوامل مہیا ہیں، اسی طرح افریقہ، امریکہ، اور براعظم ایشیا بھی دینی و علمی ارتقاء میں اہم حیثیت رکھتے ہیں، لیکن افسوس اس کا ہے کہ اسلامی دعوت اپنی حدود و دائرے کی وسعت کے باوجود روحانی اخلاص، دینی حکمت عملی اور فنائیت کے میدان میں بہت پیچھے ہے، اور اطاعت و فرمانبرداری، استقامت، ثبات قدمی اور جاں نثاری کی چھاؤں ڈھلتے ڈھلتے مفاد پرستی، خود غرضی و مصلحت بینی کی دھوپ و تپش میں تبدیل ہو رہی ہے۔ حالانکہ ایک پاک نفس داعی اور بے لوث مصلح کے لئے جس کے دل میں عشق الہی کی چنگاری سلگ رہی ہو، ضروری ہے کہ دنیا کے ساز و سامان سے بے فکر اور بے لوث ہو کر ایمان و یقین، علم و عبادت، اطاعت و فرمانبرداری کی بنیاد پر اس کی دعوتی زندگی کی عمارت قائم ہو، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ عصر حاضر کی مادیت کے فاسد افکار و عناصر نے دعوت دین اور تبلیغ اسلام کے وسیع دائرہ کار میں عیش طلبی، آرام پسندی اور تن آسانی کی راہوں سے داخل ہو کر داعیان اسلام اور فریضہ دعوت و تبلیغ کے درمیان ایک وسیع خلیج پیدا کر دی ہے، جس کی وجہ سے جاں بازی، مہم جوئی اور دین کی راہ میں خطر پسندی، حوصلہ مندی، خود اعتمادی و خود شناسی نیز مصائب و مشکلات پر صبر و رضا اور ثبات قدمی کے اوصاف محض داستان پارینہ بن کر رہ گئے ہیں اور منکرات و معاصی اور احکامات خداوندی کی اعلانیہ نافرمانی اور سرتابی جیسی برائیاں عام ہو رہی ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر جیسے اہم

فریضہ سے لاپرواہی و تساہلی علمائے حق کے درمیان عام ہوتی جا رہی ہے، حالانکہ دینی و اخلاقی دعوت کا جملہ رذائل اور منہیات و محرمات سے منزہ اور پاک ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ دعوت کا کام اس کے بغیر اچھے نتائج نہیں پیدا کر سکتا، اسی طرح ہر داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ دعوت کا حامل ہو، اہم خصوصیات، یعنی غیر متزلزل یقین، اسلام سے وفاداری، سرفروشی و قربانی کا شوق، ایثار و خودداری، محنت و جاں بازی کا جذبہ اس کے دل میں موجزن ہو۔

چرب زبانی اور لن ترانی کے بجائے جدوجہد، حسین خوابوں اور تمناؤں کے بجائے حقائق پر اعتماد کامل ہو، اور ہر داعی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی قوم و ملت کے افراد کو اپنے کمزور پہلوؤں کو دیکھنے، اپنی بیماریوں کو سمجھنے اور اپنا اور اپنے قائدین کا احتساب کرنے کی دعوت دے کہ قومیں اور ملتیں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتیں۔

دعوت کا یہ فریضہ خواہ کتنا ہی دشوار، اور ناخوشگوار ہو، خواہ کتنا ہی تلخ اور جاں گسل ہو اور وہ کتنی ہی تنقیدات و ملامت کا تختہ مشق بنا ہوا ہو، مگر ایک داعی کے لئے ایک دینی فریضہ، ایک آشنائے حقیقت کے لئے اداء شہادت اور ایک دردمند معالج کے لئے ضروری عمل جراحی کے مترادف ہے۔  
ومن أحسن قولاً ممن دعا إلى الله وعمل صالحاً وقال إنني من المسلمين  
(فصلت: ۳۳)

**ترجمہ:** اور اس سے زیادہ بھلی بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔





## دعوت اسلامی اور استحصال پسند عناصر

دنیا میں مختلف حصوں اور علاقوں میں کی جانے والی دعوت اسلامی کی کوششوں اور سرگرمیوں پر جن لوگوں کی نظر ہوگی، اور جو لوگ دعوت اسلامی کے کاموں سے دلچسپی رکھتے ہوں گے وہ اس بات سے ناواقف نہیں ہیں کہ اس معزز اور وسیع میدان میں کی جانے والی کوششوں کا دائرہ عمل کتنا وسیع ہے، دنیا کے اندر جو قابل قدر وسائل و ذرائع اس وقت موجود ہیں، دعوت اسلامی سے دلچسپی رکھنے والے حلقوں نے اپنی ذمہ داری کی ادائیگی، اپنے پیغام کی نشر و اشاعت اور انسانی معاشروں میں دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں ان تمام وسائل سے مکمل فائدہ اٹھایا، اسی طرح دعوت اسلامی کے کام کو ان علماء کرام اور داعیان اسلام سے مدد ملی جنہوں نے اپنے پاکیزہ افکار اور واضح اور موثر اسلوب کے ذریعہ دعوت اسلامی کے کام کو آگے بڑھایا، اور بغیر کسی مادی اور دنیاوی منفعت کے مخلصانہ طریقہ سے اپنی ساری فکری و ذہنی طاقتوں اور صلاحیتوں کو دعوت کی خدمت میں صرف کیا۔

ان اسلام پسند مفکرین کے اخلاص کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر حلقہ میں دعوت اسلامی کی مقبولیت بڑھتی گئی، اور دنیا کے ہر ملک میں ایک دستور حیات کی حیثیت سے اسلام کے مطالعہ سے دلچسپی روز افزوں ہوتی گئی اور غیر مسلم تعلیم یافتہ حضرات میں سے ایک بڑی تعداد نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ نوع بنوع مشکلات جن سے موجودہ انسان دوچار ہے ان کا صحیح حل اسلام کی تعلیمات ہی میں ہے، اور خصوصاً جب کہ انسانوں کے خود ساختہ، ان گنت نظامہائے حیات ان مشکلات کے حل کرنے اور ان مسائل کا تشفی بخش جواب دینے میں ناکام ہو گئے، اسلام کی تعلیمات کو اس طرح مدلل اور اطمینان بخش انداز میں پیش کرنے کا اثر یہ ہوا کہ جاپان اور دوسرے مغربی اور افریقی ممالک کی

ایک بڑی تعداد حلقہ بگوش اسلام ہوگئی، یہ وہ علاقے ہیں جہاں دعوت اسلامی سرگرم عمل ہے، اور ظلم و غلامی کے زیر سایہ زندگی گزارنے والوں اور انسانوں کے خود ساختہ ظالمانہ نظاموں کے ستائے ہوئے لوگوں میں امید کی روح پھونک رہی ہے۔

داعیان اسلام کی کوششیں ہر سطح پر بار آور ثابت ہوئیں، اور ہر معاشرہ میں دین کی ضرورت و اہمیت کا احساس پیدا ہو گیا، کیونکہ موجودہ مادیت زدہ تہذیبی حملہ کے نتیجہ میں لوگ زندگی سے متنفر اور پریشان حال ہو گئے ہیں، اس مادی اور تہذیبی حملہ نے انسان کو اطمینان قلب کی دولت سے محروم کر دیا، اور ایسے تہذیبی اور مصنوعی وسائل و اسباب کا ڈھیر لگا دیا جس نے انسان کے اندر زندگی سے نفرت کا احساس پیدا کر دیا اور انسان کو ایک بے جان مشین بنا دیا، لیکن مذہب نے ان انسانوں کے سامنے زندگی کی اہمیت بیان کی، اور اس کو سعادت و شقاوت کے طریقے سے آگاہ کیا، اور اس کے لئے جنت و جہنم کے راستے کی نشاندہی کی، اللہ تعالیٰ نے کارشاد ہے:

”وَأَنْ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السَّبِيلَ فَتَفْرَقَ بَكُمُ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَضَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ“ (انعام: ۱۵۳)

**ترجمہ:** یہ میرا سیدھا راستہ ہے، تم اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر مت چلو کہ تم کو اس کے راستہ سے الگ کر دیں، اس نے تم کو اس کا حکم دیا ہے تاکہ تم پر ہیزگار ہو جاؤ۔

اور چونکہ دعوت اسلامی ایک راہ پر خار ہے، جس میں بڑی قربانیوں اور جاں فشانیوں کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے داعیوں کو ہمیشہ طرح طرح کے مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، چنانچہ انہوں نے پہلے ہی سے خود کو اس کے لئے تیار کر لیا اور راہ خدا میں جان و مال کی ہر ممکن قربانی پیش کی، جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں کو کھول دیا اور ان کے لئے ایسے اسباب و وسائل مہیا کئے جن سے مطلب و مقصود تک پہنچنے میں ان کو مدد ملی، ان کی آواز دلوں میں اتر گئی اور چٹانوں کو پھاڑتے ہوئے، سمندروں کو پار کرتے ہوئے اور بیابانوں سے گذرتے ہوئے دور دراز قوموں تک پہنچ گئی، اس طرح ان کے پاس ایسے لوگوں کی ایک بڑی تعداد جمع ہو جاتی ہے،

جوان کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں، ان کے جھنڈے تلے جمع ہو جاتے ہیں، اور دعوت و تبلیغ کے کام میں ان کی مدد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَلَنُكْنِ مِنْكُمْ أُمَّةً يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ“۔ (آل عمران: ۱۰۴)

ترجمہ: تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو بھلائی کی دعوت دے، نیکی کا حکم کرے، برائیوں سے روکے اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

دعوت اسلامی کی ماضی کی تاریخ میں ہمیں جانے کی کوئی ضرورت نہیں، دعوت کی موجودہ تاریخ ہمارے لئے کافی ہے، جو داعیوں کی حکمت، تفقہ فی الدین اور راہ حق میں قربانی و شہادت کے جذبات کی داستانوں سے پڑ ہے، ان داعیان کرام نے اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کر لیا تھا کہ ”یا جاں رسد، بجاناں، یا جاں زتن بر آید“، ان مخلص داعیوں نے اپنی دعوتی خدمت پر کوئی مادی معاوضہ قبول نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ اخلاص کے ساتھ ان کی نگاہیں آخرت میں اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر لگی رہیں، اور انہیں پاکیزہ جذبات و محرکات کے زیر سایہ ان کے معاونین اور متبعین کی تربیت ہوئی، اس دعوتی کام سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے، ان کو طاعت الہی اور اطاعت رسول کی توفیق ملے، اور انھیں بڑی کامیابی حاصل ہو جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں کیا ہے:-

”وَمَنْ يَطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا“ (احزاب: ۷۱)۔

ترجمہ: جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے، تو اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی۔

داعیان اسلام انہیں کے نقش قدم پر چل پڑے، اور انہوں نے قسم کھالی کہ دعوت کے اس مخلصانہ عمل میں جو دنیا و آخرت کی سعادت کا ضامن ہے پوری طاقت صرف کر دیں گے اور کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔

إن الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل عليهم الملائكة ألا تخافوا ولا تحزنوا وأبشروا بالجنة التي كنتم توعدون نحن أولياؤكم في الحياة الدنيا وفي الآخرة. (فصلت: ۳۰، ۳۱)

**ترجمہ:** یقیناً جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ جم گئے، ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ خوف مت کھاؤ اور نہ ہی غمگین ہو، اور اس جنت کی بشارت لو، جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا تھا، دنیاوی زندگی، اور آخرت میں ہم تمہارے مددگار ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دعوت اسلامی کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، اور حکومتوں اور قوموں کی سطح سے بلند ہو کر عالمی سطح پر اسلام سے دلچسپی بڑھتی گئی، تقریباً ہر ملک کے عوامی حلقوں، سرکاری حلقوں، یونیورسٹیوں اور علمی اداروں میں اسلام کے مطالعہ اور دعوت کی نشر و اشاعت کے مراکز قائم ہو گئے اور تنہا یورپ میں یہ سرگرمیاں بہت زیادہ پائی گئیں، جہاں لاتعداد اسلامی انجمنیں، مراکز، ادارے اور مدرسے قائم ہیں، اسی طرح افریقہ، امریکہ اور ایشیا میں اس وقت اسلام کے مطالعہ اور اسلام کے پیغام کی تبلیغ، اور دعوت اسلامی کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں وسیع پیمانے پر وسائل اور دیگر سہولیات فراہم ہیں۔

لیکن دعوت کے دائرہ عمل کی وسعت کے ساتھ ساتھ داعیوں کے اندر اخلاص و سرفروشی، استقامت و اطاعت کے جذبے سرد پڑنے لگے اور ان کی جگہ سستے قسم کے اغراض اور دنیاوی حرص و طمع نے لے لی، اور داعیوں کی صفوں میں ایسے لوگ گھس پڑے جو دعوتی تربیت سے عاری تھے اور عملی میدان اور زندگی کے حالات کے سلسلے میں انہوں نے کوئی رہنمائی حاصل نہیں کی تھی، انہوں نے دوسرے علمی نظریات اور خود ساختہ نظاموں کے مقابلہ میں محض ایک دستور حیات اور ایک نظریہ کی حیثیت سے اسلام کا مطالعہ کیا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی دعوت علم و عمل کے دو حصوں میں منقسم ہو گئی، جس نے چاہا علمی پہلو کو اختیار کر لیا اور اسی پر بس کر لیا، اور پوری طاقت و قوت فکر اسلامی کے مطالعہ پر مرکوز کر لی اور عملی پہلو پر قطعاً کوئی توجہ نہ دی۔

فطری بات ہے کہ دعوت کی نظر میں یہ بات پسندیدہ نہیں ہو سکتی، اور دین کا مزاج اس کو کبھی گوار نہیں کر سکتا، اس دین کی بنیاد تو ایمان و عمل، تفقہ و اخلاق، علم و عبادت، اور یقین و اطاعت پر ہے، دعوت اسلامی کو ان لوگوں سے کیا فائدہ پہونچ سکتا ہے، جو علم و یقین پر اکتفا کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بنیادی عقائد پر ایمان ہی اس بڑی کامیابی کا ضامن ہے جس کی طرف قرآن کریم نے متعدد جگہوں پر اشارہ کیا ہے، اور جس کے بارے میں صراحت کی ہے کہ یہ کامیابی اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت و اتباع کا ثمرہ ہے۔

اگر دعوت اسلامی کی یہی تشریح ہے کہ اس میں عمل و عبادت، امر و نہی، حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا مطلب ہوگا ”کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنہون عن المنکر وتؤمنون باللہ“ (آل عمران: ۱۱۰)

ترجمہ: تم بہترین قوم ہو، جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے، تم نیکی کا حکم کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا کیا مطلب ہوگا؟ کہ جو کوئی تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے، اگر ایسا نہ کر سکے تو اپنی زبان سے، اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اپنے دل سے، اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہوگا: ”اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم نیکی کا حکم ضرور کرتے رہو، اور برائی سے ضرور روکتے رہو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر اپنی طرف سے کوئی سزا مسلط کر دے تو تم دعا کرو گے اور دعا قبول نہیں ہوگی۔“ صرف یہی نہیں بلکہ قرآن شریف کی ساری تعلیمات جہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دعوت سے پڑ ہیں، ان میں سب سے پہلے ایمان و عمل صالح کا مطالبہ کیا گیا ہے اور یک وقت دونوں پہلوؤں کے جمع کرنے کی دعوت دی گئی ہے، جب تک دعوت و تبلیغ کے ذمہ

دار اس اہم اصول پر قائم رہیں گے اور سارے معاملات میں اور ہر موقع پر اس کو مضبوطی سے تھامے رہیں گے، ان کی کوششیں بار آور ثابت ہوں گی، عوام و خواص ان کی دینی زندگی سے واقف ہوں گے اور ساری خواہشات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات کے تابع ہو جائیں گی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش اس چیز کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔“

زمانہ کے ساتھ ساتھ دعوت اسلامی کے دائرہ عمل میں وسعت پیدا ہوتی گئی، اور کلمہ اسلام لوگوں کے دلوں کو متاثر کرتا رہا، دعوت کے میدان میں بہت سے طریقے اور وسائل سامنے آئے، اسی طرح دعوت کو ایسے اعوان و مددگار بھی ملتے رہے، جنہوں نے دعوت کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں ان تمام وسائل و اسباب کو اختیار کیا جس کا استعمال موجودہ زمانہ میں کسی بھی نظریہ کی اشاعت کے لئے ضروری ہے۔

لیکن دین کی تفہیم و تشریح کے سلسلہ میں دعوتی حلقوں میں نئے نئے نظریات و خیالات سامنے آئے اور اسلامی دعوت کے میدان میں ایسے عناصر داخل ہو گئے جو فکر و تربیت میں پختہ نہیں تھے، ان کو وہ حلقہ نہیں ملا تھا جس کے زیر تربیت اس اہم کام اور عظیم ذمہ داری کی ادائیگی کا طریقہ معلوم کرتے ان کو اس کا بھی علم نہیں تھا کہ داعی کو ورع و تقویٰ کے رنگ میں کس طرح رنگ جانا چاہئے، اور نہ ان کو یہ معلوم تھا کہ داعی کی زندگی میں عفت و پاکدامنی کی کیا اہمیت ہے۔ وہ دعوت کا استحصال کرنا چاہتے تھے، ان کی خواہش تھی کہ مادی منافع سے لطف اندوز ہوں اور ذاتی فوائد حاصل کریں، ان کو اس کی بھی فکر نہیں کہ اس سے دعوت کا کام کس قدر متاثر ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں بہت سی دینی جماعتوں اور اسلامی تحریکوں کو ایسے عناصر کی جانب سے استحصال کی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا، جن کو اخلاص کے ساتھ دعوت کا کام کرنے کی اس قدر فکر نہیں تھی، جس قدر مادی فوائد اور سستے پروپیگنڈے کے حصول کی فکر تھی، ان کو اللہ کے کلمہ کی سربلندی سے اتنی دلچسپی نہیں تھی، جتنی اپنے سرمایہ کے بڑھانے سے تھی، یہ عناصر شخصی مفاد

اور ذاتی بجٹ کو بڑھانے کے لئے ہر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ان میں سے بعض افراد کبھی جماعت کے کسی اہم عہدہ پر فائز ہوتے ہیں، بعض افراد جماعت کی کسی شاخ کے ممبر یا کارکن ہوتے ہیں، کچھ لوگ کسی خاص دائرہ میں رہ کر استحصال کرتے ہیں، اور دعوت کے سائن بورڈ اور مشہور علماء کے ناموں کو اپنی کسی مخصوص اسکیم کی تکمیل یا کسی ایسے معمولی فائدے کے حصول کے لئے استعمال کرتے ہیں، جو دعوت کے مفاد سے ٹکراتا ہو، مثلاً وہ چاہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ کسی اہم ادارہ میں کوئی ملازمت حاصل کر لیں۔

دعوت کے میدان میں کام کر نیوالے بعض مخلص حضرات نے اس خطرناک صورت حال پر تشویش ظاہر کی ہے، اور کہا کہ اس قسم کے ناپختہ عناصر کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے، لیکن ان کے سلسلہ میں دعوت کے ذمہ داروں کے اعتماد اور مسلم عوام کی ہمدردی میں کوئی کمی نہیں ہو رہی ہے، کیونکہ صحیح حالات سے صرف ایک قلیل تعداد کو واقفیت ہے، جسے اس تنظیم، یا کمیٹی یا ادارہ میں کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔

ان کا یہ استحصال محض مادی بنیادوں پر ہے، اسلامی اخلاق و فضائل سے وہ اس قدر دور ہیں کہ ایک انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا، گھر کی فضا اور ذاتی معاملات کو قریب سے دیکھنے سے ان کی صحیح صورت حال سامنے آ جاتی ہے، یہ لوگ عام اخلاق سے بھی عاری ہیں، چہ جائے کہ وہ مکرم اخلاق جن کی تکمیل اور خلق خدا کے درمیان ان کی اشاعت کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تھی۔

لوگوں کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر یہ عناصر داعیوں کی صفوں میں داخل ہو گئے، اور ان کا اعتماد حاصل کر لیا، ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ جس قدر مادی فوائد ہوں ان کے حصول سے دریغ نہ کیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ اس دینی کام اور داعیوں کی مخلصانہ جدوجہد کی بنیاد پر خفیہ حملہ کیا جائے، اور اسلامی مراکز اور دینی جماعتوں میں کام کرنے والے لوگوں کو بدنام کیا جائے، یہ لوگ سلام دشمن اور تفریق بین المسلمین کیلئے کوشاں تحریکیوں اور خفیہ اداروں کے مفاد کی خدمت

کرتے ہیں۔

دعوت کے کام کرنے والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان عناصر کی تحقیق و تفتیش کریں، یہ عناصر مختلف سطحوں پر دعوت اسلامی کا استحصال کرتے ہیں، علماء اور داعیان کرام کو بدنام کرتے ہیں، اور اسلام کو ذاتی مفاد کے تابع بنا کر اور شخصی منافع کے لئے دعوت کا نام لیکر مسلمانوں کے دلوں سے دعوت کی عظمت و ہیبت کو نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

داعیان کرام کی ذمہ داری ہے کہ اپنی صفوں کو ہر طرح کے غلط عناصر سے پاک کریں اور دینی جماعتوں کے خراب اعضاء کو جسم سے الگ کر دیں، تاکہ مرض جسم کے دوسرے حصوں میں پھیلنے نہ پائے۔





## شریعت اسلامی کے نفاذ کی طرف\*

مختلف اقسام کے باطل نظریات اور ناقص نظام، انسانی مسائل کو حل کرنے میں ناکام ثابت ہو رہے ہیں، اگرچہ کوشش اس بات کی جاتی ہے کہ ان نظریات کی خامیاں اور ان کے عیوب لوگوں پر ظاہر نہ ہوں، پھر بھی ان کے عیوب اور خامیاں اب پوشیدہ نہیں رہیں۔

ان باطل نظریات کا بغور مطالعہ اور تجزیہ کر لینے کے بعد بڑی تعداد میں مسلمان اسلام کی طرف پلٹ کر آ رہے ہیں، خصوصاً وہ مسلمان جو کہ اسلام کے مستقبل کے بارے میں طرح طرح کی خیال آرائیاں کیا کرتے تھے، ان کو اب یہ موقع ملا ہے کہ وہ اسلام سے اپنے تعلق کو نئے سرے سے استوار کریں اور اسلامی نظام حیات کا بغور مطالعہ کریں۔

آج جب کہ ہر جگہ بدعنوانیوں کا بازار گرم ہے، نسل انسانی تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے، ایسے نازک وقت میں بھی ہر جگہ اسلامی بیداری کے آثار نمایاں ہیں، اس کا اثر صرف مخصوص کافرنسوں، یا علمی حلقوں تک نہیں ہے، بلکہ پورا عالم اس سے متاثر ہے، کسی حد تک بڑی تعداد میں حکمران طبقہ بھی اس سے متاثر نظر آ رہا ہے۔

چاہے افغانستان کا جہاد ہو، یا پاکستان اور سوڈان میں شریعت اسلامی کے نفاذ کے لئے جدوجہد، سب اسلامی بیداری کا نتیجہ ہے۔

پانچ سال سے بھی طویل مدت سے دنیا کی ایک عظیم طاقت سے برسرِ پیکار رہنا، ہنستے کھیلتے موت کو گلے لگا لینا، یہ اور اس طرح کے اعمال اس بات کی دلیل ہیں کہ روس کے خلاف افغانستان \* سوڈان میں اسلامی انقلاب کے موقع پر یہ مضمون لکھا گیا اور پندرہ روزہ تعمیر حیات کے شمارہ ۱۰/۱۲/۱۹۸۴ء میں شائع ہوا۔

کی جنگ دراصل اسلامی جہاد کی ایک قسم تھی، کیونکہ جس جرأت، شجاعت اور شہادت کے لئے بیتابی کا نمونہ ہمیں اس جہاد میں ملتا ہے وہ عین اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے۔

اس بیداری کا نمونہ ہمیں کسی قدر بعض پڑوسی ملکوں میں بھی نظر آیا، جہاں اس بات کی کوشش کی جا رہی تھی کہ اسلامی شریعت کا نفاذ ہو، اور وہ صرف رسمی طور سے ہی نہیں، بلکہ صحیح معنوں میں ایک اسلامی اسٹیٹ کا نمونہ بن جائیں، اور لوگ عملی طور پر وہاں اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے لگیں۔

اسلامی بیداری کی شاندار مثال سوڈان میں بھی ملتی ہے، سوڈان ایک عرصہ سے سیاسی اور معاشی بحران کا شکار رہا ہے۔ اب اس نے اپنے لئے ایک ایسا راستہ منتخب کر لیا ہے، جس پر چل کر وہ ان مشکلات سے نجات حاصل کر سکتا ہے، کئی سال قبل سوڈان میں ایک مینٹگ ہوئی تھی، اس میں سوڈان میں اسلامی شریعت کے نفاذ کا اعلان کیا گیا، یہ مبارک اقدام ان ممالک کے لئے مشعل راہ تھا، جہاں شریعت اسلامی کا نفاذ نہیں تھا اور سوڈان کے صدر جناب جعفر نمیری اور سوڈانی عوام منزل مقصود کی طرف رواں دواں تھے، انہیں کسی بات کا خوف تھا، اور نہ ان پر کسی طرح کی دھمکی کا رگرتھی، وہ جانتے تھے کہ اسلام کے راستے میں کتنی مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں وہ ملن کا سامنا کرنے کیلئے تیار ہیں۔

جناب جعفر نمیری نے اس تاریخی اجلاس کا افتتاح ان آیتوں سے کیا تھا: أَفْغِيرَ اللَّهُ أَبْغِي حُكْمًا، وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنْزَلٌ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونُنَ مِنَ الْمُمْتَرِينَ، وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا، لَا مَبْدَلَ بِكَلِمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (انعام: ۱۱۳-۱۱۵)۔

**ترجمہ:** کیا میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو حکم بناؤں گا، جب کہ اس نے تفصیلات بیان کرنے والی کتاب اتاری ہے اور جن کو ہم نے کتاب دی وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ صداقت کے ساتھ رب ذوالجلال کی طرف سے اتاری گئی ہے، آپ شک میں بالکل نہ پڑیں، آپ کے رب کا وعدہ صدق و عدل کے ساتھ مکمل ہو چکا، اس کے فیصلوں کو کوئی بدلنے والا نہیں، وہی سننے والا اور

جاننے والا ہے۔

بعد ازیں انہوں نے ان اصولوں کا ذکر کیا جو اس اسلامی مملکت کے نئے سفر کے لئے سنگ میل کا کام کریں گے، انہوں نے کہا کہ اسلامی قوانین کا نفاذ حکومت کے تمام شعبوں میں اور اجتماعی و انفرادی طور پر کیا جائے گا، انہوں نے مزید کہا کہ عملی طور پر بعض حدیں بھی جاری کی گئی ہیں، جن سے جرائم کی تعداد میں بڑی حد تک کمی واقع ہوئی ہے، اور امن و آشتی کی فضا قائم ہوئی ہے، زکوٰۃ کا نظام نئے سرے سے اسلامی اصولوں کی روشنی میں منظم ہو کر سامنے آیا ہے، جس سے معاشی حالت میں بہتری آئی ہے۔ صدر موصوف نے مزید وضاحت کی کہ سیاسی، معاشی اور فوجی معاملات میں بھی شریعت اسلامی کی روشنی میں کام کیا جائے گا۔

یہ ایک خوشگوار تجربہ ہے، محض خیالی باتیں نہیں، یہ اٹل حقیقت ہے کہ سوڈانی عوام اور صدر جعفر نمیری سوڈان کو اسلامی مملکت بنانے کے لئے کوشاں ہیں، اس بات کو وہ باطل پرست حکومتیں کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتیں، جن کے نظریات آج پوری دنیا پر غالب ہیں، وہ نہیں گوارا کر سکتیں کہ مسلمان اسلام کی طرف متوجہ ہوں، اور اسلامی شریعت کا نفاذ ہو سکے، وہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہدایت کا راستہ بند ہو کر رہ جائے اور لوگ گمراہی میں مبتلا ہو کر زندگی گزاریں، ان لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف کتنی عداوت ہے اور وہ لوگ کتنے تنگ نظر ہیں؟! یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے، اسلام جو کہ تمام عالم کی دائمی رہنمائی کے لئے آیا ہے۔ وہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے، بلکہ اس کو اپنے لئے خطرہ سمجھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اسلام کا دائرہ کار صرف مسجد تک محدود ہے اور اسلام صرف دینی معاملات ہی میں رہنمائی کر سکتا ہے، یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی کہ اسلام علمی، سیاسی، معاشی، فوجی معاملات میں کس طرح رہنمائی کر سکتا ہے۔

اس عداوت و نفرت کا نتیجہ ہے کہ سوڈان کے اس انقلاب کے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی جا رہی ہیں، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کوئی سیاسی چال ہے، بعض کہتے ہیں کہ اسلام کے نام پر صدر جعفر نمیری بعض سیاسی مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں، بہر حال وہ کچھ بھی کہیں، حقیقت اس کے برعکس ہے، صدر جعفر نمیری نے اپنی افتتاحی تقریر ہی میں یہ بات واضح کر دی تھی کہ وہ

سوڈان کی حکومت کو کس طرح چلانا چاہتے ہیں اور خود سوڈان میں اس انقلاب سے جو اثرات مرتب ہوئے ہیں وہ اس بات کی دلیل ہیں کہ صدر جعفر نمیری اپنے ارادہ میں مخلص ہیں، وہ ایک ایسی اعلیٰ اسلامی مملکت کا قیام چاہتے ہیں جو پر امن زندگی کے خواہاں ممالک کے لئے مشعل راہ ثابت ہو۔

سوڈان کا یہ انقلاب ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کے لئے مفید ثابت ہو جو اسلام کے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرتے رہتے ہیں، کاش کہ وہ لوگ اس حقیقت کا ادراک کر لیتے کہ اسلام صرف افغانستان، سوڈان، پاکستان ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے، بلکہ ساری دنیا کی ہدایت کے لئے آیا ہے۔

”وَأَنْ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَتَّبِعُوهُ وَلَا تَّبِعُوا السَّبِيلَ فَتَفْرَقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ“ (انعام: ۱۵۳)

**ترجمہ:** یہ میرا سیدھا راستہ ہے، تم اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر مت چلو کہ تم کو اس کے راستہ سے الگ کر دیں، اس نے تم کو اس کا حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔



## ہم اور ہمارا اسلام

جب ایک مسلمان اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، تو اسکا مطلب بالکل واضح طور پر یہ ہوتا ہے کہ اسکا تعلق مسلمانوں کی جماعت سے ہے، یا قوم مسلم کا ایک فرد ہے، لیکن اسکے مسلمان ہونے کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ وہ نام کے اعتبار سے مسلمان ہو، قومیت کے اعتبار سے مسلمان ہو، اور وہ مسلمانوں کے ماحول میں کسی حد تک زندگی گذارتا ہو، مسلمانوں کے ساتھ ان کی قومی اور ملی تقریبات میں شریک ہو جاتا ہو، یا بالفاظ دیگر وہ صرف اس لئے مسلمان کہلاتا ہو کہ اس کی نشوونما ایک ایسے خاندان میں ہوئی جو مسلمانوں کا خاندان تھا، خواہ وہ عمل و کردار اور دینی اعتبار سے اسلام کی تعلیمات اور اسکی عملی حیثیت سے بالکل نا آشنا اور منحرف کیوں نہ ہو۔

اسلام کے عہد زریں کے بعد ہم ہر دور میں مسلمانوں کو بالعموم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں کا وہ طبقہ جو مذکورہ بالا مفہوم کو اپنا حقیقی اور ملی مفہوم تصور کرتا ہے اور اسلام کے صحیح تصور، اس کے عملی اور اخلاقی پہلو سے وہ غافل ہے، اسکے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ لفظ مسلمان اسکی ذات کے ساتھ وابستہ رہے خواہ عملی اعتبار سے وہ اس کے بالکل برعکس ہی کیوں نہ ہو، اور بوقت ضرورت اسلام کو وہ صرف ذاتی اور محدود اغراض کو پورا کرنے کیلئے استعمال کیوں نہ کرے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو صرف اسلام کے عبادتی پہلو کو اپنا <sup>مطہ</sup> نظر بناتا ہو، اس کے نزدیک مسلمان ہونے کے لئے صرف اتنا ضروری ہے کہ وہ اسلام کے ارکان عبادت کا پابند ہو، اور کسی نہ کسی شکل میں وہ حقوق اللہ کو ادا کر دے، بندے کے حقوق کی اسکی نظروں میں کوئی قیمت نہ ہو، اخلاق و عزیمت اور دوسرے اہم امور کو وہ قابل توجہ نہ تصور کرتا ہو، اور زندگی کے دوسرے تمام

معاملات میں وہ اسلامی تعلیمات پر نہ عمل کرتا ہو اور نہ اسکی ضرورت محسوس کرتا ہو۔

تیسرا وہ طبقہ ہے جو اسلام کی صحیح نمائندگی کرتا ہے، جو اسلام کو ایک مکمل ضابطہ حیات تصور کرتا ہے اور اس کے تمام پہلوؤں پر اسکی نظر ہے، وہ اسلام کو صرف عبادتوں کا مجموعہ یا صرف کچھ رسم و رواج کا نام نہیں سمجھتا، وہ یقین رکھتا ہے کہ انسانی زندگی کو حقیقی کامیابی اور دنیا و آخرت کی حقیقی مسرت و سعادت عطا کرنے والا مذہب صرف اسلام ہی ہے جو ہر حال میں انسانوں کیلئے ہدایت و رہنمائی کا فرض انجام دیتا ہے، اور جس کو اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قیامت تک کیلئے دین رحمت بنا کر نازل فرمایا۔

اگر ہم غور کریں تو آج بھی امت مسلمہ میں یہ تینوں طبقے موجود ہیں، پہلا طبقہ بہت بڑی تعداد پر مشتمل ہے اور وہ سب پر غالب ہے، دوسرے طبقہ کے افراد اس سے کم ہیں اور تیسرا طبقہ بہت محدود ہے۔

پہلا طبقہ جس کو ہم تقلیدی مسلمان کہہ سکتے ہیں، وہ ہے جس کے سامنے اسلام کی صحیح نمائندگی نہیں ہو سکی، وہ اسلام کو دوسرے نظریات اور مذاہب کی طرح ایک تقلیدی مذہب سمجھ کر بغیر سوچے سمجھے اس میں داخل ہو گیا، ہمیشہ اسکے سامنے اسلام کی وہ تصویر رہی جو قومی بنیادوں پر قائم ہوتی ہے۔ اس کے نزدیک دنیا کے دیگر قومی نظریوں میں ایک نظریہ اسلام یا مسلمانوں کا ہے جن کی تعداد دنیا میں دوسری قوموں کے مقابلہ میں بہت بڑی ہے، وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح مفہوم سے واقف ہی نہیں، وہ موت و آخرت اور حشر و نشر، حساب و کتاب کو اس قومی نظریہ کے چند ابواب تصور کرتا ہے جن کی حیثیت چند شاندار ناموں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اس طبقہ کے تعلیم یافتہ اور نیم تعلیم یافتہ افراد کے شعور میں اسلام کی یہی غلط تصویر موجود ہے اور اس کے مطابق وہ اپنی زندگی میں اس کو نافذ کرتے ہیں، وہ بوقت ضرورت اپنے مسلمان ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ لیکن عملی اور اخلاقی اعتبار سے نہیں بلکہ محض کسی خارجی اور اضافی بنیاد پر۔

مسلمانوں کا یہ تقلیدی طبقہ پوری قوت کیساتھ پھیل رہا ہے اور اس کا دائرہ اسی غلط شکل میں وسیع ہوتا جا رہا ہے، اسکی ایک بہت بڑی وجہ مغربی تہذیب سے مرعوبیت بھی ہے، بلکہ دراصل

مغربیت کا جادو اس طبقہ کے تعلیم یافتہ افراد پر اس طرح اثر انداز ہے کہ وہ دائرۃ اسلام سے خارج ہونے کا اعلان کئے بغیر اسلام کی عملی اور اخلاقی زندگی سے خارج ہو چکے ہوتے ہیں، اور وہ مغرب کی نقل میں اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے اور بسا اوقات اس کو فرسودہ قرار دینے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتے۔

مسلمانوں کا یہ تقلیدی اور مغرب زدہ طبقہ بالعموم مسلم حکومتوں میں کلیدی عہدوں پر چھلایا ہوا ہے جس کے نتیجے میں علماء اور صحیح سمجھ رکھنے والے مسلمان ناقابل اعتبار، اور رجعت پسند، قرار دیئے جا رہے ہیں۔ دین کی صحیح نمائندگی سے ان کو محروم کیا جا رہا ہے، اور اسلام کے سرچشمہ حیوان کتاب و سنت کو مسخ کرنے اور اس کو دوسرے مذاہب کی طرح محض ایک قدیم تاریخی درجہ دیئے جانے کی کوشش جاری ہے۔

دوسرا وہ طبقہ جس نے اسلام کو محض چند عبادات و اذکار کا مجموعہ سمجھا اور اسی کو اصل دین قرار دے کر زندگی کے اور تمام معاملات سے اپنے آپ کو علیحدہ کر لیا، اس نے دین کے ساتھ دنیا کے اجتماع کو کسی حالت میں جائز نہیں سمجھا۔

اس کی سب سے بڑی وجہ صحیح تربیت اور صحیح مطالعہ کی کمی ہے، اس طبقہ میں اگرچہ بہت سے اچھے تعلیم یافتہ لوگ بھی پائے جاتے ہیں، لیکن درحقیقت ان کے ذہنوں میں ابتداء ہی سے دین اور دنیا دونوں کا دو الگ الگ تصور قائم ہوا، دین کے ساتھ دنیا کو ملانا انہوں نے ایک بہت بڑا مذہبی جرم سمجھا، ان کے سامنے یہ حقیقت نہیں آئی کہ دنیا کے بغیر دین کی صحیح تصویر بن ہی نہیں سکتی، اللہ تعالیٰ نے دنیا اور انسان کو اسی لئے پیدا کیا تا کہ وہ دنیا کی نعمتوں اور اس کی لذتوں کو دین کی تقویت اور اس کو بہتر بنانے کیلئے استعمال کرے، یہ صحیح ہے کہ صرف دنیا میں منہمک ہو جانے اور دین و آخرت سے غافل ہو کر زندگی بسر کرنے کی اجازت اسلام نہیں دیتا، لیکن یہ کسی طرح صحیح نہیں کہ دین ایک الگ شے ہے اور دنیا ایک الگ، اور دونوں کو جمع کرنا اسلام کے مزاج کے خلاف ہے۔ قرآن مجید نے تو صاف اعلان کر دیا ہے:

هو الذي أنزل من السماء ماء لكم منه شراب ومنه شجر فيه تسمون،

ينبت لكم به الزرع والزيتون والنخيل والأعناب ومن كل الثمرات، إن في ذلك لآية لقوم يتفكرون، وسخر لكم الليل والنهار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بأمره إن في ذلك لآيات لقوم يعقلون، وما ذرأ لكم في الأرض مختلفاً ألوانه، إن في ذلك لآية لقوم يذكرون، وهو الذي سخر البحر لتأكلوا منه لحماً طرياً، وتستخرجوا منه حلية تلبسونها، وترى الفلك مواخر فيه ولتبتغوا من فضله ولعلكم تشكرون. (نحل: ۱۰-۱۲)

**ترجمہ:** وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسا یا جس سے تم کو پینے کو ملتا ہے اور اس کے سبب سے درخت پیدا ہوتے ہیں جن میں تم اپنے مویشی چرنے کو چھوڑ دیتے ہو، اور اس پانی سے تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور انگور اور کھجور اور ہر قسم کے پھل زمین سے اگایا ہے، بیشک اس میں سوچنے والوں کے لئے توجہ کی دلیل موجود ہے، اور اس نے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند کو اپنا مسخر بنایا اور ستارے بھی اس کے حکم سے مسخر ہیں، بیشک اس میں بھی عقلمند لوگوں کیلئے چند دلیلیں موجود ہیں، اور ان چیزوں کو بھی بنایا جن کو تمہارے لئے اس طور پر پیدا کیا کہ ان کے اقسام مختلف ہیں۔ بیشک اس میں بھی سمجھدار لوگوں کے لئے دلیل (توحید موجود) ہے، وہ ایسا ہے کہ اس نے دریا کو بھی مسخر بنایا کہ اس میں سے تازہ تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے موتیوں کا گہنا نکالو، جس کو تم پہنتے ہو اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ وہ سمندر میں اس کا پانی چیرتی ہوئی چلی جا رہی ہیں اور تاکہ تم روزی تلاش کرو اور شکر کرو۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات اور ان کے علاوہ اور بہت سی آیات میں بار بار یہ فرمایا ہے کہ ہم نے یہ نعمتیں تمہارے لئے پیدا کیں، اور عقل و سمجھ رکھنے والے لوگوں کیلئے اس میں نشانیاں بنائی ہیں، ظاہر ہے کہ یہ بیان دنیا کی مخلوقات کے بارے میں ہے، اگر کوئی شخص دنیا سے متعلق نہ رہے اور اس سے منقطع ہو کر رہبانیت اختیار کر لے تو اس نے خدا کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کی اور آفاق و انفس کی نشانیوں پر غور کر کے خدا کا یقین اپنے دل میں پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی۔

دنیا دار امتحان ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اپنے مومن بندوں کا امتحان لیتا ہے، اسلئے



اگر اس دارِ امتحان سے کوئی منہ موڑ لے تو بلاشبہ اس نے امتحان دینے کی زحمت سے منہ موڑا اور امتحان نہ دینے والا کبھی کامیاب نہیں قرار دیا جاتا، بلکہ وہ امتحان دے کر ناکام ہونے والے سے بھی زیادہ ناکام شمار ہوتا ہے۔

اس حقیقت کے پیش نظر دین و دنیا کی تفریق کرنا ایک مہمل اور غلط خیال ہے، بلکہ ایمان کی قوت کا مظاہرہ تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب دنیا اور دل لہانے والے اسباب سامنے ہوں، مگر خدا کے مطلوبہ اعمال و فرائض پر اس کا کوئی اثر نہ پڑے۔

امت مسلمہ کا تیسرا طبقہ ان علماء اور ربانین کا طبقہ ہے جنہوں نے اسلام کی حقیقت کو کتاب و سنت کے مطابق سمجھا ہے، وہ دین کو دنیا سے الگ کرنے کے قائل نہیں ہیں، اور نہ اسلام کو دوسرے مذاہب کی طرح ایک نظریہ اور فلسفہ قرار دینے کو روا رکھتے ہیں، اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہونے کی وجہ سے ان کے نزدیک ہر زمان و مکان میں یکساں طور پر مفید اور موثر ہے۔

ان کے نزدیک صحیح اسلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی زندگی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی صرف عبادت و ریاضت پر، یا صرف جہاد و فتح پر اکتفا نہیں کیا بلکہ زمانے اور حالات کے مطابق اسلام کی نشر و اشاعت فرماتے رہے، حضور اکرمؐ نے ایک طرف عبادت و ریاضت، ذکر و تسبیح کا انتہائی اہتمام فرمایا تو دوسری طرف حقوق العباد کی سخت تاکید کی اور ہر چیز میں غلو سے منع فرمایا، ایک طرف حضور نے نوافل اور اذکار کی ترغیب دلائی، اس کے بدلہ میں جنت و نعيم کا اعلان فرمایا تو دوسری طرف معاش کی فکر کرنے اور حلال روزی کمانے پر زور دیا، اہل و عیال اور بندوں کے حقوق ادا کرنے کی اس طرح تلقین فرمائی کہ مبادا اس سے کسی وقت غفلت نہ ہو جائے، بلکہ بندوں کے حقوق کو آپؐ نے مقدم رکھا اور فرمایا۔ ”من لم يشكر الناس لم يشكر الله“ کہ جو بندوں کا شکر ادا نہ کرے وہ اللہ کا شکر کیا ادا کر سکتا ہے، یعنی جو بندوں کے حقوق نہ ادا کر سکے وہ اللہ کا حق کیسے ادا کر سکتا ہے۔

ان حالات میں کیا یہ ضروری نہیں کہ مسلمانوں کے معاشرہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی ہر وقت مشعل راہ رہے، تاکہ وہ اس کو اسوہ بنا کر صحیح اسلامی زندگی اختیار کر سکیں اور سچے مسلمان بن کر دین و دنیا کا خیر حاصل کریں۔

مسلمانوں کو صحیح اسلام سے روشناس کرانے کیلئے کسی فلسفہ یا نظریہ کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ان کو حضور اکرم کی سیرت طیبہ سے وہ سبق حاصل ہو سکتا ہے جو کسی اور چیز سے نہیں مل سکتا، اور نہ اس کے مقابل میں کوئی دوسری کوشش کامیاب ہو سکتی ہے، اسی سے ایک مسلمان سچا مسلمان بن سکتا ہے اور دین کی صحیح سمجھ سے بہرہ اندوز ہو سکتا ہے۔



www.KitaboSunnat.com

## عقیدہ توحید اور مسلمانوں کا موقف \*

افغانستان میں گوتم بدھ کے مجسموں کے انہدام کے مسئلہ نے عالمی رائے عامہ کو بہت متاثر کیا تھا، ہر خاص و عام کی زبان پر یہی چرچا تھا اور بین الاقوامی محفلوں اور دینی حلقوں کا موضوع بحث بنا ہوا تھا، اس کا ردوائی سے متعلق کچھ فتوے بھی صادر ہوئے تھے، چنانچہ کچھ لوگوں نے اس سے اتفاق کیا تھا اور طالبان کے اس اقدام کو درست قرار دیا تھا، دوسری طرف مذمت اور ناپسندیدگی کا ایک ہنگامہ برپا ہوا جس نے پوری دنیا میں ایک ہلچل پیدا کر دی تھی، اقوام متحدہ کے سابق جنرل سکریٹری کوئی عنان افغانستان پہنچے اور وہاں کے ذمہ داروں کو اس مسئلہ پر بحث و مباحثہ اور گفت و شنید کی دعوت دی، اور شہر بامیان میں واقع ”بوذا“ نامی بڑے مجسمہ کو منہدم نہ کرنے کی ان سے درخواست کی، لیکن ان کی یہ کوشش بے سود ہوئی، اور طالبان اپنے کام میں منہمک و مصروف رہے، کیونکہ طالبان کو یہ معلوم ہے کہ اسلام میں غیر اللہ کی عبادت و پرستش کی کوئی گنجائش نہیں، کوئی بھی مجسمہ، بت، انسان اور مزار، شانِ الوہیت میں خدا کا سا جھمی اور شریک نہیں ہو سکتا خواہ اسے کتنا ہی تقدس اور مقامِ بلند حاصل ہو۔

طالبان کے اس رویہ پر پوری دنیا میں شدید ناراضگی کا اظہار کیا گیا، بودھ مذہب کے ماننے والوں نے ان کے خلاف احتجاج کیا حتیٰ کہ اقوام متحدہ نے اقتصادی و معاشی بائیکاٹ کی دھمکی دی، لیکن وہ خدائی حکم کے بندے اور اسلام کی حفاظت کی خاطر اپنے حکمرانوں کے چشم و ابرو کے اشارے پر سرکٹانے کیلئے تیار تھے، ان سب کے باوجود ان کے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، بلکہ انہوں

\* بیسویں صدی کے اواخر میں سویت یونین کے شیرازہ کے منتشر ہونے کے بعد افغانستان کے اکثر حصہ پر اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا، اس کے روح رواں طالبان مجاہدین تھے، انہوں نے ملک سے مشرکانہ علامات کے ازالہ کا منصوبہ بنایا، بامیان کا مجسمہ جب منہدم کیا گیا، تو دنیا میں کہرام مچ گیا، یہ مضمون اسی موقع پر تحریر کیا گیا۔

نے ان مجسموں کو سمار کر کے ہی دم لیا جو شرک و بت پرستی کی آماجگاہ اور غیر اللہ کی عبادت کا مظہر تھے۔ آج جبکہ پوری دنیا مادیت کے نرغہ میں پھنسی ہے، شرک و بت پرستی کا دور دورہ ہے، جہالت اور بد اخلاقی انتہائی عروج پر ہے، لوگ اسلامی تعلیمات سے برگشتہ ہو گئے ہیں، اور ان کے اندر ایمانی جذبہ سرد پڑ چکا ہے تو ایسے وقت میں طالبان کا یہ بہترین اقدام ان کے اندر ایمان و یقین، جذبہ اسلامی اور جہاد فی سبیل اللہ کا غماز ہے، درحقیقت آج طالبان مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہیدؒ کے اس خواب کو شرمندہ تعبیر کر رہے ہیں جو انہوں نے اپنی حیات میں دیکھا تھا، افغانستان وہ ملک ہے جہاں حضرت سید احمد شہیدؒ نے ایک اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی تھی اور وہاں شریعت اسلامیہ کا نفاذ بھی عمل میں آ گیا تھا، لیکن جب آپ نے اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر کفن بردوش مجاہدین اسلام کیساتھ جام شہادت نوش فرمایا تو اسی وقت سے یہ اسلامی حکومت روبہ زوال ہوئی اور سامراجی جبر و استبداد کا اس پر قبضہ ہو گیا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندویؒ اپنی کتاب ”جب ایمان کی باد بہاری چلی“ کے مقدمہ میں ص ۲ پر رقمطراز ہیں کہ:

”ان مجاہدین نے صوبہ سرحد، پشاور اور اسکے اطراف میں عملی طور پر ایک اسلامی حکومت قائم کی، حدود شرعیہ کا اجرا عمل میں آیا، اور اسلام کا نظام مالی و دیوانی بے کم و کاست قائم کیا گیا، لیکن وہاں کے قبائل نے اپنی ذاتی اغراض اور قبائلی عادات و روایات کی خاطر اس نظام کا بالآخر خاتمہ کر دیا، آخر میں بالاکوٹ کے میدان میں ان سر بکف مجاہدین کی سکھوں سے آخری جنگ ہوئی اور اس معرکہ میں سید صاحبؒ اور مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور ان کے بہت سے جلیل القدر رفقاء اور مجاہدین نے ۲۴ ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو جام شہادت نوش کیا۔“

کسی کو کیا معلوم کہ اللہ رب العزت نے ان فاقہ کش افغانیوں کے ذریعہ اس گنج گرانمایہ کی تلافی کا فیصلہ کر لیا ہو جو انہیں بغیر کسی جہدِ پیہم کے ملا تھا، مجسموں کے انہدام کے متعلق شدید رد عمل کے باوجود ان افغانیوں کی ایمانی غیرت و حمیت اور اعداء اسلام کے سامنے ان کا استقلال و پامردی، ان کے ایمان راسخ اور خالص اسلامی عقیدہ کے دو واضح ثبوت ہیں، اور یہی ایک حقیقی مسلمان کی شناخت ہے کہ وہ مصالح و منافع سے آزاد ہو کر خدمتِ اسلام کیلئے اپنے آپ کو وقف

کردیتا ہے، اعلیٰ کلمۃ اللہ کی خاطر وہ کبھی مداہنت سے کام نہیں لیتا، اگر اعدائے اسلام کی ریشہ دو انیاں زوروں پر ہوتی ہیں اور وہ اسکے راستہ میں روڑے ڈالتے ہیں تو وہ ان تمام رکاوٹوں کی پروا کئے بغیر کفر و شرک کے ظلمت کدہ میں بباغ و بیل یہ اعلان کر کے خدا کی وحدانیت کو ثابت کرتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، عبادت اور پرستش کے لائق صرف ذات باری ہے۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت و رسالت سے سرفراز کیا گیا تو اس وقت مکہ کی حالت بہت بدتر تھی، پورا مکہ شرک و بت پرستی کا مرکز بنا ہوا تھا، حکمت کا تقاضہ تھا کہ وہاں کھلم کھلا اسلام کی دعوت نہ دی جاتی اور خدا کی وحدانیت کو لوگوں کے سامنے بر ملا نہ بیان کیا جاتا، لیکن مشیت خداوندی کا تقاضہ تھا کہ لوگوں کو اعلانیہ مذہب اسلام سے واقف کرایا جائے اور یہ باور کرایا جائے کہ خدا ہی پرستش کے لائق ہے، چنانچہ اللہ رب العزت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ قرآن کریم آیتیں پڑھ کر سنائیں:

قل یا ایہا الکافرون ، لا أعبد ما تعبدون ولا أنتم عابدون ما أعبد، ولا أنا عابد

ما عبدتم، ولا أنتم عابدون ما أعبد، لکم دینکم ولی دین۔ (کافرون: ۱-۶)

ترجمہ: آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اے کافرو! میرا اور تمہارا طریقہ متحد نہیں ہو سکتا اور نہ تو (فی الحال) میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو، اور نہ (آئندہ مستقبل میں) میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا، اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرو گے، تم کو تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا (تفسیر تھانوی)۔

جب طائف فتح ہوا تو قبیلہ بنو ثقیف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بڑے بت ”لات“ کو باقی رکھنے کی اجازت مانگی تو آپ نے انکار کر دیا، پھر انہوں نے مؤدبانہ التماس کیا کہ وہ ایک مہینہ تک کے لئے ہمیں مہلت دے دیں، تاکہ اتنے دنوں میں اس بت کی عقیدت و محبت ان کے دل سے جاتی رہے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسکے تئیں ایک منٹ کیلئے بھی تیار نہیں ہوئے اور آپ نے بلاتا خیر اسکو منہدم کرنے کا حکم دیا۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندویؒ اپنی کتاب ”دستور حیات“ ص ۳۳۔

۳۴ پر علامہ ابن قیم جوزی کی کتاب ”زاد المعاد“ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:

”رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موقف توحید بلکہ اسلام کے تمام بنیادی عقائد حتیٰ کہ دین کے ارکان و فرائض کے بارے میں یکدل اراد اور مصالحانہ موقف نہ تھا، جو سیاسی قائدین کا (جو بزمِ خود اپنے آپ کو حقیقت پسند اور علمی انسان سمجھتے تھے) ہر زمانہ میں طرۂ امتیاز رہا ہے، شہر طائف کی فتح کے بعد عرب کے دوسرے سربراہ اور وہ قبیلہ ثقیف کا وفد اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور یہ درخواست کرتا ہے کہ ”لات“ نامی صنم کو (جسکی وجہ سے طائف کو مکہ کے بعد مرکزیت اور تقدس حاصل تھا) تین سال اپنے حال پر رہنے دیا جائے، اور دوسرے اصنام کی طرح اسکے ساتھ معاملہ نہ کیا جائے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صاف انکار فرمادیتے ہیں، وفد کے لوگ دو سال، پھر ایک سال کی مہلت مانگتے ہیں، آپ مسلسل انکار فرماتے ہیں یہاں تک وہ اس پر اتر آتے ہیں کہ ہمارے طائف واپس جانے کے بعد صرف ایک مہینہ کی مہلت دے دی جائے، لیکن آپ ان کی آخری درخواست قبول کرنے کے بجائے ابوسفیان بن حرب (جسکی طائف میں رشتہ داری تھی) اور قبیلہ ثقیف ہی کے ایک فرد مغیرہ بن شعبہ کو مامور فرماتے ہیں کہ وہ جائیں اور لات اور اسکے معبود کوڑھادیں، اہل وفد ایک درخواست یہ بھی کرتے ہیں کہ انہیں نماز سے معاف رکھا جائے، آپ فرماتے ہیں کہ ”اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز نہیں“۔ اس گفتگو سے فارغ ہو کر وہ اپنے وطن واپس لوٹتے ہیں اور ان کے ساتھ ابوسفیان اور مغیرہ بھی جاتے ہیں اور لات کوڑھادیتے ہیں اور پورے قبیلہ ثقیف میں اسلام پھیل جاتا ہے، یہاں تک کہ پورا طائف مسلمان ہو جاتا ہے۔“

درحقیقت مذہب اسلام میں غیر اللہ کی عبادت کی کوئی گنجائش نہیں، اور خداوند قدوس کبھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ انسان غیر اللہ کی عبادت کرے، وہ تو کفر و شرک حتیٰ کہ اسکے دوائی اور محرکات سے بھی بچنے کا حکم دیتا ہے، قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونِ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ . (نساء: ۱۱۶)

ترجمہ: اسے اللہ تعالیٰ قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے، ہاں شرک کے علاوہ گناہ جس کے چاہے معاف فرمادیتا ہے۔

## اسلامی دعوت اور نوجوان

آج پوری دنیا میں بیداری کی لہر آچکی ہے، جا بجا نوجوانوں کی تنظیمیں قائم ہو چکی ہیں، انہیں اپنی ذات کا شعور اور معاملات زندگی میں اپنی قدر و قیمت کا اندازہ ہونے لگا ہے، اور قوموں اور گروہوں کو تباہ کن مستقبل کی راہ پر گامزن کرنے کے سلسلہ میں وہ اپنے انتہائی اہم رول کو پہچاننے لگے ہیں۔ تمام انسانی طبقوں نے نوجوانوں کے مطلوبہ کردار کی طرف پوری توجہ مبذول کر دی ہے اور اپنی عام اور خاص سرگرمیوں میں وہ جس توجہ کے مستحق ہیں اس میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کی ہے، اس کے لئے ”یوتھ ونگ“ (Youth wing) کے تحت انہیں کام کے میدان فراہم ہو گئے ہیں۔

سیاسی پارٹیاں اور دینی تنظیمیں سب اس پہلو پر پوری توجہ صرف کر رہی ہیں اور نوجوانوں کو کام کے میدانوں میں نکلنے اور اپنی قوتوں کے عام مصالحوں اور انسانی خدمات میں صرف کرنے کے مواقع فراہم کر رہی ہیں، اس کی اہمیت خاص طور پر اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ موجود معاشرہ میں، زندگی کے ہر میدان میں مخلص کارکنوں کی ضرورت ہے۔

چنانچہ اس کے لئے نوجوانوں کے طبقہ میں حوصلہ افزائی کے وسائل اختیار کئے جاتے ہیں اور ان کی قوتوں کو اجتماعی زندگی کی تعمیر کرنے اور اسے امن و سلامتی، ترقی اور قوت کے زندہ میدانوں کی طرف موڑنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

آج نوجوان ایک مستقل یونٹ (Permanent Unit) کی حیثیت سے نمایاں ہو رہے ہیں اور بغیر کسی خوف و خطر کے ہر قسم کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں، وہ

چاہتے ہیں کہ پورے اعتماد اور قوت کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں انجام دیں، اور ان کی سرگرمیوں کے نتائج جلد حاصل ہوں اور ان کی قوم ان کی کوششوں کے ثمرات سے جلد متمتع ہو، وہ اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں اپنی اہلیت اور صلاحیت ثابت کرنا چاہتے ہیں، تاکہ انہیں اپنے وطن میں ایک طاقتور اور تعمیری فیکٹر (Factor) سمجھا جائے، اور معاشرہ کے تنظیمی اور ادارتی ڈھانچے کا اہم جز گردانا جائے، یہاں تک کہ انسانی معاشروں اور خاص طور پر ترقی پذیر ممالک میں اب یہ عام رجحان بنتا جا رہا ہے کہ قیادت نوجوانوں کو سونپی جائے، خاص طور پر ان ممالک کے عوام نوجوان قیادتوں پر اپنے اعتماد کا اظہار کر رہے ہیں اور ملک کا نظام چلانے کے لئے نوجوان خون (young Blood) کا استعمال کر رہے ہیں۔ کیونکہ بوڑھی قیادتوں سے عوام کو بیشتر حالات میں تلخ تجربات کا سامنا کرنا پڑا ہے اور مستقبل کی تعمیر، امن و خوش حالی کے میدانوں میں ترقی اور ملک میں برپا مختلف مسائل کے حل کرنے کے سلسلہ میں ان سے وابستہ امیدیں پوری نہ ہو سکی ہیں، اس میں شک نہیں کہ یہ ممالک جن سیاسی اور معاشرتی مسائل سے دوچار رہے ہیں انہیں مطلوبہ سنجیدگی کے ساتھ حل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ حل نہ ہو سکے۔ حالاں کہ ان کے حل کرنے میں بے پناہ فکری اور مادی طاقتیں صرف کی گئیں جن کا تصور اور شمار ناممکن ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ کسی بھی ملک کا نظام ایسی نازک صورت حال میں اپنی طبعی رفتار سے نہیں چل سکتا، بلکہ ایسے حالات کا رونما ہونا ضروری ہے جن سے عام بدگمانی پیدا ہو، یہی نہیں بلکہ اس صورت حال میں بسا اوقات ایسے حالات بھی پیدا ہو سکتے ہیں جنہیں ہم معاشرتی یا سیاسی انقلاب سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ کسی بھی ملک کے عوام جاہل اور سیاسی اور ثقافتی شعور سے بے بہرہ نہیں رہ سکتے۔ بلکہ سائنسی ترقی اور ثقافتی وسعت کی بدولت عوام کا شعور بیدار ہو گیا ہے، وہ خیر و شر کے پیمانوں کا ادراک کرنے لگے ہیں اور معاملات کو ان کی حقیقی پوزیشن میں سمجھنے لگے ہیں۔ اس لئے اگر وہ دشوار ترین مسائل کے حل اور ملک اور قوم کی قیادت کے سلسلہ میں نوجوانوں سے اپنی امیدیں وابستہ کرنے لگیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ نوجوانوں کی اس موجودہ لہر جس کے آثار کا ہم ہر ملک اور ہر معاشرہ میں مشاہدہ کر رہے ہیں کے دو محرک ہیں۔



پہلا محرک وہ تعلیمی نظام ہے جو تعلیم و تربیت کے مراکز اور دانش گاہوں میں رائج ہے۔ اس کے مضامین میں وہ چیزیں شامل ہیں جو طلبہ میں مثبت یا منفی طور پر مسائل سے دلچسپی لینے کی روح پیدا کرتی ہیں اور اپنے مستقبل اور ملک کے مستقبل اور پھر پوری انسانیت کے مستقبل کی تعمیر کے سلسلہ میں ایک حتمی اقدام کے طور پر زندگی کے مسائل کا حل ڈھونڈنے میں دخل دینے کی طرف رغبت پیدا کرتی ہیں۔

دوسرا محرک جو نو جوانوں کو اپنی شخصیت تیار کرنے اور اہمیت محسوس کرنے پر اکساتا ہے وہ انسانی معاشروں کو مصائب و مسائل سے نجات دلانے اور امن و سعادت کے وسائل فراہم کرنے میں سیاسی اور معاشرتی قیادتوں کی ناکامی ہے، یہ بات ہر وہ شخص جانتا ہے جو معاملات کو حقیقی بیناؤں سے نا پتا ہے اور انہیں بغیر کسی مداہنت کے غیر جانبدارانہ نظر سے دیکھتا ہے۔

اب نو جوانوں کی تحریکیں صرف سیاسی اور سیکولر معاشرتی حلقوں ہی تک محدود نہیں رہ گئی ہیں، بلکہ دینی حلقوں اور اسلامی کاز کے میدان میں بھی بکثرت برپا ہوئی ہیں۔ مسلم نو جوان، یورینورسٹیز، مدارس اور دوسرے میدانوں سے نکل کر اسلامی دعوت کی مہم میں حصہ لے رہے ہیں، اسلام کو ایک نظام زندگی، ایک ابدی پیغام اور انسانوں کی سعادت کے لئے ایک واضح راستہ کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں اور اپنی ہمہ گیر سرگرمیوں کے ساتھ اس سلسلہ میں ممکنہ جدید وسائل ثقافتی صلاحیتیں اور فنی مہارتیں استعمال کر رہے ہیں جن سے علم، ذہانت اور عبقریت جھلکتی ہے، یورپ اور امریکا میں پائی جانے والی طلباء کی تنظیمیں، تنظیموں کے فیڈریشن اور آرگنائزیشن اس حقیقت کی سب سے بڑی دلیل ہیں، اور صرف مادی تہذیبوں کے مراکز ہی میں ہمیں نو جوانوں میں دعوت و عمل کی سنجیدہ روح کی شہادت نہیں ملتی، بلکہ ٹھیک اسی روح اور طاقت کے ساتھ مشرق کے ترقی پذیر ممالک میں وہ اپنی مطلوبہ ذمہ داریاں انجام دے رہے ہیں اور ان کی جماعتیں اور تنظیمیں دعوت کے کام میں مطلوبہ حکمت عملی اور انفرادی و اجتماعی حالات کی رعایت کے ساتھ ان کی مدد کرتی ہیں۔

واقعہ ہے کہ یہ مسلم نو جوان جو اسلامی دعوت و فکر کے میدان میں اپنی ذمہ داریاں انجام دے رہے ہیں انہوں نے دعوت کے مدرسہ میں علماء اور داعیوں کے ہاتھوں تربیت پائی ہے، جنہوں

نے نہایت اہتمام اور احساس ذمہ داری کے ساتھ ان کی اخلاقی و دینی تربیت کی ہے، دراصل وہ نتیجہ ہیں علماء کے اخلاص، قربانی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ان کی مخلصانہ جدوجہد کا، روز اول سے آج تک نو جوانوں کی تربیت کرنے اور دین و عقیدہ اور حق کے راستے میں کام کے لئے تیار کرنے کا یہی انداز رہا ہے، اسلام کے داعی اول نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے (جورب العالمین کی طرف سے مبعوث تھے) صحابہ کی نو جوان نسل کی تربیت کی اور یہ سنہرا سلسلہ ان کے بعد بھی تاریخ کے کسی زمانے میں منقطع نہ ہوا، اور یہ مقدس فریضہ وہ لوگ انجام دیتے رہے جو دین کے صحیح فہم اور دعوت کے کامیاب اسلوب کے جامع تھے۔

جب بھی دعوت کے میدان میں کام کرنے والے ظاہر ہوئے، انہوں نے اپنی توجہ نو جوان کی تربیت و رہنمائی پر مرکوز کر دی، تاکہ اسلام کا کام ہر جگہ اور ہر زمانے میں ہو سکے، اسی لئے اسلامی دعوت کسی بھی زمانے میں ایسے سرگرم نو جوانوں سے محروم نہیں رہی ہے، جو دعوت الی اللہ کا علم بلند کرنا اپنی زندگی کی سعادت سمجھتے ہوں اور اس راہ میں اپنی قیمتی متاع لٹا دینے میں بخل سے کام نہ لیتے ہوں۔

بعض داعیوں کو توفیق الہی سے اس میدان میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی اور ان کی دعوت اور کوششوں کے گرد ہوش مند مسلم نو جوانوں کی بڑی تعداد جمع ہو گئی، ماضی قریب میں تاریخ سید جمال الدین افغانی جیسے انقلابی مصلح کو فراموش نہیں کر سکتی، جنہوں نے اپنی خطابت کے سحر، اپنی دعوت کی جاذبیت اور مقصد سے خلوص اور لگاؤ کی وجہ سے اپنے گرد منتخب نو جوانوں کو جمع کر لیا تھا اور ان میں دینی حمیت بھڑکا کر استعمار کے خلاف انقلاب برپا کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے، صرف نظر اس کے کہ ان کی شخصیت اور ان کے عزائم کے بارے میں دوسری نئی تحقیق سامنے آئی ہے کہ وہ نو جوانوں کو ایسی فعال اور تحرکی قوت عطا نہ کر سکے جو عالمی پیمانہ پر جاری رہ سکے اور انہیں اسلام کی دعوت انسانی معاشروں میں اعلائے کلمۃ اللہ اور باطل کے خلاف انقلاب اور طاغوت کے خلاف اعلان جنگ کے مقصد پر جمع کر سکے۔

لیکن اللہ نے ماضی قریب میں اس ذمہ داری کی انجام دہی کے لئے مصر میں امام حسن البنا

کو مقدر فرمایا، انہوں نے اللہ کی توفیق اور اپنے تجر دو اخلاص اور دعوت اسلامی کے لئے اپنے کو ہمہ تن وقف کر کے مسالک و نظریات کے اختلافات کے باوجود لوگوں کی توجہ اپنی دعوت کی طرف مبذول کرائی اور مسلم نوجوانوں کو دعوت کے عام کرنے اور اسلامی نظام کے قائم کرنے میں ان کی اہمیت کا احساس دلایا، ان کے گرد جو مسلم نوجوان جمع ہوئے انہوں نے ان کی تربیت پر پوری توجہ مرکوز کی، ان میں محبت اور عقیدہ کی نشوونما کی، ایمان و یقین کا شعلہ بھڑکایا، ان کے دلوں میں اسلام پر اعتماد اور پیغام الہی کے زندہ جاوید ہونے اور ہر زمان و مکان میں زندگی کا ساتھ دینے کی صلاحیت پر اعتماد کا بیج بویا، اور اسلام کے دین فطرت ہونے کا عقیدہ راسخ کیا، اس طرح ان کے ذریعہ دعوت و تبلیغ کا کام انجام دینے کے لئے نوجوانوں کی عظیم نسل نمودار ہوئی، جسے اللہ تعالیٰ نے داعی کی صفات سے نوازا اور حکمت و موعظت کے وہ سرچشمے جاری کئے جو اس مہم میں اسکی کامیابی کے ضامن تھے، نوجوانوں کی یہ ممتاز نسل فضائل و کمالات کی حامل تھی، ایمان، اخلاص، تجرد، ورع، انابت، دنیا سے اعراض، آخرت کے شوق اور جنت کی نعمتوں کی تمنا کے جوہر سے آراستہ تھی اور اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور دعوت الی اللہ کی ذمہ داریوں کا پورا شعور تھا۔

اس دعوتی تربیت کی تاثیر سلف سے خلف تک جاری رہی، اور یہ میراث عصر حاضر کے مسلم نوجوانوں تک منتقل ہوئی، جو عالم اسلامی اور دوسرے ممالک میں دعوت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، لیکن آج اسلام کا کام کرنے والے نوجوانوں کے لئے دعوتی قیادت کا فقدان ہے، اکثر حالات میں وہ اسلام کے بارے میں اپنے مخصوص مطالعہ اور دعوت کے مزاج، کام کے مواقع اور زمانہ کے تقاضوں کے بارے میں اپنے عام فہم پر بھروسہ کرتے ہیں، اس لئے طبعی طور پر بسا اوقات وہ مصالح کی رعایت اور حکمت کا لحاظ نہیں کر پاتے جسکی وجہ سے ان سے فیصلہ کرنے میں جلد بازی اور اپنے موقف پر بے جا اصرار کی علامتیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور اس سے دعوت کے مصالح کو فائدہ پہنچنے کے بجائے الٹا نقصان ہوتا ہے اور حکمتِ دعوت کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

مسلم نوجوان، داعیوں، علماء اور تربیت کرنے والوں کے ہاتھوں ایک بیش بہا امانت ہیں، متاعِ زیست میں گراں بہا حیثیت رکھتے ہیں، ان پر توجہ دینے اور اسلامی دعوت کے میدان میں

ان کی صحیح رہنمائی کرنے کی سخت ضرورت ہے، تاکہ وہ مسلمان داعی اور اسلامی معاشرہ کے باعزت افراد ہونے کی حیثیت سے مثالی نمونہ پیش کر سکیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے مسلم نوجوان جب خالص اسلامی صفات سے آراستہ ہوں گے، ان میں اخلاص، تجرد، جان و مال کی قربانی کی صفات پیدا ہوں گی، اسلام کے نظام حیات ہونے کا صحیح شعور، اس کے زندہ جاوید ہونے پر مکمل اطمینان اور اس کے زندگی کے ابدی پیغام ہونے پر کامل اعتماد پیدا ہوگا اور وہ تواضع اور خشیت الہی کا التزام کریں گے، ساتھ ہی ان کوششوں اور سرگرمیوں کی بھی قدر کریں گے جنہیں مسلمان اور ان کی جماعتیں اسلامی دعوت کے میدان میں انجام دیتی ہیں اور مسلکی اختلافات اور مختلف فیہ باتوں سے بچیں گے، اور معاصی، نیز شرعی مخالفتوں اور ہر اس چیز سے دور رہیں گے جس کا رد اہل سے ادنیٰ بھی تعلق ہو، تبھی ہم اسلامی دعوت کے لئے مطلوبہ نوجوان پاسکیں گے۔ ان کی سرگرمیوں پر اعتماد حاصل کر سکیں گے اور موجود زمانہ میں اسلامی دعوت کے راستے میں ان سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کر سکیں گے، اور مستقبل کے داعی کی حیثیت سے ان کو تیار کر سکیں گے۔

(وما ذلک علی اللہ بعزیز)



## کردار کے آئینہ میں ہماری تصویر

”انسان اپنے ماحول کا پروردہ ہوتا ہے“ یہ وہ حقیقت ہے جس پر تمام ماہرین نفسیات کا اتفاق ہے، ماحول ایک سانچہ ہے جس میں انسان کی شخصیت اور اس کا کردار ڈھلتا ہے، تاریخ انسانی کے چند ہی ادوار کا مطالعہ اس حقیقت کو واضح گاف کر دیتا ہے کہ انسان اپنے معاشرہ اور گرد و پیش کے حالات سے متاثر ہوتا ہے، اپنے معاصر لوگوں کے افکار و نظریات کا اثر قبول کرتا ہے اور پھر انہیں کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔

تاریخ بناتی ہے کہ بہت سے لوگوں کی زندگیاں دو مختلف و متضاد مرحلوں سے گذریں، ایک مرحلہ جاہلیت کا تھا، ان کی زندگی اخلاقی اقدار اور حسن کردار سے عاری تھی، وہ ہر طرح آزادی کی زندگی گزارتے تھے، نہ مذہب کی کوئی پابندی، نہ ضمیر کی ملامت، ان کا ہر قول و فعل گمراہی و جہالت اور گھٹیا پن کا نمونہ، کسی کا دل دکھانے، کسی کی زندگی کی سرتوئوں کو چھین لینے اور ماحول کو آلائشوں سے بھر دینے میں انہیں کوئی جھجک اور کراہت محسوس نہیں ہوتی تھی، بلکہ وہ تفریح طبع کا سامان بناتا تھا۔

دوسرا مرحلہ آیا تو کایا پلٹ گئی، اب زمین بھی دوسری اور آسمان بھی دوسرا، شب و روز بھی دوسرے، اب وہی شخص حق و بھلائی کا علمبردار، ہر موقع محل میں وہ صاحب کردار، اس کا ہر قول و عمل لوگوں کے لئے اسوہ و نمونہ، اس کے بلند اخلاق اور مثالی کردار نے اسے بام عروج پر پہنچا دیا ہے، اب وہ اخلاص و خیر خواہی اور نیکی و ایثار کا پیکر بھی ہے اور اس کا داعی بھی، اور یہ سب کچھ صرف اخوت ایمانی کے جذبے، ضمیر کے احساس و حکم کی تعمیل میں، اور آخرت پر ایمان اور رضائے

الہی کے مقصد سے انجام پاتا ہے۔

یہ ہیں ایک مسلمان کی دو تصویریں، اپنی تصویر کے ایک رخ میں وہ صحیح ایمانی عقیدہ پر ثابت قدم ہوتا ہے، کسی بھی حال میں ذرا بھی پلک گوارہ نہیں کرتا، انجام سے آنکھیں بند کر کے اپنے عقیدہ کے موقف پر اٹل رہتا ہے، اور دوسرا رخ دیکھئے تو شریعت الہیہ پر مکمل کار بند ہوتا ہے، وہ یقین رکھتا ہے کہ خدا کی یہ شریعت ہی انسان کی خدمت کر سکتی ہے اور اس کی زندگی کو ہر مقام پر سرخروئی سے ہمکنار کر سکتی ہے۔

مسلمان اپنے بھائی کے سامنے ایک نہایت ہی صاف شفاف آئینہ ہوتا ہے، ہر شخص آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے اور گردوغبار کے جو داغ و جبے نظر آتے ہیں انہیں دور کر لیتا ہے، اس کے عیب کو درست کر لیتا ہے، اور اسے اچھی طرح سنوار لیتا ہے، یہ آئینہ جس قدر صاف ہوتا ہے اسی قدر وضاحت کے ساتھ سارے نقوش ابھر آتے ہیں، اور آراستگی کا عمل بخوبی انجام پاتا ہے، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا ”المؤمن مرآة المؤمن“ (مؤمن مؤمن کے لئے آئینہ ہوتا ہے)۔

اسلام کے ابتدائی ادوار میں مسلمان اپنے دین کا سچا عملی پیکر تھا، اپنے کردار سے اسلامی سیرت کا داعی تھا، اور شریقانہ انسانی خصلتوں پر اور فطرت کے مطابق بلند اخلاقی کی بنیاد پر لوگوں کی تربیت کرتا تھا، خود اللہ نے اپنی کتاب حکیم میں مسلمان کی اس صفت دعوت و تربیت کو بیان فرمایا ہے:

”کنتم خیر أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنہون عن المنکر و تؤمنون باللہ“ (آل عمران: ۱۱۰)

**ترجمہ:** تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

افسوس کہ آج مسلمان اپنے مقام سے نیچے اتر آیا ہے، آج اس کی سیرت و کردار دیکھئے تو ایک ایسے انسان کی تصویر سامنے آتی ہے جو ہر فضیلت و خوبی سے خالی، ہر محبت اور جذبہ خدمت سے عاری ہے، اس کی فکری جولان گاہ صرف اپنے چند ذاتی مسائل ہیں، نہ دوسروں کی فکر ہے نہ

کسی اور کا غم، اس کی مسرتیں صرف اس میں ہیں کہ اپنے طبعی تقاضے پورے کر لے، اپنی خواہشات اور پست مقاصد کو حاصل کر لے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات دیکھئے، کس قدر تاکید کے ساتھ آپ نے فرمایا کہ ایثار اور خیر خواہی ایمان کی علامت ہے، ”لایؤمن أحدکم حتی یحب لأخیه ما یحب لنفسه“ (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے، جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔) لیکن اب یہ مسلمان اپنے اس امتیاز سے تہی دامن ہو چکا ہے، اب وہ تصویر بے غرور و تکبر کی، بھلائیوں اور خوبیوں کو ملیا میٹ کر دینے کی، پڑوسیوں کو ایذا رسانی کی، اپنے مسلمان بھائیوں کے اندر عیب جوئی کی، اور انقلابات زمانہ کا شکار ہو جانے والے، معصیت میں مبتلا بھائیوں پر خوش ہونے کی اور اپنے بھائی کو ضرور تند پا کر اسے بے یار و مددگار چھوڑ دینے اور راہ فرار اختیار کر لینے کی۔

اپنی ان خصلتوں اور عادتوں کے ساتھ ہم کیونکر اپنے معاشرہ اور اپنی زندگی میں اسلام کی کوئی خدمت انجام دے سکتے ہیں، ہمارے لئے کیونکر ممکن ہے کہ ان بنیادی ذمہ داریوں کو اپنے کندھوں پر اٹھا سکیں، جن کی خاطر ہم پیدا کئے گئے، اور اللہ نے ہمیں حلقہٴ بگوش اسلام کیا تھا، اس وقت زمانہ صاحب کردار و باشعور مسلمان کا منتظر ہے، ایسا مسلمان جو داعی ہو، تعلیمات دین کا پیکر ہو، اس کی رگوں میں اخلاص کی روح جاری و ساری ہو، اور وہ ملت کی قیادت کا فریضہ انجام دے سکتا ہو، عصر حاضر نہایت بے تابی سے اس وقت اس امت کا منتظر ہے، جسے اللہ نے پیدا ہی اس لئے کیا تھا کہ وہ اسلامی شخصیت و کردار اور ایمانی فداکاریوں کے نمونے پیش کرے، جسے اللہ تعالیٰ نے امت وسط بنایا تھا، ایک معتدل امت، تاکہ وہ دیگر امتوں کے لئے روز قیامت گواہ ہو، اور خود رسول امت صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے لئے گواہ ہوں:

و کذلک جعلناکم أمة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس و یكون الرسول علیکم شہداً. (آل بقرہ: ۱۴۳)

ترجمہ: ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ، اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ ہو جائیں۔





## ہماری زندگی میں مصائب و آلام کا راز

آج ہم مسلمانوں کا حال یہ ہو گیا ہے کہ ہم ہر اچانک پیش آنے والے حادثے یا مصیبت کے پیچھے مادی اسباب و محرکات کی تلاش و جستجو کرتے نظر آتے ہیں، مگر چہ بعض دفعہ ہم اس کا اظہار زبان سے نہیں کر پاتے، اکثر ہم کو اس کا احساس بھی نہیں ہونے پاتا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ مسلمان عام طور پر ہر آفت و پریشانی کا کوئی نہ کوئی خارجی سبب ڈھونڈتے ہیں، اور واقعات و حوادث کا محرک مادی حقائق و واقعات کو قرار دیتے ہیں، پھر اس کے بعد آہ و فغاں اور نوحہ خوانی کرتے ہیں اور اس واقعہ کے ذمہ داروں کو لعنت و ملامت کا ہدف بناتے ہیں۔

یہ صورت حال ہمیں ہر سطح پر اور بعض دفعہ تھوڑے بہت فرق کے ساتھ ہر جگہ نظر آتی ہے کہ کسی بھی حادثے کی ساری ذمہ داری ان ریشہ دوانیوں کے سر تھوپ دی جاتی ہے جو مسلمانوں کے خلاف کی گئی ہوں، یا ان خفیہ منصوبوں کو اس کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے جو دشمن ممالک یا بڑی طاقتوں یا عالمی فوجی تنظیموں یا مجرمانہ سرگرمیوں میں کسی پارٹی کی طرف سے تیار کیا گیا ہو۔

لیکن ہمیں ان واقعات کے اسباب و علل کو اپنی سیرت و کردار میں اپنی سرگرمیوں اور روزانہ کے پروگراموں میں، اپنی گونا گوں مصروفیات میں، جادہ حق سے ہٹی ہوئی غلط طریقہ زندگی میں تلاش کرنے کی فرصت نہیں ملتی، اور ان چیزوں میں اپنی تباہ کاری کے اسباب معلوم کرنے کا خیال بھی نہیں پیدا ہوتا، اس پہلو پر توجہ دینے سے ہم بالکل غافل ہو بیٹھے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمیں تمام مشکلات و مصائب کو اس ماحول کی روشنی میں سمجھنا ہوگا جس میں ہم اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں، خاص طور پر جس کا تعلق ہمارے اخلاق اور اعمال سے ہے جس کو بے

خوف و خطر ہم اپنائے ہوئے ہیں، آج ہم صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں اور اسلام کے ساتھ ہمارا تعلق محض رسمی رہ گیا ہے، مردم شماری کے سرکاری رجسٹر میں ہم مسلمان ہیں، کہنے کو آج ہماری تعداد دنیا میں ایک ارب سے بھی متجاوز ہو چکی ہے، مختلف علاقوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں زمام سلطنت بھی ہے، اقوام متحدہ اور اس کی سلامتی کونسل میں ان کی وقیع نمائندگی بھی ہے، مادی وسائل اور دولت و طاقت کی فراوانی بھی ہے، ان کے پاس عالمی سطح کے ادارے اور موثر رابطے بھی ہیں، لیکن ان سب کے باوجود سب سے کمزور، سب سے بدنصیب اور تمدنی، سائنسی، اور معاشرتی زندگی میں سب سے زیادہ پسماندہ مسلمان ہی ہیں۔

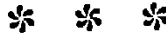
آخر اسکی وجہ کیا ہے؟ وجہ معلوم اور بالکل واضح ہے، وہ یہ کہ مسلمانوں نے اپنی مثالی شخصیت کھودی ہے، اور دنیا کی رہنمائی سے خود کنارہ کش ہو گئے ہیں، چنانچہ اسلامی زندگی مادی تہذیبوں اور فضائل و آداب سے عاری تمدنوں میں جذب ہو کر اپنا تشخص کھو بیٹھی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص تمام اخلاقی برائیوں کو یکجا طور پر دیکھنا چاہے تو اس کو سب سے واضح اور نمایاں مثال مسلمانوں ہی کی زندگی میں ملے گی، رنگ، نسل، زبان اور علاقے کے لحاظ سے ان میں خواہ کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو، لیکن برائیوں کے قبول کرنے میں غیر معمولی اتفاق نظر آتا ہے۔

وہ مقام بلند جہاں سے ہم قوموں اور ملتوں کو خطاب کیا کرتے تھے، علم و ادب اور دین و اخلاق کا درس دیتے تھے، تہذیب و ثقافت اور اجتماع و معاشرت کے آداب سکھاتے تھے، لوگوں کو جہالت و بدبختی کے قعر مذلت سے نکال کر ہدایت و علم کی روشنی میں لاکھڑا کرتے تھے، آج وہ مقام بلند ہماری دسترس سے باہر ہے، آج تو ہم پستی و خواری کے تحت العریٰ میں پینچے ہوئے ہیں، جہاں ہمیں پامال کیا جا رہا ہے، ہمارے ساتھ ذلت و رسوائی کا معاملہ کیا جاتا ہے، بزور طاقت اپنے حقوق سے دستبردار ہو جانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے، آخر ایسا کیوں؟

اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ ہم نے اپنے قائدانہ منصب کو ٹھکرا دیا اور غلامی کی زندگی پر قانع ہو گئے، خود داری اور شرافت کی زندگی بسر کرنے کی روش ترک کر دی، اور شیرازہ منتشر کرنے والی، اتحاد اور جمعیت کو پارہ پارہ کرنے والی اور اسلامی رشتے سے تعلق منقطع

کرنے والی تمام چیزوں کو ہم نے گلے سے لگالیا۔

مزید برآں یہ کہ ہم ان مصائب و آلام کے اسباب اپنے غیروں میں تلاش کرتے ہیں اور اپنی بدبختی و نامرادی کی ذمہ داری دوسروں کے سر تھوپنا چاہتے ہیں۔ ہماری یہ روش انتہائی حیرت ناک اور قابل تعجب ہے اور عقل سلیم اس کی گتھی سلجھانے سے قاصر نظر آتی ہے۔





## دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے \*

حال ہی میں مصر کے اخبارات نے ایک ایسی سازش کا انکشاف کیا ہے جس کا اصل مقصد موجودہ حکومت کو قیادت سے محروم کر کے منصب قیادت پر قابض ہونا تھا، اس سازش کا سب سے زیادہ حیرت انگیز پہلو شاید یہ ہے کہ انقلابی دماغوں نے اس سلسلہ میں جو منصوبہ تیار کیا تھا اس میں صدر جمہوریہ اور حکمران طبقہ کو قتل کرنے کے ساتھ فلمی ستاروں، مغربی ممالک کے سفرائے حکومت کو بھی قتل کرنے کا پورا پروگرام تھا، مگر خوش قسمتی سے سازش کا یہ منصوبہ عملی جامہ پہننے سے پہلے ہی منکشف ہو گیا، اور حکومت مصر نے ”لاخوان المسلمون“ کے تمام ارکان کو گرفتار کر کے اس خطرناک سازش کو (بزع خود) ہمیشہ کیلئے فنا کر دیا۔

اخوان کے جوارکان ملک سے باہر ہیں انہوں نے اس سازش کی تفصیلات شائع کر دی ہیں جس میں انہوں نے واضح دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ اخوان مصر میں ایک نئے شہری سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتے، اور انقلاب مصر ۱۹۵۲ء کے بعد سے وہ ہر طرح کی سرگرمیوں سے الگ تھلگ ہیں، اس لئے کہ وہ مصر کے حکمران طبقہ کی نگاہوں میں ایک باغی جماعت کی حیثیت رکھتے ہیں، اور وہ قطعاً اس کے مستحق نہیں ہیں کہ وہ کسی طرح کی خفیہ یا ظاہری تنظیم اور کسی عملی تحریک میں حصہ لیں، مصر کے حکمرانوں نے اس جماعت کے ایک ایک رکن کو قید و بند کی مصیبتوں میں رکھا، اور ان کو ہر طرح کے شہری حقوق سے محروم کرنے کی کوشش کی۔

\* یہ مضمون نومبر ۱۹۶۵ء مطابق ۱۵ رجب ۱۳۹۵ھ کو پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ کے ادارے کے طور پر لکھا گیا اور شائع بھی ہوا۔

ان حالات میں ان کے لئے کسی طرح یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ کسی بھی انقلابی سازش کا منصوبہ بناتے، اور حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے اسلحہ، اور سامان فراہم کرتے، بالخصوص جبکہ حکومت کی عقابى نگاہیں ان کی ساری نقل و حرکت کو ریکارڈ کرتی رہتی ہیں، اور سی، آئی، ڈی کا پورا عملہ ہر وقت ان کے سر پر سوار رہتا ہے۔

لیکن سرکاری ذرائع اطلاعات نے اس محال کو بھی وقوع پذیر ثابت کر دکھایا اور ایک ایسی خطرناک سازش کو بے نقاب کرنے میں کامیاب ہو گئے جو نہ صرف ”الاخوان المسلمون“ جیسی دینی جماعت کی طرف سے بالکل ناممکن ہے، بلکہ ایک بڑی حکومت کے لئے بھی اس طرح کی انقلابی سازش کا منصوبہ تیار کرنا کچھ آسان نہیں۔

اس سازش کی اہمیت جتانے کے لئے ارکان حکومت نے جو پالیسی اختیار کی ہے وہ اس قدر ناقابل فہم اور غیر معقول ہے کہ معمولی عقل و فہم کا شخص بھی اس کو حکمت و تدبیر کی پالیسی نہیں قرار دے سکتا، مثلاً اس کے خطرناک پہلو کو واضح کرنے کے لئے جو دلائل پیش کئے گئے ہیں ان میں سب سے بڑی دلیل اسلحہ اور گولا بارود کا وہ ذخیرہ ہے جس کو سازشی استعمال کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ کس قدر آسان بات ہے کہ قاہرہ کے اسلحہ خانہ سے جتنی تصویریں منظور ہوں لے لی جائیں اور ان پر موٹے موٹے عنوانات لگا کر اشاعت کے لئے حکومت کے اخباروں کو دیدی جائیں۔

اس تصویر کا کھوکھلا پن بالکل صاف ظاہر ہے، اس لئے کہ اخوان، انقلاب مصر کے بعد ہر قسم کی مادی طاقت سے محروم کر دیئے گئے تھے یہاں تک کہ ان کی جماعتی طاقت کو بھی بالکل ہی فنا کر دیا گیا تھا، اور مصر میں کسی کی ہمت نہیں تھی کہ وہ اخوان کا نام بھول کر بھی لے لیتا، ایسی صورت میں اسلحہ اور گولا بارود کا اتنا بڑا ذخیرہ فراہم کر لینا، کس قدر لغو اور مہمل بات ہے۔

اس دعویٰ کی کمزوری اس کی دوسری دلیل سے واضح ہو رہی ہے جو سازش کے خطرناک اور اہم ترین ہونے کے سلسلہ میں پیش کی جاتی ہے اور وہ ہے خفیہ کاغذات کی وہ فائلیں جو اس سازش کا پورا خاکہ تیار کرتی ہیں، آپ سن کر حیران رہ جائیں گے کہ یہ خفیہ کاغذات سید قطب کی کتاب ”معالَم فی الطريق“ اور ان کے بھائی محمد قطب کی کتاب ”جاہلیۃ القرن العشرين“ سے برآمد

ہوئے ہیں، اول الذکر کتاب ایک سال قبل مکتبہ وہبہ قاہرہ سے شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے، اور لوگ پڑھ کر اس کو پرانی بھی کر چکے ہیں، یہ کتاب سید قطب کی دوسری کتابوں کی طرح ایک دعوتی و فکری کتاب ہے، اور جس کے کچھ مضامین آج سے بہت پہلے ان کی بعض دوسری کتابوں کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں، لیکن مصری ارکان حکومت کو اصرار ہے کہ یہ کتاب ہی دراصل اس سازش کا پیش خیمہ تھی، انخوان کی رپورٹ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

”جب مصر کے ترقی یافتہ ادیبوں اور حکمرانوں نے دیکھا کہ مصری سوشلزم کے موضوع پر لکھی ہوئی کتابیں عوام میں بالکل مقبول نہیں ہو رہی ہیں، اور نہ ان کو پڑھنے کے لئے کوئی تیار ہے، اس کے برعکس سید قطب اور محمد قطب وغیرہ کی کتابیں بیحد مقبول ہیں تو انہوں نے مصر کے صدر جمال عبدالناصر کو صورت حال سے مطلع کیا اور ان سے سید قطب اور محمد قطب کو گرفتار کرنے اور انخوانی ذہن کو فنا کر دینے کی درخواست کی، انہوں نے درخواست منظور کر لی، اور موقع کا انتظار کرنے کو کہا، بالآخر گرفتاریوں کا جواز پیدا کرنے اور انخوانی تحریک کا نام و نشان مٹانے کے لئے انہوں نے روس کا دورہ کرنے سے پہلے انخوان کے نام پر ایک خطرناک سازش کا منصوبہ بنانے اور اسکو منکشف کرنے کا حکم صادر فرمایا، چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی، اور سازش کا ڈرامہ کھیلایا گیا۔“

اس سازش کے ایک حیرت انگیز پہلو یعنی فلمی ستاروں کے قتل کا منصوبہ بنانے پر تبصرے کرتے ہوئے ایک جرمنی سے آنے والی عربی زبان کی رپورٹ میں درج ہے کہ ”سی آئی ڈی کی رپورٹ کے مطابق صدر ناصر کی مقبولیت عوام میں دن بدن کم ہوتی رہی، تا آنکہ دلوں میں بجائے محبت و مقبولیت کے اب نفرت جاگزیں ہونے لگی، تو انہوں نے دیکھا کہ سازش میں صرف صدر کے قتل کا منصوبہ پیش کرنا انتہائی لا حاصل ہے، اس سے حکومت کو عوام کی تائید حاصل کرنا مشکل ہو جائے گا، اس لئے انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر ان شخصیتوں کا انتخاب کیا جن سے عوام کو دلچسپی ہو سکتی ہے، ان کے نزدیک مشہور فلمی ستاروں، موسیقاروں اور گانے والوں کے نام کا استعمال اس موقع کے لئے بیحد نتیجہ خیز سمجھ میں آیا، انہوں نے کہا کہ عوام اگر صدر ناصر کے قتل کی سازش سے برا فروختہ نہیں ہو سکتے تو وہ ام کلثوم، عبدالوہاب، فایزہ احمد، شادیہ اور عبدالحلیم حافظ کے قتل کی سازش

سے ضرور مشتعل ہو جائیں گے۔

اس واقعہ کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ بہت سی ایکٹرسوں نے جن کا نام سازش میں نہیں آسکا تھا، سخت احتجاج کیا کہ آخر ہم نے کیا قصور کیا تھا، جو ہم کو اس طرح نظر انداز کر دیا گیا، ان کو یہ شکایت پیدا ہوگئی کہ شاید حکومت کے حلقوں نے انہیں اس قابل نہیں سمجھا کہ اس ”فرضی فہرست“ میں ان کا نام بھی شامل کیا جاتا۔

اس سے زیادہ مضحکہ خیز اور پر لطف بات یہ ہے کہ ان کے ناموں کا اضافہ کرنے پر پوری ”سنجیدگی“ سے غور بھی فرمایا گیا ہے۔

یہ واقعات خواہ از راہ تفہیم کئے گئے ہوں یا ان کی بنیاد حقیقت پر ہو، بہر حال اس میں شک نہیں کیا جاسکتا کہ اس سازش کی ”مضحکہ خیزی“ اور ”عقل دشمنی“ ہر ہوشمند پر آشکار ہو چکی ہے، ان سب ڈراموں سے قطع نظر وہ اصل واقعات جن سے ملک کے عمومی ہيجان اور باغیانہ ذہن کا اندازہ ہوتا ہے، مختلف غیر ملکی ایجنسیوں نے بیان کئے ہیں۔

بالخصوص دمیاط اور کرواسہ میں جو فسادات ہوئے ان کی مختصر تفصیلات ملاحظہ ہوں:

دمیاط اور کرواسہ میں یہ پہلا موقع تھا کہ شہر اور گاؤں کے لوگ جمال عبدالناصر کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھے، جس نے دس سال کے اندر عوام کا اعتماد کھو کر ان میں غم و غصہ کی لہر دوڑا دی ہے، اور اب موجودہ اقتدار سے ان کی خفگی صلیبیوں اور فرانسیسیوں کی خفگی سے بھی بڑھ چکی ہے۔ کرواسہ میں واقعہ اس طرح پیش آیا کہ فوج اخوان کے ایک ممبر کو تلاش کرتی ہوئی اس شخص کے گھر میں گھس گئی، اور اسکو نہ پا کر اس کی بیوی کو گرفتار کر لیا، اور اس کو اپنے ساتھ لیجانے لگی، یہ منظر دیکھ کر گاؤں والے مشتعل ہو گئے، اور وہ فوجیوں پر ڈنڈوں، پتھروں اور بندوقوں سے حملہ کر بیٹھے، اس کے نتیجے میں کئی فوجی مارے گئے، پھر گاؤں والوں نے مظاہرہ کی شکل میں ایک جلوس نکالا اور پورے شہر میں حکومت کے خلاف نعرے لگاتے ہوئے گشت کیا، ادھر فوج نے حکومت سے ٹینک اور توپ خانوں کی مدد مانگی، تاکہ وہ عوام کا مقابلہ کر سکیں، عوام نے ٹینک اور توپ خانوں کا مقابلہ کرنے کی بھی ٹھان لی اور ہر طرح کی تیاری کرنے لگے، چنانچہ انہوں نے بند اور دفاعی پستے تعمیر



کر کے اپنے گاؤں کو ہر طرف سے محفوظ کر لیا، مگر فوج نے اپنے اسلحہ کی مدد سے گاؤں والوں پر حملہ کیا اور لڑائی شروع ہو کر رہی، جس میں بہت سے فوجی اور عوام مارے گئے، پورے گاؤں میں فوجیوں نے لوٹ کھسوٹ شروع کر دی، اور اس پر محاصرہ کر کے سینکڑوں بے گناہوں کو گرفتار کیا، اور گاؤں کا امن و امان غارت کر دیا۔

دمیاط میں اس سے بھی زیادہ سخت حادثہ پیش آیا، جب شہر میں اخوان کو گرفتار اور اسلحہ کا پتہ لگانے کی غرض سے خانہ تلاشی شروع ہوئی، تو عوام اس ظلم سے تنگ آ گئے، اور جمال عبدالناصر کے ظلم و بربریت کا علی الاعلان اظہار کرنے لگے، اسلحہ کی تلاشی کے سلسلہ میں ایک فوجی افسر نے اس علاقہ کے ایک شکاری کو جو ساحل پر مچھلی کا شکار کر رہا تھا، اس سے کشتی کی تلاشی لینے کو کہا، شکاری نے اس ڈر سے کہ کہیں فوجی اس کی شکار شدہ مچھلیوں کو بلا قیمت دے ہوئے نہ لے لے، کشتی چھوڑنے سے انکار کر دیا، اسی لمحہ فوجی افسر نے بندوق سے شکاری کو ہلاک کر دیا، دوسرے شکاریوں نے یہ منظر دیکھا تو جائے وقوع پر جمع ہو گئے جن میں قریبی دیہات کے لوگ اور کسان، تاجر، بڑھئی، لوہار، اور سبھی قسم کے لوگ تھے.... اور تقریباً دس ہزار کا مجمع ہو گیا، جو مظاہرہ کرتا ہوا اور حکومت کے خلاف نعرے لگاتا ہوا دمیاط کی سڑکوں پر گشت کرنے لگا، اتنے میں کچھ فوجیوں نے ان کو خاموش کرنا چاہا، مگر انہوں نے اپنا مظاہرہ جاری رکھا، اور عبدالناصر مردہ باد کے نعرے لگاتے رہے، شہر کی کوتوالی کے سامنے جا کر انہوں نے ہر طرح کے نعرے لگائے، اور اپنے غم و غصہ کا مظاہرہ کیا، کوتوالی سے عبدالناصر کی تصویریں نکال کر پیروں سے روندی گئیں۔

بالآخر کوتوالی کو مارشل عبدالعلیم عامر سے مدد مانگنی پڑی، یہاں تک کہ مارشل ایک بڑے فوجی دستہ کے ساتھ تشریف لائے، اور دمیاط کا محاصرہ کر لیا گیا، اور کئی ہفتے تک پورا شہر ایسے سخت محاصرہ میں رہا کہ لوگ ضرورت کی چیزیں حاصل کرنے سے قاصر رہے، مارشل نے جب اپنی آنکھوں سے اپنے دوست جمال عبدالناصر سے عوام کی بیزاری کا حال دیکھا تو انہیں بڑا دکھ پہنچا۔۔۔

اس واقعہ کو ساری دنیا کی نیوز ایجنسیوں نے ریکارڈ کیا، خصوصاً امریکہ، برطانیہ اور فرانس کی نیوز ایجنسیوں نے پوری تفصیل سے واقعات کی خبریں شائع کیں جب کہ خود مصری اخبارات نے

اس حادثہ کو معمولی طور سے صرف اس طرح بیان کیا ہے۔

”مہمیاط کے ساحل پر پولیس نے ایک مشتبه شخص کو پا کر اس پر فائرنگ کی، مگر اہل شہر واقعہ سے چونکہ باخبر نہیں تھے، اسلئے ان کے جذبات مشتعل ہو گئے، لیکن جوں ہی ان کو حقیقت حال کا علم ہوا، وہ سکون پذیر ہو گئے اور امن بحال ہو گیا.....“

ان واقعات کو محض اتفاقی حادثہ قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں، بلکہ یہ اور اسی طرح کے آئے دن پیش آنے والے حوادث اس بات کا صاف اعلان ہیں کہ مصری حکومت سے عوام کا اعتماد اٹھتا جا رہا ہے، اور صدر ناصر دن بدن ان کی نگاہوں میں گرتے جا رہے ہیں، اسلئے کہ مصری حکمرانوں نے جھوٹے پروپیگنڈے کرنے اور نیک نامی حاصل کرنے کیلئے وہاں کی اقتصادیات کو جس طرح تباہ کیا ہے اور دیہاتی باشندے جن ناگفتہ بہ حالات سے دوچار ہیں اس کا صحیح اندازہ کرنا مشکل ہے، اب عام طور سے موجودہ حکومت کے خلاف عوام میں غم و غصہ کی لہر پیدا ہو چکی ہے، اور صدر ناصر اپنا زوال اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

مصری قیادت اپنی کمزوریاں چھپانے اور عوام کی توجہ کو دوسری طرف مرکوز کرنے کے لئے نہ جانے کتنی سازشوں اور تحریکوں کا سہارا لے گی، اس کی نگاہوں میں مصر کی بے ضابطہ جماعت ”الراخوان المسلمون“ اس غرض کے لئے جتنی آسانی کے ساتھ استعمال ہو سکتی ہے غالباً کوئی اور جماعت اس کے لئے اتنی مفید اور کارآمد نہیں ثابت ہو سکتی۔

لیکن یہ حقیقت بھی کبھی فراموش نہیں کی جاسکتی کہ مادہ پرست طاقتوں نے جب کبھی حق کی آواز کو خاموش کرنا چاہا تو وہ دیر یا سیر نا کام ہو کر رہے ہیں، اسی سرزمین میں کتنے ہی حق و باطل کے معرکے تاریخ نے دیکھے، لیکن تاریخ شاہد ہے کہ باطل کو ہمیشہ شکست ہوئی، اور حق کا سر بلند ہوا۔

فرعون و موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ کون نہیں جانتا، اسکی تفصیل خود کتاب الہی میں موجود ہے، سرفروشان راہ حق کی ایک چھوٹی سی نہتی جماعت نے فرعون کے قصر حکمت کو کس طرح متزلزل کر دیا، اور بالآخر وہ انہیں کے ہاتھوں اپنی ساری طاقت اور کبر و غرور کے ساتھ ہمیشہ کے لئے صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔

اس سرزمین میں حق و باطل کا معرکہ پھر قائم ہے، ایک طرف کچھ نہتے، بے سہارا، اور مادی طاقت سے محروم لوگ ہیں، تو دوسری طرف ایک بڑی حکومت ہے، فوج اور پولیس اور جدید اسلحہ کا ذخیرہ ہے، اور وہ سارے وسائل ہیں جو ایک خالص مادہ پرست طاقت کے پاس ہوتے ہیں، ایک طرف صرف ایمان و یقین کی طاقت ہے، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اس کے دین کی راہ میں مرثیے کا جذبہ ہے تو دوسری طرف کبر و غرور ہے، مادی وسائل پر اعتماد ہے اور دنیا میں بلند و برتر ہونے کا جذبہ ہے، ایک طرف صرف مسلمانوں کی تائید اور ان کی دعاؤں کا سہارا ہے تو دوسری طرف بڑی بڑی حکومتوں کی تائید اور ان کی فوجی و اقتصادی امداد پر بھروسہ ہے، ایک طرف کعبہ حرم ہے تو دوسری طرف لینن گراڈ اور اقوام متحدہ ہے، ایک طرف ایثار و قربانی ہے، تو دوسری طرف عیش و کوشی اور تن آسانی ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ کون کس پر غالب آتا ہے، معرکہ جاری ہے اور بظاہر مادی طاقت فائق ہے، لیکن خدا کا قانون اٹل ہے، اور اس کا وعدہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا، اسلام کا معجزہ ہمیشہ ظاہر ہوا ہے اور ظاہر ہوتا رہے گا، حق و باطل کی کشمکش جاری رہے گی، اور اہل عبرت کے لئے سامانِ عبرت فراہم کرتی رہے گی۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز  
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

\* \* \*



## باب سوم: —————● عالمی قیادت کے زریں اوصاف



## اسوہ ابراہیمی اور شیوہ آزاری

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں اس وقت آئے جب معصیت کا بازار ہر طرف گرم تھا، گھر سے لے کر باہر تک ساری دنیا صرف ایک کام میں مشغول تھی، اور وہ تھا بت سازی اور بت پرستی کا کاروبار، خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر بت پرست ہونے کے ساتھ ہی ایک بڑے ماہر بت تراش اور اپنے زمانے کے فنکار بھی تھے، پورا ماحول اسی بت سازی اور بت پرستی کی لعنت میں گرفتار تھا، انسان کی معراج ہی یہ تھی کہ کم از کم اگر وہ بت ساز نہیں ہے تو بت پرست ضرور ہو، اس وبا نے تمام انسانوں کو بری طرح گھیر رکھا تھا، اور ہر شخص اپنے حقیقی ماحول سے دور بہت دور ایک ایسی خاردار وادی میں بھٹک رہا تھا جہاں بجز معدہ و مادہ کے کسی اور بات کا گذر نہ تھا، اور لوگ اس کے علاوہ کسی اور چیز سے آشنا بھی نہیں تھے۔

حرص و ہوس سے جکڑے ہوئے اسی ماحول میں ابراہیم علیہ السلام نے آنکھ کھولی، انہوں نے اپنی حقیقت آشنا نگاہوں سے اس نگھٹتے ہوئے انسان کو دیکھا جو اپنی ساری صلاحیتوں کو پتھر اور لکڑی پر صرف کر رہا تھا، انہوں نے ایک بے جان اور بے حس و حرکت بت کے سامنے لوگوں کو اپنی پیشانیوں ٹکاتے ہوئے دیکھا، انہوں نے اس محدود اور مقید ذہن کو دیکھا جو ایک تنگ دائرے کے ارد گرد گھوم رہا تھا، اور جس کا مطمح نظر صرف معدہ تھا، اور مادہ پرستی کی ایک گھناؤنی شکل جس کا مرکز توجہ و التفات تھی۔

یہ ساری باتیں انسان کے فطری وظیفہ کے بالکل خلاف تھیں اور دوسرے الفاظ میں انسانی فطرت سے جنگ کے مترادف تھیں، ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خداداد صلاحیت اور اپنی فطری

قوت سے ان تمام مادی طاقتوں کو چیلنج کیا، یا انہوں نے بت پرستی اور بت سازی کی مخالفت کی، انہوں نے حرص و ہوس کی اندھی تقلید پر احتجاج کیا، اور انہوں نے اس غیر حقیقی ماحول کے خلاف اعلان جنگ کیا اور اپنے باپ آزر کو اس بے راہ روی سے باز رہنے کی فہمائش کی، اور قرآن مجید کی زبان میں ابراہیم علیہ السلام نے صاف صاف کہا:

وَإِذْ قَالَ لَأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا،  
يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا، يَا أَبَتِ  
لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ، إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا، يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ  
يَمْسَكَ عَذَابَ مِنَ الرَّحْمَنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا. (مریم: ۴۲-۴۵)

**ترجمہ:** جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے (جو کہ مشرک تھا) کہا کہ اے میرے باپ! تم ایسی چیز کی کیوں عبادت کرتے ہو جو نہ کچھ سنے اور نہ کچھ دیکھے اور نہ تمہارے کچھ کام آسکے۔ اے میرے باپ! میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا، تو تم میرے کہنے پر چلو، تم کو سیدھا راستہ بتاؤں گا، اے میرے باپ! تم شیطان کی پرستش مت کرو، بیشک شیطان رحمن کی نافرمانی کرنے والا ہے، اے میرے باپ! میں اندیشہ کرتا ہوں کہ تم پر رحمن کی طرف سے کوئی عذاب نہ آپڑے، پھر تم (عذاب) میں شیطان کے ساتھ ہو جاؤ۔

ابراہیم علیہ السلام کی یہ صاف گوئی اور ان کا اعلان حق آزر کی بت ساز طبیعت کو چیلنج نہ کر سکا، اور وہ اس غیر حقیقی ماحول کو چھوڑ کر اپنے بیٹے کی بات سننے اور ماننے پر کسی طرح تیار نہ ہوا، اور اس نے صاف صاف کہہ دیا:

قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ مَتَّعْتُكَ بِمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ، لَأَرْجَمَنَّكَ  
وَأَهْجُرَنَّكَ، إِنِّي أَتَّبِعُ مَا يُحَرِّفُ بَيْنَ يَدَيْكَ، يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ  
يَمْسَكَ عَذَابَ مِنَ الرَّحْمَنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا. (مریم: ۴۶)

**ترجمہ:** باپ نے جواب دیا کہ تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو، اے ابراہیم! اگر تم باز نہ آئے تو میں ضرور تم کو پتھروں سے سنگسار کر دوں گا اور ہمیشہ کیلئے مجھ سے برکنار رہو (سورہ مریم) لیکن ابراہیم علیہ السلام ہر طرح کی دھمکی اور خطرے سے بے پروا اپنے کام میں مشغول رہے



اور فطرت کے اصول کے سامنے انہوں نے کسی ایسے تصور کو ماننے یا اس کے قبول کرنے سے قطعاً انکار کر دیا جو انسان کو انسان ہی کے آگے نہیں بلکہ پتھروں اور بے حس و حرکت مجسموں کے سامنے جبین نیاز جھکانے پر آمادہ کرے، وہ اس مصنوعی اور بے جان ماحول میں ایک اجنبی تھے، لیکن ان کے ایمان کی طاقت نے اپنے زمانے کی بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکری اور پوری آبادی کے خلاف ان کی آواز اس وقت اٹھی جبکہ ہر طرف سے خطرات ان کو گھیرے ہوئے تھے، اپنے اور پرائے ان کے دشمن ہو چکے تھے۔

ابراہیم علیہ السلام نے ہر خطرہ کو دعوت دی اور ہر مخالفت کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوئے، آگ کے دہکتے ہوئے شعلوں میں اپنی جان عزیز کو فنا کر دینے میں انہوں نے ذرا بھی تامل نہیں کیا، جس کا انجام یہ ہوا کہ مخالفین پسپا ہو گئے، دشمن شکست کھا گئے اور آگ کے دہکتے ہوئے شعلے گل و گلزار بن گئے، یہ ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کی وہ لازوال اور غیر فانی طاقت تھی جس کے سامنے دنیا کی ہر بڑی طاقت شکست خوردہ تھی اور جس نے اپنے زمانے کے جابر اور صاحب سطوت بادشاہ کے سامنے اس شان بے نیازی کا مظاہرہ کیا جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں مفقود ہے۔

اس آزری ماحول کو جنم دینے اور اس غیر حقیقی معاشرہ کو برپا کرنے میں جس چیز کو سب سے زیادہ دخل تھا وہ اسباب و وسائل کے پیدا کرنے والے سے قطع نظر کر کے اسباب و وسائل پر مکمل اعتماد تھا، اسباب ہی مجبوروں کا رساز سمجھے جانے لگے تھے اور وسائل ہی پر زندگی کی ساری عمارت قائم تھی، اللہ تعالیٰ نے اس دور کے انسانوں کو متنبہ کرنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے اسباب و علل کی بے بسی کا راز افشا کرنا چاہا اور یہ بتایا کہ ان وسائل کے بغیر بھی انسان کس طرح بلند سے بلند مرتبہ پر پہنچ سکتا ہے اور وہ کس طرح بڑے سے بڑے خطرے کا مقابلہ کر سکتا ہے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی اور زندگی کے ہر گوشے میں یہ پہلو اس قدر نمایاں ہے کہ ہر موقع پر اس کا اظہار ہوتا ہے، خواہ وہ آتش نمرود ہو یا وادی غیر ذی زرع کے پتے ہوئے ریگستان، بے یار و مددگار بیوی کی بے تابی اور شدت انتظار ہو یا شیر خوار بچے کی پیاس کی

بے چینی ہو، ظالم و جابر بادشاہوں کی نظر حرص ہو یا پوری قوم اور برادری کی شدت عداوت کا عالم ہو، آپ جدھر بھی نظر ڈالئے وسائل و اسباب کا فقدان اور بے یاری و بے بسی، عجز و تہی و سستی ہر جگہ نمایاں اور صاف نظر آئے گی، لیکن اس کے باوجود ہر موڑ پر کامیابی اور سخت سے سخت آزمائش میں ایک غیبی مدد اس طرح ساتھ ساتھ دکھائی دے گی کہ اسباب و وسائل کی اس دنیا میں اس کی کوئی قیمت نہیں۔

ابراہیم علیہ السلام صرف ایک ماحول یا ایک قوم اور معاشرہ کے باغی نہیں تھے بلکہ وہ اس زمانے کے باغی تھے جو اپنا حقیقی راستہ بدل کر وسائل کی راہ پر گامزن تھا اور اسی کو اپنی معراج اور حقیقی کامیابی کا راستہ سمجھ رہا تھا، انہوں نے آکر اعلان کیا کہ اے اہل زمانہ! تم نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ تمہاری خودی اور تمہارے مرتبہ کے کسی طرح شایان شان نہیں ہے، تم اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے بت سازی و بت پرستی میں مشغول ہو، تم انسان ہو کر ان مجسموں کے سامنے جھکتے ہو جو تم کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتے، بلکہ وہ ہر وقت تمہارے ہی محتاج رہتے ہیں، ان پر ایک مکھی بیٹھ جائے تو اس کو اڑانے کی بھی طاقت جس معبود کے اندر نہ ہو وہ بلاشبہ باطل و ناحق ہے، اور اس سے لو لگنا، اس کے سامنے جبین نیاز جھکانا تمہاری سخت توہین ہے، اور تمہاری جبین امتیاز پر کٹک کا ٹیکہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہزاروں سال پہلے جن خود ساختہ معبودوں اور خانہ ساز اصولوں کو توڑا تھا، آج دنیا پھر انہیں معبودوں اور انہیں اصولوں کی پیروی کر رہی ہے، تاریخ نے گویا اپنے آپ کو دہرایا، اور آزر کی صنعت کو آج پھر فروغ حاصل ہوا ہے۔ وسائل و اسباب کے سامنے آج عجز و عبادت کا سرخم ہو رہا ہے، کار ساز حقیقی سے بے تعلق اور فنا ہو جانے والے اسباب پر کامل توکل اور بھروسہ، آج کی دنیا کا اصول بن چکا ہے۔

یہ آزری فتنہ جب بھی دنیا میں فروغ پائے گا اور وہ محدود و تنگ ماحول جہاں بھی قائم ہوگا وہی لعنتیں اس کے ساتھ آئیں گی، معیار بدل جائے گا، ذہنی توازن متغیر ہو جائے گا، گناہوں، لذتوں اور شہوات نفس کو اخلاقی قدروں کا درجہ دے دیا جائے گا، ہر بے اصولی اور فطرت سے

بغاوت کو فن اور صنعت کا لباس پہنا دیا جائے گا، اور انسان نہ صرف انسان کے آگے جھکنے لگے گا، بلکہ وہ گناہوں کی عبادت، نفس کی پرستش، رذالت و کمینگی کو فروغ دینے کے لئے اپنے سارے امکانات کو صرف کرنے کی پیہم کوشش میں لگ جائے گا، اور انسانیت دم توڑتی ہوئی نظر آئے گی۔

فتنہ آذری آج سے ہزاروں سال پہلے پیدا ہوا تھا، لیکن آج پھر وہ تازہ دم ہے اور ساری دنیا کو اپنے تیز رویلاب کی زد میں لے چکا ہے، اگر پہلے ایک آذر تھا تو آج ہزاروں لاکھوں آذر پیدا ہو چکے ہیں، آج کے آذروں کی اولاد مارکس و اسٹالن، خروشیف و بلگان ہیں، اگر اس آذر نے سنگ سار کرنے کی دھمکی دی تھی تو آج کے آذر لاکھوں ابراہیمیوں کو گولی کا نشانہ بنا چکے ہیں اور دار کے تختوں پر لٹکا چکے ہیں، اور آذر کا طوفان اتنا بلاخیز نہیں تھا جتنا اس کے متبعین اور آج کے آذروں کا ہے۔

پورے ہجری سال میں سب سے زیادہ ابراہیمی یادگاروں کا جو زمانہ ہے وہ ذی الحجہ کا مہینہ ہے، جس میں ابراہیم علیہ السلام کی متعدد یادگاروں اور مختلف آزمائشوں کو ہم یاد کرتے ہیں اور ان کی اتباع میں ہم بھی خدا کے حضور اپنی معمولی قربانی پیش کرنے کی جرأت کرتے ہیں، بلاشبہ ہماری قربانیاں، صفا و مروہ کے درمیان ہماری سعی اور اس گھر کا طواف جس کو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے تعمیر کیا تھا یہ سب کچھ بہت ضروری اور ان کو انجام دینے والا خوش قسمت اور باعث صدمہ مبارکباد ہے اور ان سے انکار کرنا والا قابل عتاب و ملامت بلکہ دائرۃ اسلام سے خارج ہے۔ لیکن اس اعتراف کے باوجود یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ محض رسمی طور پر ابراہیم علیہ السلام کی سنت کی پیروی کر لینا اور ان کی یادگار میں شریک ہو لینا اور سال میں عید الاضحیٰ کے موقع پر ایک جانور کی قربانی دیدینا کافی نہیں، اور نہ اس سے اس طوفان کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے جس کا مقابلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے زمانے میں کیا۔

اس وقت دنیا مادیت کے سامنے اسی طرح سربسجود اور اسباب و وسائل کی پرستش میں اسی طرح مشغول و منہمک ہے جس طرح ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تھی، بلکہ آج اس مادیت کا دھارا پہلے سے زیادہ تیز ہے، پہلے مٹی اور پتھر کے بت پوجے جاتے تھے، لیکن آج سونے چاندی

کے بت، اور تہذیب و تمدن کے بت، اور قومیت و وطنیت کے مجسموں کی پرستش میں دنیا پوری طرح ڈوبی ہوئی ہے اور مختلف ناموں سے نفس کی پرستش میں لوگ مصروف ہیں، کبھی فن اور آرٹ کے نام سے نفس کی پوجا ہو رہی ہے تو کبھی خدمت اور ترقی کے نام سے بت پوجے جا رہے ہیں، اور کہیں علم و ادب کا سائن بورڈ لگا کر مادیت کے سیلاب کو آگے بڑھا جایا جا رہا ہے۔

آج کی ترقی یافتہ دنیا میں ہر چیز کی شکل بدل گئی ہے اور ہر پہلو سے آزری فلسفوں کی خدمت ہو رہی ہے، یہ وہ وقت ہے جبکہ ابراہیم علیہ السلام کے پیروؤں کو بت شکنی کے لئے کمر بستہ ہونا چاہئے، آج ابراہیم جیسا ایمان، ابراہیم کی سی جرأت و ہمت اور ابراہیم جیسا اخلاص چاہئے، جو مادیت کے فلسفوں میں جکڑی ہوئی اور دم توڑتی ہوئی انسانیت کا مداوا کر سکے اور اس کو بچا سکے۔

آج اسی بت شکن، بہادر اور مرد مومن جری اور مخلص ابراہیم کی ضرورت ہے جس نے اپنے نفس ایمانی سے آزر کے جادو کو توڑا، اور اپنے اخلاص و عمل کے جذبہ سے آزر کے بت کدہ کو ٹھنڈا کیا، اس بت کدہ میں آج پھر بہت سے بت جمع ہو گئے ہیں اور ان کو توڑنے کے لئے ایک ابراہیم کی ضرورت ہے، لیکن بجز ابراہیم علیہ السلام کے پیروؤں کے اور کون ہو سکتا ہے جو اس مہم کو انجام دے اور ابراہیمی سنت کو پھر سے زندہ کر کے انسانیت کا خراج حاصل کرے۔



## آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوتے ہوتے پوری دنیا سے زاد و راہلہ کی استطاعت رکھنے والے مسلمان فریضہ حج ادا کرنے کی غرض سے ایک ایسے مرکز میں جمع ہوتے ہیں جو ہر طرح کی دنیاوی لذتوں، عیش و آسائش اور تفریحات سے بالکل پاک ہے، نہ وہاں سرسبزی و شادابی ہے، نہ دلفریب مناظر اور نہ پرسکون ماحول، لیکن ایک تڑپ ہے جو ہر شخص کو کشاں کشاں اس وادی غیر ذی زرع میں لیجا رہی ہے اور طواف کعبہ کے لئے اس کو بے چین کئے دیتی ہے۔

ادھر فریضہ حج ادا ہوا، ۹ رزی الحجہ کو وقوف عرفہ کی سعادت سے لوگ بہرہ اندوز ہوئے کہ ۱۰ رزی الحجہ کو یوم نحر آگیا، عید الاضحیٰ کی صبح طلوع ہوئی اور پورے عالم میں عید قرباں کی آمد کا نہایت گرم جوشی سے استقبال ہوا، ہر شخص نے اپنی استطاعت کے مطابق نئے لباس کا انتظام کیا، امام عید کے پیچھے دو گانہ شکر ادا کیا، عید کی فضیلت اور اس کی مشروعیت پر امام کا خطبہ سنا، اور بندگی کے اظہار کے لئے اللہ کے نام پر اس نے جانور کی قربانی دی، حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی سنت کی پیروی میں اس نے اس یادگار کو دہرایا جو آج سے ہزاروں سال قبل دنیا کی تاریخ میں ایک عظیم واقعہ کی شکل میں پیش آئی اور خالق و مخلوق کے درمیان اس مستحکم رشتہ کی آئینہ دار بنی جو بندہ کو اپنے رب کے ساتھ ہوتا ہے، محبت کا یہی وہ رشتہ تھا جس نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ بیٹے کی قربانی کو گوارا کر لیا اور نہ صرف گوارا کر لیا، بلکہ اس نے اس کو ایک بڑی سعادت اور ایک عظیم کامیابی سمجھا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی پوری زندگی پر آپ نظر ڈالئے تو آپ کو قربانی کی

مثالیں قدم قدم پر نظر آئیں گی، یہ زندگی وہ آئینہ ہے جس میں بندہ کو اپنی سچی تصویر نظر آسکتی ہے، جہاں اسباب و وسائل سے قطع نظر کر کے صرف مسبب الاسباب پر توکل کامل اور یقین کی صحیح مثال موجود ہے، جہاں آگ کے شعلوں میں پورا اطمینان و سکون ہے، ایک بے آب و گیاہ وادی میں جہاں زندگی گزارنے کے لئے پانی کا ایک قطرہ بھی موجود نہیں ہے، بیوی اور چھوٹے سے بچے کو انتہائی اطمینان و سکون قلب کے ساتھ محض اللہ کے اعتماد پر چھوڑا جاسکتا ہے، بت پرستی کے خلاف دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتوں سے تنہا جنگ کا اعلان کیا جاسکتا ہے، باپ کی شفقتوں سے محض اس لئے محروم ہوا جاسکتا ہے کہ وہ بت پرستی سے باز نہیں آتا۔

اگر ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے پر نظر ڈالیں اور اس وقت کی زندگی کا جائزہ لیں تو ہم کو صاف نظر آئے گا کہ پوری دنیا اس وقت اسباب و وسائل کے سامنے سربسجود تھی، ہر شخص کی زندگی مسبب الاسباب سے ہٹ کر اسباب کے سہارے گزر رہی تھی، یہاں تک کہ اسباب معبود کی شکل اختیار کر گئے تھے اور وسائل ہی کو لوگ قادر مطلق سمجھنے لگے تھے، مادیت، زندگی کی مصنوعی شکلیں اور اسکے مظاہر، یہ وہ چیزیں تھیں جو زندگی پر مسلط ہو چکی تھیں۔

ایسے وقت میں توحید کی ایک آواز اٹھی جس کی صدائے بازگشت سے بحر و بر اور دشت و جبل سب کانپ اٹھے، یہ وہی آوازہ حق تھا جس کو حضرت ابراہیم اللہ کے خلیل نے اللہ کے حکم سے بلند کیا تھا اور دنیا کی سب سے عظیم طاقت کو جو اس زمانے میں مادیت کے سہارے جی رہی تھی چیلنج کیا تھا، اور آخر کار وہ عظیم طاقت اس آوازہ حق کی تاب نہ لاسکی اور اس طرح صفحہ ہستی سے اس کا وجود مٹ گیا جس طرح ریت کی دیوار کو ہوائیں اڑا دیتی ہیں۔

عید الاضحیٰ اسی زندہ جاوید نبی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی سراپا جہاد زندگی کی ایک یادگار ہے، جس میں ہر وقت اور ہر زمان و مکان کے لئے عبرت کا ایک ایسا موقع ہے کہ اگر وہ قوموں کے پیش نظر ہو تو دنیا کی ہر طاقت اور بڑی سے بڑی قوت ان کے سامنے سرنگوں ہو سکتی ہے، اسباب و وسائل پر اعتماد کے خلاف جنگ کا اعلان اس میں ہر قدم پر ہے اور وقت کے ہر نازک مسئلے، زندگی کی ہر پیچیدہ گتھی کا حل اس میں پایا جاتا ہے۔

توحید خالص، اسباب و وسائل کے خلاف جنگ اور توکل علی اللہ کا سچا نمونہ اگر آپ دیکھنا چاہیں تو ابراہیم علیہ السلام کی زندگی پر نظر ڈالئے، اللہ کی سچی محبت اس کی راہ میں ہر محبوب چیز کی قربانی، وقت کے نعروں اور مادی زندگی کے خلاف آواز اٹھانے اور سچے اصول پر ثابت قدمی اور استقامت کا نمونہ آپ کو اسی زندگی میں نظر آئے گا۔

آج جبکہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی یادگار منانے جا رہے ہیں اور عید الاضحیٰ کی پڑوسرت تقریب کے موقع پر ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کر رہے ہیں، کتنا ضروری ہے کہ اس عید کے بانی کی زندگی ہمارے سامنے ہو اور ہم ان کی زندگی سے اپنی زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے روشنی حاصل کریں۔ کتنا سچ کہا ہے شاعر نے۔

آج بھی ہو جو براہیم کا سا ایماں پیدا

آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا







## احتساب اور اکتساب

اس ترقی پذیر دنیا میں مادی عقل نے جو بنیادی تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں، وہ یہ ہیں کہ عقل، فوری طور پر حاصل ہونے والے نفع کی منطق کے تابع ہے، گلوبلائزیشن (GLOBALIZATION) اور عالمگیریت کا نظام بہت سے خلاف شرع تصرفات اور ایسے امور کا سبب بنا ہے جن کا اخلاقی قدروں سے ذرا بھی واسطہ نہیں ہے، اور اس کے ساتھ ہی بشری قوتوں اور انسانی وسائل کو استعمال کر کے اقتصادی اور تجارتی میدانوں میں خود سری اور ڈکٹیٹر شپ کا مزاج پیدا کرنے والی بے قابو خواہشات کا بھی باعث ہوا ہے، گلوبلائزیشن کا نظام مادی تہذیب کے پرستاروں، ایک منحرف آئیڈیالوجی (IDEOLOGY) اور نقطہ نظر کے حاملین کے مخصوص گروپ ہی کی ذاتی مصالح کی تکمیل کرتا ہے اور اس آئیڈیالوجی سے بہت سے سادہ لوح حضرات جو اسے معتبر گردانتے ہیں دھوکے کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اس وقت اسلامی شناخت مٹانے اور اس کی امتیازی حیثیت ختم کرنے کی زبردست کوششیں جاری ہیں، جسے ایک مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام میدانوں میں رو بہ عمل لاتا ہے، اور ان تربیتی نظاموں اور پروگراموں کو یکسر بدل دینے کی سازشیں کی جا رہی ہیں جو کتاب و سنت کی روشنی میں اسلام کو مطلوب ہیں، اور عالمی سطح پر گونا گوں ثقافتی پروگراموں کی بھرمار کرنے والے نعرے دیئے جا رہے ہیں وہ معاشرہ کی تشکیل جدید اور اسے پس ماندگی، ناخواندگی، محتاجی اور امراض سے نجات دلانے اور ان تمام اقتصادی بحرانوں، اجتماعی پریشانیوں اور نسلی امتیازات سے نکالنے کا یقین دلاتے ہیں، تیسری دنیا کے باشندے آج اس آزمائش سے

دو چار ہیں، مگر اس حقیقت سے سب ہی واقف ہیں کہ یہ بلند و بانگ نعرے اور زور دار دعوے مادیت پسند مزاج کے مسائل کو حل کرنے اور عالمی کیمپوں کے بحران کو دور کرنے میں کچھ بھی کارگر نہیں ہو سکتے ہیں، بلکہ حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ یہ عالمی مسائل برابر بڑھتے اور پھیلنے ہی جا رہے ہیں اور دور تک ان کا کوئی حل یا ان سے گلو خلاصی کی کوئی سنیل نظر نہیں آرہی ہے، وقتاً فوقتاً مختلف شکلوں میں پیش کئے جانے والے معاشرتی فارمولوں اور تہذیب جدید کی نئی شکلوں سے حقیقی مسائل کا حل نکالنا نہ صرف یہ کہ بہت مشکل ہے، بلکہ انتہائی ناممکن ہے۔

بہت سے مغرب کے تعلیم یافتہ لوگ بلکہ عوام میدان میں مختلف تجربوں کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ جو بھی اجتماعی فکر، اقتصادی اور علمی شکلیں ان کے سامنے رکھی جاتی ہیں وہ صرف زبانی جمع خرچ اور خوش آئند باتیں ہی ہوتی ہیں، جو کسی حال میں بھی ذہنی اور روحانی الجھنوں کو دور کر کے روح کو تسکین نہیں دے سکتی ہیں، اس نتیجہ کے بعد ہی سے اسلام اور انسانی تہذیب اور پاکیزہ معاشرہ کی تعمیر و تشکیل کیلئے اسلامی نظام حیات کے مطالعہ پر توجہ مبذول ہوئی، اور لوگ اسلام کی طرف آنے لگے، مغرب و مشرق میں مختلف جماعتیں اسلامی تربیت کے اصول و افکار کا بنظرِ غائر مطالعہ کر رہی ہیں اور اسلامی عقیدے کو گلے لگانے، ایمان و یقین کے سانچے میں ڈھل جانے اور اسلامی تہذیب کے زیر سایہ رہ کر زندگی گزارنے میں شوق و رغبت کا اظہار کر رہی ہیں۔ آج مغربی انسان، قلبی سکون و اطمینان کی تلاش میں عقیدے اور ایمان کے راستے کی طرف لوٹ رہا ہے، جہاں اُسے اپنی متاعِ گم شدہ کی بازیابی اور اس کو دل کا سکون ملتا ہے اور وہ دل کی گہرائیوں سے اللہ کی حمد و ثناء کے ترانے گاتا ہے کہ اللہ نے اُسے زندگی کی خوش بختی، حقائق اور اصل مقصد تخلیق کی معرفت کا زریں موقع عنایت فرمایا:

وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون (ذاریات: ۵۶)

ترجمہ: میں نے جنوں اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کیلئے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

خداوند قدوس نے اس کو محرومی سے سعادت کی طرف اور تاریکیوں سے نور کی طرف نکال

کر کتنا بہرہ ور فرمایا، خیر و شر، معروف و منکر کی تمیز دے کر اُسے کس قدر اعزاز بخشا، برائیوں سے نکال کر اچھائیوں کی طرف اور مادیت کی باغیانہ روش سے نکال کر امن و عافیت کے دامن میں لاپہنچایا اور ذکر الہی پر اعتماد اور فرائض و واجبات کی ادائیگی کا بہترین موقع عطا فرمایا، وہ موقع زندگی میں خوشگواہی، وقت میں برکت و کامیابی اور مصائب و امراض کے ازالہ کا ضامن ہے، اس کی بنیاد پر انسان اپنے رب کا محبوب بن جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ ہی اس کا نگران، محافظ، حامی و ناصر ہو جاتا ہے، پھر اُسے نہ کسی قسم کا خوف دامن گیر ہوتا ہے اور نہ غم و اندیشہ، نہ پشیمانی اُسے لاحق ہوتی ہے اور نہ اکتاہٹ و آزدگی، یہی نصرت الہی اور توفیق ربانی ہے جس سے ہر لمحہ وہ فیض یاب ہوتا رہتا ہے۔ ”إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ، نَحْنُ أَوْلِيَائُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ“ (حم السجدة: ۳۰)

**ترجمہ:** جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو، نہ غم کرو، اور خوش ہو جاؤ اُس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی۔

یہی اصل نفع اور اصل مطلوب و مقصود ہے، اہل ایمان کو اسی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرنی چاہئے، اور ارباب عقل و دانش کو اسی کی طرف لپکتا چاہئے اور جہاں تک فوری نفع اور عارضی دولت کا مسئلہ ہے تو وہ صرف فریب خوردہ ذہنیت اور محروم لوگوں کا مقدر ہے، جن کو خواہشات نفسانی اور اغراض ہلاکت کے گھر یعنی جہنم کی طرف لئے چلے جا رہے ہیں، جس میں وچھلسائے جائیں گے اور وہ بدترین جائے قرار ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان کس قدر واضح اور روشن ہے:

”وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا، حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ وَهَا فَتَحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رَسُلٌ مِنْكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ

لقاء يومكم هذا، قالوا بلى ولكن حقت كلمة العذاب على الكافرين. قيل ادخلوا ابواب جهنم خالدين فيها، فبئس مثوى المتكبرين. (زمر: ۷۱، ۷۲)

**ترجمہ:** کافروں کے غول کے غول جہنم کی طرف ہٹائے جائیں گے، جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے اس کے دروازے ان کے لیے کھول دیئے جائیں گے، اور وہاں کے نگہبان ان سے سوال کریں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں درست ہے، لیکن عذاب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا۔ کہا جائے گا کہ اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ جہاں ہمیشہ رہیں گے، پس سرکشوں کا ٹھکانا بہت ہی برا ہے۔



## انسان اپنے کو پہچان!

جب ہم اس وسیع تر دنیا میں اللہ کی افضل ترین مخلوق کا جائزہ لیتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ وہ مخلوق انسان ہی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی مقدس کتاب میں تخلیق انسانی کے مراحل و منازل کا تذکرہ پورے اختصار و اجمال کے ساتھ بیان فرماتے ہیں: ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَبَارَكُ اللَّهُ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ (مؤمنون: ۱۴) ”پھر ہم نے اس کو دوسری ہی مخلوق بنا دیا، وہ کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صنائعوں سے بڑھ کر ہے“ اگر انسان کائنات کی دوسری مخلوقات کے مقابلے میں ایک امتیازی حیثیت نہ رکھتا، تو اللہ تعالیٰ اس کی اہمیت کو نہ بڑھاتا اور اس کے مقام کو بلند نہ کرتا اور نہ یہ شرط لگاتا کہ وہ اپنی اس عقل سلیم کا صحیح استعمال کرے جس کے ذریعہ خیر و شر، نفع و ضرر اور بھلے برے کے درمیان فرق کر سکے، اور اللہ کے متعین کردہ حدود سے تجاوز نہ کرے، تاکہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہو کر زندگی گزار سکے، اور اپنی دنیوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو، وہ اپنے مقام و مرتبہ کو پہچانے، اور اپنے رب سے اور انسانوں کے ساتھ اس کا کیسا تعلق ہونا چاہیے، اس سے بھی آگاہ رہے، اور اپنے فرض منصبی کا جائزہ لیتا رہے، وہ اپنی ذمہ داری کا بھی احساس رکھے، پھر یہ کہ اس کے اپنے حقوق و فرائض ہیں جو انسان کی سعادت و کامیابی اور پوری مخلوق پر اس کی برتری کے لئے ثابت شدہ ضمانت کی حیثیت رکھتی ہیں، اور یہی وہ انسان ہے جو اپنے رب کریم سے ہر وقت ڈرتا رہتا ہے، یہی وہ بشر ہے جو اپنی خواہشات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کامل شریعت اور طور و طریق کے تابع بنا دیتا ہے۔

انسان کی دوسری قسم وہ ہے جو اپنی خواہشات کی تابع ہے، اتباع نفس کے مکر و فریب،

شیطان کے بہکاوے اور پھندے میں ہے، گویا وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے سرکشی کی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی، وہ اپنی حیثیت اور اپنے مرتبہ سے نا آشنا اور نابلد رہا، دنیوی زندگی میں وہ اپنے کردار سے ناواقف ہوا، وہ تو صرف اور صرف اپنی حقیر تمناؤں، برے خیالات اور باطل تصورات، غلط نظریات، بے بنیاد و بے کار مقاصد اور حقیر لذتوں کا شکار بنا، وہ ظلم کے طریقے اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، وہ صرف اپنی مفاد پرستی کی خاطر اور اقتدار کی ہوس میں نیز عیش پرستی سے زندگی بسر کرنے کیلئے ہر طرح کے اخلاقی حدود سے تجاوز کرتا ہے اور انسانی قدروں کی کوئی پروا نہیں کرتا۔

اسلام انسانیت کی اصلاح اور انسان کو نظام تکوینی سے مربوط رکھنے کے لئے آیا، پست معیار سے اعلیٰ اقدار کی طرف نکالنے کے لئے برپا ہوا اور انسانی جرائم اور اخلاقی بیماریوں سے نکال کر اس کو عزت و عظمت کی بلندیوں پر پہنچانے کے لئے ظہور پذیر ہوا، وہ عالمی معاشرہ جو ما قبل اسلام، بے راہ روی کا شکار تھا وہ اسی حقیقت کی تصدیق کرتا ہے جس کی اصلاح نہ کسی علم سے ممکن تھی، اور نہ کسی تہذیب کے ذریعہ، نہ کوئی طاقتور ملک اس کی اصلاح کر سکا، نہ یہ کسی عظیم الشان شخصیت کے بس میں تھا، اور نہ کوئی عقلی فلسفہ ہی اس پر قادر تھا جو انسانیت کے گڈھے میں گرے ہوئے اور درندگی کے دلدل میں پھنسے ہوئے بے قیمت و بے وزن انسان کو انسانیت کا اصل مقام دے سکے، یہاں تک کہ سابقہ مذاہب بھی اس کو صحیح رخ پر لا کھڑا کرنے میں اس کا ساتھ نہ دے سکے، اسلام ہی وہ مذہب ہے جو انسانیت کی تعمیر کرتا ہے، اس کا شیوہ ہے کہ وہ دوسروں کو فائدہ پہنچائے، وہ لوگوں تک بھلائی اور خیر پہنچانے کا پیغام عام کرے، یہی وہ اسلام ہے جس نے انسان کو اس کے بلند مقام و مرتبہ سے روشناس کرایا، زندگی کی تعمیر اور مثالی معاشرہ عطا کرنے میں اس کے عظیم کارنامہ اور کردار کا صحیح تعارف کرایا، اور اس کو ایسے طریقے سکھائے جن کو اختیار کر کے دنیا کو نئی زندگی اور ولولہ عطا ہو، لوگ اس شخص کے اندر موجود بے بہا صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائیں، اور نیک انسانی مقاصد کو بروئے کار لا کر اپنی زندگی کو اسکے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں، ان کی شان امتیازی محبت و ایمان، تواضع و خاکساری، عدل و انصاف اور نصیحت و خیر خواہی ہو، ان میں اللہ

کے راستے میں جان و مال کی قربانی پیش کرنا اور ہر قسم کے فضائل و مناقب کی نشر و اشاعت بھی شامل ہو۔

اس طرح انسان نے اپنی کھوئی ہوئی قیمت کو پہچانا، اور اسلام کی ان تعلیمات پر عمل کر کے سعادت و خوش بختی کے درجات کو حاصل کیا جن کی طرف اسلام نے اس کی توجہ مبذول کرائی، اور ان کے ذریعہ زندگی کے رخ کو اس کے تمام معاملات میں شر سے خیر کی طرف، ذلت سے عزت کی طرف، غلو پسندی سے اعتدال پسندی کی طرف اور خرابی و بگاڑ سے توازن و سنجیدگی کی طرف پھیر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی بقاء، زندگی کے سکون و قرار، انسانیت کی ہدایت اور اس کو تارکیوں سے روشنی کی طرف نکالنے کا فیصلہ فرمادیا ہے، چنانچہ یہ کفر و شرک کی تارکیوں سے ایمان کی کشادگی و وسعت کی طرف اور جہالت و ضلالت کے راستوں سے علم و عمل کی شاہراہ کی طرف ایک عظیم انسانی تبدیلی تھی، اس حقیقت و صداقت کو دیکھ کر اس کی بصارت و دور اندیشی لوٹ آئی، اب اس پر اسلام کا درخشندہ و تابناک ستارہ جگمگا رہا ہے، اس کے سامنے ایمان و فرمانبرداری والی زندگی کی فرمانروائی ہوتی ہے، یہ تو صرف اور صرف خدا کی قدرت کی وہ کاریگری ہے جو اس پر ایسی وسیع تر اور ہمہ گیر زندگی کا مقصد واضح اور روشن کر رہی ہے جو ہر زمانہ میں اور ہر جگہ دنیا و آخرت کی کامیابی و سعادت کی ضامن ہے۔

انسان زندگی اور وجود کائنات کے راز کو سمجھ چکا ہے، اس لئے کہ اس کا تعلق اپنے رب سے، پریشانی و خوشحالی اور فائدہ و نقصان ہر حالت میں جڑا ہوا ہے اور ایمان و یقین کی بنیاد پر قائم ہے، اور یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ خوش بختی و کامرانی کا راستہ ہر اس شخص کے لئے کھلا ہوا ہے جو اللہ کی عبادت و فرمانبرداری کرنا چاہتا ہے، اور ان تمام ہدایات و نصائح اور تعلیمات کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بطریق وحی عطا کی گئی ہیں، یہیں سے انسان اپنی زندگی کا سفر از سر نو شروع کرتا ہے، اور اس راستہ کو بدل ڈالتا ہے جن کو وہ پہلے بغیر ہدایت کے خواہشات نفسانی اور شیطان کی پیروی میں اپنائے ہوئے تھا، اب وہ ان تمام راہوں کو چھوڑ کر اللہ کے سیدھے

راستے کی اتباع کرتا، اور ان عادتوں سے باز آ جاتا ہے جنہوں نے اس کو اصل راستہ سے منحرف کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی اخلاق کی تعمیر جدید کے لئے، موجودہ برائیوں کی اصلاح کیلئے اور تاریک دائرہ حیات اور زندگی کے جملہ شعبوں کو روشنی عطا کرنے کے لئے شریعت کو نازل فرمایا، چنانچہ اللہ کی شریعت دائمی، ابدی اور سرمدی نعمت ہے جو زمانہ کے اسباب و محرکات سے کبھی متاثر نہیں ہوتی، وہ کبھی بھی اپنی شناخت و حیثیت نہیں کھوتی، بلکہ طول مدت کے باوجود بھی ہمیشہ برقرار رہتی ہے، کسی حالت میں اس کا قدم ڈگمگا نہیں سکتا، اور نہ اس کے قدم میں کبھی جنبش پیدا ہو سکتی ہے، اس فطری طریقہ کو اختیار کر کے انسان نفس پرستی اور حقیر زندگی کو چھوڑ کر اتباع حق اور سعادت و عزت والی دائمی زندگی کی طرف لوٹ جاتا ہے، اسی زندگی کے ذریعہ اس نے ایمان کی حلاوت محسوس کی ہے اور تقویٰ کی لذت پائی ہے، نیز انسانیت کے ذریعہ پایہ تکمیل تک پہنچا، اور اس کا مقام و مرتبہ مخلوق کے مابین بلند ہوا، ارشاد باری ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا (اسراء: ۷۰)

ترجمہ: یقیناً ہم نے آدم کی اولاد کو عزت و شرف کا تاج عطا کیا، اور ان کو خشکی و تری ہر جگہ رزق دے، نیز اپنی دیگر مخلوقات پر فضیلت بخشی۔

انسان نے زمین پر خلافت کی باگ ڈور سنبھالی، جبکہ فرشتوں نے اس کے اس بڑے عہدہ کی بخشش و عنایت پر تکبر کی تھی، کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ یہ تو زمین میں فساد برپا کریں گے، اور خونریزی کریں گے، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے اس اعتراض کو مسترد فرمادیا، اور ان سے جواباً یوں عرض کیا ”جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے“ کیا یہ سب چیزیں اس بات پر حجت نہیں ہیں کہ انسان کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے، وہ پورے عالم کا ایک ایسا عنصر اور فرد ہے جو افراد سازی کے میدان میں معمار کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسلام کا پیغام اور اس کی بنائی ہوئی تہذیب نیز مسائل و مشکلات کا حل نکالنے اور علمی و تہذیبی تبدیلیوں کا سامنا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے ودیعت کئے ہوئے علمی اوصاف و شرائط کے



اندر غور و فکر سے کام لینے والا شخص اس راز کو ضرور پالے گا، کہ اسلام ہی انسان کا اصل رہنما اور اس کے لئے باطل کی تاریکیوں اور مخالف حالات میں روشنی کا ایک مینار ہے، یہ کوئی سماجی و معاشرتی مذہب یا خود ساختہ دینی طریقہ یا سیاسی نظریہ اور اقتصادی فلسفہ نہیں ہے جو صرف مصائب زندگی اور گردش زمانہ سے نکلنے اور نجات دلانے میں انسان کا ساتھ دے سکے، اور اس کو مادی اور اخلاقی گراؤوں اور انحطاط کے نتیجے میں درپیش آزمائشوں اور پریشانیوں سے بچا سکے جس نے اسے اصل شاہراہ سے دور رکھ کر مادی زندگی کے سمندر میں غرق کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک تہذیب اور قانون فطرت عطا کیا ہے اس کے ذریعہ ہر فساد کی اصلاح، انفرادی و اجتماعی زندگی میں ظلم و ستم کے خاتمہ اور تمام زمان و مکان میں حیات بشری کی خوش بختی و فلاح اور اس کی سعادت و خوش بختی کی ضمانت حاصل ہے، اگر یہ بلند ترین مقاصد نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ زندگی، کائنات اور انسان کو عطا کی گئی اسلام جیسی نعمت کے بارے میں کوئی اور فیصلہ فرماتے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو ایک ایسا مکمل، دائمی اور ہمہ گیر دین بنا کر بھیجا ہے، جس کیساتھ جزا و سزا اور حشر و نشر وابستہ ہے، اسی پر عزت و شرافت بھی موقوف ہے، اس میں بھرپور سکون و اطمینان مہیا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اليوم اكملت لكم دينكم، واتممت عليكم نعمتي، ورضيت لكم الاسلام ديناً (مائدہ: ۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں، اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

یہ سب خصوصیات انسان کے مفاد و نفع کے لئے ہیں جس نے دنیا کی قیادت کی باگ ڈور سنبھالی ہے، پھر یہ سارے امتیازات ان ابدی و سرمدی ارشادات و فرمودات اور نصائح کی روشنی میں اس کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالنے کیلئے ہیں، جن کا دار و مدار کلام اللہ اور حدیث نبوی پر ہے:

لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة، لمن كان يرجو الله واليوم الآخر وذكر الله كثيراً (أحزاب: ۲۱)

**ترجمہ:** تمہارے لئے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک بہترین نمونہ ہے اس شخص کے لئے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان و یقین رکھے، اور خدا کو خوب یاد کرے۔  
اب ہمیں اس بات پر یقین کرنے کے لئے ہر طرح کا جواز موجود ہے کہ اسلام دراصل انسان کے لئے انتہائی ضروری عنصر ہے، اسکے بغیر اس کی زندگی ناقص، اس کا معاشرہ بے جان اور اسکی ساری جدوجہد رائگاں ہے۔



## معاشرہ انسانی کی تعمیر میں دل کا کردار

دنیا میں کتنے لوگ ایسے ہیں جنہیں ہر وقت اپنے دل کو غلط خیالات سے پاک صاف رکھنے کی فکر دامن گیر رہتی ہے، اگر انسان کا دل غلط تصورات اور عیوب و نقائص سے پاک ہوتا ہے تو وہ عین فطرت انسانی کے مطابق کام کرتا ہے اور اس سے کوتاہی اور غلط کام کا ظہور نہیں ہوتا، اس کی مثال اس صحیح مشین سے دی جاتی ہے جس کے تمام کھل پرزے برابر کام کرتے رہتے ہیں اور مالک کو ان پر اعتماد ہوتا ہے، اگر یہ مشین یوں ہی چھوڑ دی جائے، اس سے پرانے تیل کو نکال کر نیا تیل نہ ڈالا جائے اور خراب پرزوں کو بدلانہ جائے تو مالک کو اس سے کم منافع حاصل ہوں گے اور ناگاہ وہ اپنا کام کرنا بھی چھوڑ دے گی، جس کی وجہ سے جملہ سرگرمیاں ٹھپ پڑ جائیں گی۔

دل انسان کے جسم میں طاقت و قوت کا سرچشمہ ہے، رگوں تک خون پہنچانے کا آلہ ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو پورا نظام جسمانی اپنا کام صحیح ڈھنگ پر انجام دیتا رہتا ہے، اور داخلی امراض سے وہ محفوظ رہتا ہے، دل جس طرح سے انسان کے جسمانی نظام کا مرکز ہوتا ہے اسی طرح اس کے روحانی نظام کا تعلق بھی دل ہی سے ہوتا ہے، جب دل پاک ہوتا ہے تو انسان کا ہر عمل درست و پاکیزہ ہوتا ہے، اس کے ذریعہ ہر پاکیزہ انسانی ضرورت کی تکمیل ہوتی ہے، یہی دل جب اللہ کے ذکر سے رطب اللسان رہتا ہے تو اس کے حامل کو روحانی غذا ملتی رہتی ہے جس کی وجہ سے وہ نرمی کے مقام پر نرمی اور سختی کے مقام پر سختی کا رویہ اختیار کرتا ہے۔

اس کے برعکس ایک گنہگار اور فاجر و فاسق شخص کے دل میں ارتکاب گناہ کے بعد ذرا سک پیدا نہیں ہوتی، وہ برے کام میں منہمک و مصروف رہتا ہے، اقوال رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور نفس

کی شیطنت کے درمیان تمیز پیدا نہیں کرتا، وہ گناہ کا اتنا عادی اور رسیا ہو جاتا ہے کہ فطرت بھی اس سے پناہ مانگتی ہے اور وہ شرافت و نجابت، زہد و قناعت اور صلاح و تقویٰ کے لبادہ کو اتار کر پھینک دیتا ہے اور قرآن کریم میں ایسے ہی لوگوں کا تذکرہ ہے:

کَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ (سورہ مطففین: ۸۳)

**ترجمہ:** ہرگز ایسا نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال بد کا رنگ بیٹھ گیا ہے۔

آقائے مدنی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے لوگوں کے قلوب پر غفلت و نسیان کا غلبہ تھا، ان پر کفر و شرک کا دیرینہ رنگ بیٹھ گیا تھا، ایمان و عمل کی کوئی جھلک بھی نہیں دکھائی دیتی تھی، شراب نوشی اور بے حیائی نے وہاں کے باشندوں کو سنجیدگی سے سوچنے کا موقع ہی فراہم نہیں کیا، ان کے نظا مہائے حیات بھی اتھل پتھل کے شکار تھے، ان کی زندگی شقاوت و قساوت سے عبارت تھی، ضلالت و گمراہی عام تھی، اور ظلم و زیادتی کا بازار ان کے اندر گرم رہتا تھا، ایسے پر آشوب حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش ناتواں پر نبوت کی عظیم ذمہ داری ڈالی گئی، اور تعلیم و تربیت، تزکیہ و احسان اور لوگوں کے قلوب کی صفائی کی تاکید فرمائی گئی، غرض یہ کہ نبوت کے چہار گانہ صداقت سے متصف ہونے کو کہا گیا۔ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ: (آل عمران: ۱۶۳)

**ترجمہ:** اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہیں میں سے ایک پیغمبر

بھیجا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے ہیں، اور (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں، اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

آج اگر ہم معاشرہ انسانی پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو لوگوں کو فواحش و منکرات میں

بتلا پاتے ہیں، عیاری، مکاری اور جعل سازی میں وہ اتنے بڑھ چکے ہیں کہ اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہے، ایسے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی وہ حدیث ہمیں یاد آتی ہے جس میں آپؐ نے فرمایا کہ: خبردار! جسم انسانی میں گوشت کا ایک ٹوٹھڑا ہے، اگر وہ درست رہتا ہے تو پورا جسم درست رہتا ہے، اور اگر وہ بگڑ جاتا ہے تو پورے جسم کا نظام بگڑ جاتا ہے، سن لو! وہ دل ہے:

درحقیقت قلب ہی انسان کے افکار و خیالات کا سرچشمہ ہے وہ خوشی و ناراضگی، صلاح و فساد، نیکی کا حکم دینے اور بدی سے روکنے اور محبت و عداوت کے اظہار کا مرکز ہے، اسی وجہ سے اس کی طہارت و نظافت کا خیال رکھنا، اس کو اطمینان و سکون بہم پہنچانا بے حد ضروری ہے، اس حقیقت سے دنیا کے اکثر انسان نا آشنا ہیں، حتیٰ کہ عالمی فلسفوں اور مختلف تہذیبوں کے متوالے بھی اس سے ناواقف ہیں، انہیں اس کی بھی خبر نہیں کہ تہذیب کی تعمیر و تخریب میں اس کا کیا کردار رہا ہے، اس کردار سے عدم واقفیت ہی نے یورپ کے باشندوں کو دل کا مریض بنا دیا ہے، جس کی وجہ سے وہاں کثرت سے دل کے دورے پڑتے ہیں، بالآخر وہ اس کی سرجری کرتے ہیں، اور فطری طریقے سے اس کو خون فراہم کرنے کا راستہ بناتے ہیں۔

امراض قلب کے بعض ماہرین کا کہنا ہے کہ اللہ کے ذکر سے ہی قلب کو تمام بیماریوں سے پاک و صاف رکھا جاسکتا ہے، جو بندہ صدق دل سے اللہ کے سامنے روتا اور گڑگڑاتا ہے اس کو قلب کی ظاہری و باطنی کوئی بیماری نہیں لاحق ہوتی ہے۔

دینی اعتبار سے قلب ایمان و ایقان کا مرکز ہے، وہ کبھی کبھی اخلاقی امراض پر بندش لگانے اور اسلامی معاشرہ کی تعمیر میں ہاتھ اور زبان کا نمائندہ ہوتا ہے، اسی طرف جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ تم میں سے اگر کوئی شخص برائی دیکھے تو ہاتھ سے ختم کرنے کی کوشش کرے، اگر اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو زبان کے ذریعہ اس کو ختم کرے، اگر اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا، تو دل سے اس کو برا سمجھے، اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔

بعض لوگوں نے صرف یہ سمجھ رکھا ہے کہ دل صرف رگوں تک خون سپلائی کرنے کا آلہ ہے، اسی پر اعتماد کر کے انہوں نے قلب کی فعالیت اور تاثیر سے چشم پوشی کی اور اس کو صاف و ستھرا

رکھنے کے وسائل فراہم نہیں کئے، چنانچہ وہ خسارے میں رہے، دل کو صرف رگوں اور جسم کے پورے حصے میں خون پہنچانے کا آلہ سمجھنا، ذکر و اذکار سے اس کو پاک نہ کرنا اور اس کے قائدانہ کردار سے تغافل برتنایہ سب غیر دانشمندانہ اور غیر اسلامی اعمال ہیں اور اسلام قطعاً اس کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ وہ تو ذکر و اذکار، توجہ و انابت الی اللہ میں مشغول رکھنے کا حکم دیتا ہے، کیونکہ ان کے ذریعہ انسان کو فکری و روحانی غذا ملتی ہے، اور ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا  
وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ.

**ترجمہ:** جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ اس پر قائم رہے، ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے) کہ نہ خوف کرو، اور نہ غمناک ہو اور جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا اس کی خوشخبری حاصل کرو۔ (سورہ حم السجدة: ۳۰)

قرآن کریم کی اس آیت سے زیادہ قوی کیا کوئی دلیل ہو سکتی ہے کہ جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ایمان کے حاملین کے قلوب پر نہ دنیا میں غم کا اثر ہوگا اور نہ آخرت میں وہ پریشان ہوں گے، وہ جنت کی سدا بہار ولا زوال نعمتوں کے بیچ زندگی گذاریں گے اور ان کو ایسی دائمی زندگی نصیب ہوگی جو کبھی فنا نہیں ہوگی اور ایسی خوشی حاصل ہوگی جس کا اندازہ اس دنیاوی زندگی میں نہیں لگایا جاسکتا، یہی وجہ ہے کہ مذہب اسلام اطاعت و فرمانبرداری میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے اور معاشرۂ انسانی میں احکام الہی کے نفاذ کی ترغیب دیتا ہے اور اس دینِ قیم کی نشر و اشاعت پر مامور کرتا ہے جس کی تمام تر توجہات قلب ہی پر مرکوز ہوتی ہیں، اسلام، اسلامی تہذیب کے ان بنیادی ستونوں کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے کا حکم دیتا ہے جو آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یوں بیان کئے گئے ہیں کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے۔

- (۱) کلمہ طیبہ کی گواہی دینا (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) رمضان المبارک کے روزے رکھنا (۵) بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔

ان بنیادی احکامات پر عمل کرنے والے افراد ہی قلب سلیم کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں، وہ زمانہ کا شکوہ نہیں کرتے، بلکہ ایمان کامل کے ہتھیار سے لیس ہو کر زمانہ کا مقابلہ کرتے ہیں، اور اس سلسلہ میں ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کسب فیض کرتے ہیں، جن کی زندگی کا ابتدائی مرحلہ شرک پرستی و بت پرستی سے پرانگندہ ماحول میں گزرا تھا، لیکن انہوں نے لوگوں تک خدا کا حقیقی پیغام پہنچایا، نامساعد حالات کی پرواہ نہیں کی، بادشاہ دقت نمرود کی طرف سے آگ میں ڈالے جانے کا جو منصوبہ طے پایا تھا اس سے بھی خوف نہیں کھایا، نہ اس سے دل برداشتہ ہوئے اور نہ شرک سے سمجھوتہ کیا۔ بقول شاعر ۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق  
عقل ہے مجھ تماشا ئے لب بام ابھی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اس قائدانہ کردار سے بنی نوع انسان کو ایک نیا راستہ دکھایا اور یہ تعلیم دی کہ اگر انسان ایسے ماحول میں ہو جہاں شرک و بت پرستی عام ہو، مجاورین اور پر و ہتوں کی کثرت ہو، اور حالات صحیح رخ اختیار نہ کئے ہوئے ہوں، اسلام دشمن طاقتیں برسرِ پیکار ہوں تو گھبرانے کی قطعاً ضرورت نہیں، بلکہ اپنے قلب کے اندر ایمان کی شمع روشن کر کے دعوتی فریضہ کو بحسن و خوبی انجام دینے کی ضرورت ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا عملی نمونہ بھی پیش کیا، کیونکہ وہ وسیع دماغ کے مالک تھے، قلب سلیم جیسی عظیم نعمت ان کو حاصل تھی، امن و امان اور چین و سکون کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے، ان پر رحمت کی گھٹائیں چھائی رہیں، ہر طرف سے خدا کا تحفظ حاصل رہا، وہ خدا کے فرمانبردار، کلمہ توحید کو بلند کرنے والے اور عظیم داعی الی اللہ تھے، بالآخر طاغوتی طاقتوں کا سر نیچا ہوا۔ حق کا بول بالا ہوا، ایمان کامل اور قلب سلیم جیسے ہتھیار نے اپنا کام کر دکھایا۔

اس وقت ہمیں بھی حالات حاضرہ کے پیش نظر اپنے دل و دماغ کی صلاحیتوں کو صحیح ڈھنگ سے استعمال کر کے معاشرہ کی اصلاح میں تعمیری کردار ادا کرنے کی بے حد ضرورت ہے، تاکہ دنیا سے شر و فساد اور بگاڑ کا خاتمہ ہو اور لوگ فطرت کے مطابق زندگی بسر کریں۔





## اسلامی اصول ہی موجودہ مسائل کا حل \*

سابقہ ادوار میں یورپ اور تہذیب جدید کے متوالوں نے اسلام کے خلاف جو منصوبہ بند سازش کی تھی اس کو کامیاب بنانے کے لئے ان کی سرگرمیاں کسی صاحب نظر سے مخفی نہیں، عرصہ دراز تک معاشرۂ انسانی انہیں کے نقش قدم پر رواں دواں تھا جس کی وجہ سے اسے قدم بہ قدم ذلت و پستی اور شقاوت و بدبختی کا سامنا کرنا پڑا، تہذیب جدید کی ظاہری چمک دمک کو دیکھ کر ان کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ان کی انتھک کوششیں صد ابھر اور شجر بے ثمر ثابت ہوں گی اور وہ فائز المرام نہیں ہوں گے، چنانچہ سائنس و ٹکنالوجی کے راستے سے انہوں نے معاشرۂ اسلامی پر یلغار کی، اور ارکان اسلام کو منہدم کرنے کے لئے عسکری طریقے استعمال کئے اور حق کے جو یا اور اس کو تلاش کرنے والوں کی راہ میں سدِ سکندری اور آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے، یہ حقیقت ہے کہ اعدائے اسلام نے جب بھی اس طرح کی سازشیں کیں تو پہلے مرحلے میں لوگ ان کے اسیر ہو گئے، اور ظاہری آرائش و زیبائش کے دام فریب میں آ گئے، لیکن جب انہیں اس تہذیب کے کھوکھلے پن کا علم ہوا تو انہیں ایسے نظام حیات کی تلاش کی فکر دامن گیر ہوئی جس میں انہیں جہنمی اطمینان و سکون حاصل ہو، ان کی زندگی پر مسرت ہو اور زندگی کی چول بیٹھ جائے۔

اہل یورپ نے ایک عرصہ تک مادی تہذیب کو نظام حیات کے طور پر اختیار کر کے زندگی بسر کی، جس نے ان کے اندر بے شمار مسائل پیدا کر دیئے، ان مسائل نے انہیں اتنا بے چین کیا کہ

\* یہ مضمون نائن الیون کے بعد ۲۰۰۲ء میں تحریر کیا گیا اور ندوۃ العلماء کے پندرہ روزہ ترجمان ”تقریر حیات“ کے شمارہ ۱۰ مارچ ۲۰۰۲ء میں شائع بھی ہوا۔

ان کی رات کی نیند حرام اور دن کا آرام غارت ہو کر رہ گیا، اور زندگی کا اصل سکون و چین جاتا رہا، اور اسکی لذت و لطافت ان سے چھن کر رہ گئی، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ بلکہ ظاہر پرست افراد انہیں حالات سے دو چار ہوتے ہیں، ظاہری تراش و خراش، چمک دمک اور آرائش و زیبائش انہیں قلبی سکون نہیں بخشتی، بالکل یہی صورتحال تھی، لوگ مسائل میں گھرے ہوئے تھے، انہیں اس کی بھی اطلاع نہیں تھی کہ دنیا میں ایک ایسا نظام حیات ہے جو انسان کو عقلی و فکری غلامی سے آزاد کرتا ہے، جسمانی اعصاب کو سکون فراہم کرتا ہے، اور فطرت انسانی کے ساتھ ہم آہنگ رہتا ہے، اس حقیقت سے ان کی عدم واقفیت کی یہی وجہ تھی کہ مادی تہذیب کے دلدادہ بالخصوص قائدین یورپ نے اسلام اور مسلمانوں کی جو تصویر ان کے سامنے پیش کی تھی وہ بہت ڈراؤنی اور خوفناک تھی، انہوں نے لوگوں کو یہ باور کرایا تھا کہ اسلام ایک غیر انسانی نظام حیات ہے، اس کے علمبردار دہشت گرد ہوتے ہیں جو ہمہ وقت اپنی آستینوں میں چھری اور خنجر چھپائے رہتے ہیں، جب انہیں موقع ہاتھ آتا ہے تو وہ اپنی درندگی اور قساوت قلبی کا علانیہ مظاہرہ کرتے ہیں، لوٹ کھسوٹ، توڑ پھوڑ، ظلم و زیادتی تو ان کی فطرت میں داخل ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان پر وہ پیگنڈوں اور غلط الزامات ہی نے خود حقیقت سے پردہ اٹھایا، چنانچہ ان کی کمزور بنیادیں خود بخود منہدم ہو گئیں اور مطالعہ اسلام کا ایک عام رجحان پیدا ہوا، لوگوں نے عملی طور پر اس کے طریقہ ہائے حیات کا تجربہ کیا، بالآخر انہیں معلوم ہوا کہ یہ الزامات مخالفین اسلام کی اسلام دشمنی کا نتیجہ تھے، مذہب اسلام تو امن و سلامتی، صلح و آشتی اور احترام انسانیت کا داعی ہے، دہشت گردی، قتل و غارت گری اور فتنہ و فساد پر رومی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکی تجارتی ادارے ورلڈ ٹریڈ سینٹر اور پنٹاگون پر حملے ہوئے تو بے گناہ افراد موت کے گھاٹ اتارے گئے، پوری دنیا پر سکوت چھا گیا، ریاستہائے متحدہ امریکہ پر ایک لرزہ طاری ہو گیا، اور وہاں کے باشندوں میں خوف و دہشت سا گیا، سائنس و ٹکنالوجی کے میدان میں تفوق و برتری ثابت کرنے والے افراد بھی سخت ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گئے، صورت حال بہت پر خطر تھی، یہودیوں اور عیسائیوں کے حواس باختہ ہو چکے تھے، لیکن مذہب اسلام کے حاملین اسلام

کے سایہ تلے اطمینان و سکون کی سانس لے رہے تھے، وہ راحت و آرام کے ساتھ اپنی کشتی حیات کو آگے بڑھا رہے تھے، چنانچہ اس صورت حال نے دشمنان اسلام کو از سر نو غور کرنے پر آمادہ کیا اور وہ مطالعہ اسلام پر مجبور ہوئے، جب انہوں نے اسلام اور دیگر ادیان و مذاہب کا مطالعہ شروع کیا تو ان کے سامنے اسلام اور دیگر ادیان کا فرق واضح طور پر سامنے آ گیا، اور انہوں نے بے ساختہ اسلام کی صداقت و حقانیت کا اعتراف کیا، صرف اعتراف ہی نہیں بلکہ بڑی تعداد میں حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے، بعض موصولہ رپورٹوں کے مطابق حالیہ طالبین حق کی تعداد وہم و گمان اور ظن و تخمین سے بہت زیادہ ہو چکی ہے، اہل یورپ کے مطالعہ اسلام کے شغف و اشتہاک کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ امریکی اسلامی بک اسٹال سے بہت ہی قلیل مدت میں اسلامی کتابیں ختم ہو گئیں، اور مزید کتابوں کی تلاش جاری ہے، خوش آئند بات یہ ہے کہ متعدد اسلامی تنظیمیں نو مسلموں کو حقیقت اسلام اور اس کے اصول و مبادی سے واقف کرانے کی خاطر کافی تعداد میں اسلامی کتابیں تقسیم کر رہی ہیں۔ علاوہ ازیں داعیان اسلام بھی اس کے تئیں سرگرم ہیں۔

حالیہ نوش کن خبروں میں ایک اہم خبر یہ ہے کہ ابھی برطانوی وزیر خارجہ ”جاک اسٹرا“ کا آکسفورڈ یونیورسٹی کے ریسرچ اسلامک سینٹر میں محاضرہ ہو (Lecture) جس میں انہوں نے بتایا کہ اسلام اور عالم اسلام دونوں قابل احترام ہیں، جملہ ادیان و مذاہب پر اسلام کو تفوق و برتری حاصل ہے، وزیر خارجہ نے مزید کہا کہ یورپ کی حالیہ ترقی مسلمانوں کے اسلامی ثقافت کی دین ہے، جب مسلمان عروج و ارتقاء کے منازل طے کر رہے تھے، اسپین ان کے زیر نگین تھا تو اس وقت یورپ نے ان سے خوب فائدہ اٹھایا، علم و ثقافت، سائنس و ٹیکنالوجی اور دیگر علوم و فنون کے میدان میں انہیں کے چشمے سے سیرابی حاصل کی اور اپنی تشنگی بجھائی۔

اگر ہم سابقہ ادوار پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس سے قبل بھی کئی ذی حیثیت افراد نے اسلامی تہذیب کی فعالیت و اثر پذیری اور اس کے قائدانہ کردار، نیز اس کی اہمیت و افادیت کا کھلے لفظوں میں اکثر مواقع پر اعتراف کیا ہے، یہ بھی حقیقت کی ایک بین دلیل ہے: والفصل ماشہدت بہ الأعداء، حق بات وہی ہے جس کی دشمن

بھی گواہی دیں۔

ذیل میں کویت سے شائع ہونے والے ہفت روزہ جریدہ ”الجمیع“ کے حوالے سے برطانوی وزیر خارجہ ”جاک اسٹرا“ (Jack Straw) کے بعض اعترافات منقول ہیں، وزیر خارجہ نے کہا کہ ”اسلام ہی وہ مذہب ہے جو انسانی زندگی کے جملہ شعبہ جات خواہ وہ ماضی سے متعلق ہوں یا حال سے، ہر ایک کی تشکیل جدید کرتا ہے برطانیہ اور یورپ کی تہذیب جدید میں عالم اسلام کا حصہ وافر موجود ہے اور عالم اسلام تاریخی طور پر علم کے مراکز اور حکمت و عمل کے سینٹروں کی وجہ سے مشہور و معروف ہے، اسلام بنی نوع انساں کے مابین مساوات و برابری کا قائل ہے، وزیر خارجہ نے سکولرازم اور لامذہبیت پر زبردست تنقید کی، اور اسلام پسندوں کی خدمات کو سراہا بھی، انہوں نے کہا کہ سیکولر طاقتیں ہی آج پوری دنیا میں جابرانہ و قاہرانہ رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں، لیکن اہل یورپ اس ناسور سے غافل و بے پروا ہیں۔“

یہ تھے برطانوی وزیر خارجہ کے اسلام کے متعلق اعترافات، اس وجہ سے بھی ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام ہی یورپ کے درپیش مسائل کا حل پیش کر سکتا ہے، آج یورپ میں جو فکری اور روحانی بحران ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کے افراد مستقبل کے بارے مایوس نظر آ رہے ہیں اور ایسے مصائب میں گھرے ہوئے ہیں، جن سے آزادی حاصل کرنا بہت مشکل ہے، اگر وہ اسلام اور اسلامی اصول کو اصل قائد و رہنما مان کر اپنی زندگی کے مراحل طے کریں گے، تو ان کا مستقبل بحال ہوگا، اور انہیں زندگی کا اصل لطف نصیب ہوگا، اور ایک ایسا عالمی نظام وجود میں آئے گا جو دوسروں کے مال کو ہڑپ کرنے کے بجائے ان کو تحفظ اور امن و سلامتی فراہم کرے گا، اور اس سے ان کی زندگی کی چول بیٹھ جائے گی، اور ایک روشن مستقبل ان کے سامنے ہوگا۔



## معاشرہ کی تعمیر میں اسلامی تہذیب کا قائدانہ کردار

روئے زمین کے اکثر باشندے سائنس و ٹکنالوجی کے اس دور میں زندگی اور معاشرہ انسانی کی ترقی کے لئے مغربی تہذیب کو اصل قائد و رہنما تصور کر بیٹھے ہیں، تہذیب حاضر کے متوالوں کا یہ تصور اس سے ان کی گہری دلچسپی کی طرف اشارہ کر رہا ہے، اس کے اکرام و احترام کے وہ اسی طرح قائل ہو چکے ہیں، جس طرح انہوں نے خاک و وطن، رنگ و نسل کو مقدس سمجھ رکھا ہے، اہل یورپ نے تو مختلف قدیم ثقافتوں کو مقدس سمجھا، اسے اپنی زندگی میں برتا اور سائنسی و فکری میدانوں میں ناکام مغربی اقوام و ملل کے نمائندے اس کے شانہ بہ شانہ چلے، اور اس کی نافیعت کی ایسی صدا لگائی جس کی صدائے بازگشت دنیا کے چپے چپے میں سنی گئی، اور بطور دلیل خود ساختہ تاریخی واقعات کو پیش کیا، یہ عمل اس وقت سے بحسن و خوبی انجام پانے لگا جب یورپ اپنی گہری نیند سے بیدار ہوا، اور بالخصوص جب یورپ نے اسپین میں مسلمانوں کے علمی سرمایہ اور مختلف شعبہ ہائے زندگی پر اسلامی کلچر و ثقافت کا بغور مطالعہ کیا تو اس کی نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں، ارسطو کے دور کے متروک علمی سرمایہ کے ضائع ہونے پر انہیں افسوس نہیں ہوا، اور وہ اپنی غفلت و کوتاہی پر ذرا بھی شرمندہ نہیں ہوئے، آج یورپ جو علمی ترقی میں فوقیت و برتری رکھتا ہے وہ سب اسلامی تہذیب ہی کی دین ہے۔

اسلامی تہذیب ایک عطیہ ربانی ہے جو فطرت انسانی کے ساتھ بالکل ہم آہنگ ہے اور اس میں انسانیت کی کامیابی کا راز پنہاں ہے، اور زندگی کے مادی، روحانی، علمی، فکری، معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی پہلوؤں پر مشتمل ہے، اللہ رب العزت نے سیدنا آدم علیہ السلام کی خلافت ارضی

کے توسط سے انسانوں کو اس سے نوازا ہے، خلافت ارضی کے متعلق قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

”وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً، قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ، وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ، قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ، وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ“ (سورہ بقرہ: ۳۰)

**ترجمہ:** اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ ضرور بناؤں گا، فرشتے کہنے لگے آپ زمین میں ایسے لوگوں کو پیدا کریں گے جو فساد کریں گے اور خوریزی کریں گے، حالانکہ ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں اور آپ کی تقدیس کرتے رہتے ہیں، حق تعالیٰ نے فرمایا: میں اُس بات کو جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کا علم دیا، پھر وہ چیزیں فرشتوں کے روبرو کر دیں اور فرمایا: بتلاؤ مجھے ان کے اسماء اگر تم سچے ہو۔

بلاشبہ علم و معرفت کے تعلق سے اللہ رب العزت اور ملائکہ کے درمیان کی گفتگو خدائی تہذیب کی پہلی اساس ہے، انسان اسی خدائی تہذیب کا حاجت مند ہے اور کائنات اور انسانی زندگی کا راز اس میں مضمر ہے اور انسانیت کی نجات بھی اس پر موقوف ہے، یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ علم ہی تہذیب کی بنیاد اور اس کی جڑ ہے اور معاشرہ کی تعمیر میں حُثِ اول کی حیثیت رکھتا ہے، اسی وجہ سے اسلام نے علم کے مقام کو بہت بلند کیا ہے اور اس کے حصول کے لئے تمام ممکن الحصول وسائل اختیار کرنے کی دعوت دی ہے، آقائے مدنی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو علم کی اہمیت پر زور دیا گیا اور اس کی وضاحت بھی کی گئی کہ تہذیب کا مکملہ تعلیم و تربیت ہے۔

علامہ ابن قیم تحریر فرماتے ہیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں: (۱) فرض عین (۲) فرض کفایہ۔ (۱) فرض عین وہ علم ہے جس کا حاصل کرنا انسان پر ضروری ہے، اس کی چند قسمیں ہیں:

(الف) پانچ چیزوں پر ایمان لانے کا علم جیسے اللہ پر ایمان لانا، فرشتوں، رسولوں، نازل شدہ کتابوں اور روز جزاء پر ایمان لانا، جو شخص ان پانچ چیزوں پر ایمان نہیں لاتا ہے وہ مؤمن نہیں کہلائے گا۔

(ب) اسلامی قوانین اور آداب و ضوابط کا جاننا جیسے وضو کرنے کا طریقہ معلوم ہونا، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے شرائط سے واقف ہونا۔

(ج) شریعت اسلامیہ میں جو پانچ چیزیں حرام ہیں ان کا علم ہونا۔  
ان پانچ چیزوں کو قرآنی آیات میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

قل إنما حرم ربي الفواحش ما ظهر منها وما بطن ، والإثم والبغي بغير الحق ،  
وأن تشركوا بالله ما لم ينزل به سلطانا وأن تقولوا على الله ما لا تعلمون .  
(سورہ اعراف: ۳۳)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیجئے! میرے رب نے تمام فحش باتوں کو حرام کیا ہے  
ان میں جو اعلانیہ ہوں وہ بھی اور ان میں جو پوشیدہ ہوں وہ بھی، اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر  
ظلم کرنے کو، اور اس بات کو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ تعالیٰ نے  
کوئی سند نازل نہیں فرمائی اور اس بات کو کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگا دو جس کی تم سند نہ رکھو۔  
(۵) معاشرتی اور اقتصادی مسائل کا علم ہونا۔

(۲) فرض کفایہ وہ ہے جس کا حاصل کرنا سب پر ضروری نہیں، بلکہ اگر اس کو چند افراد  
حاصل کر لیں تو دوسرے لوگوں سے ساقط ہو جاتا ہے، اور وہ یہ ہے جس سے قوم کی زندگی کی مادی  
ترقی وابستہ ہو، جیسے ڈاکٹری، ریاضیات، انجینئرنگ، زمین کی پیمائش، کاشتکاری، بنائی، لوہاری،  
فنیکاری، تجارت اور اس کے علاوہ دیگر علوم ہیں، امت کی ایک جماعت کو ان کے حصول کے لئے  
تن من وھن کی بازی لگا دینی چاہئے، تاکہ قوم کی اقتصادی و معاشی صورت حال مستحکم ہو، اور  
دوسری قوموں سے معاملاتی تعلقات استوار ہو سکیں۔

امام غزالی تحریر فرماتے ہیں کہ فرض عین کے تحت عبادات، اخلاقیات اور کبیرہ گناہوں سے

اجتناب جیسے مسائل آتے ہیں، اور یہ اعمال انسان کی ذاتی شخصیت سے متعلق ہیں، جہاں تک فرض کفایہ کا تعلق ہے تو اس کے تحت امن وامان کے قیام، لوگوں کے مابین صلح و صفائی کا اہتمام، عہدے اور مناصب کی انجام دہی اور ایسے علوم میں مہارت و کمال اور کارگیری داخل ہے جس سے قوم و ملت باسانی عروج پر پہنچے اور دنیا کے تمام باشندے چین و سکون کی ٹھنڈی سانس لے سکیں، اسی وجہ سے فرض کفایہ کے سلسلہ میں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ”جب قوم کے کچھ افراد اس کو انجام دے دیں تو باقی لوگوں سے ساقط ہو جاتا ہے۔“

یہ ایک حقیقت ہے کہ جو معاشرہ ان علمی عناصر سے تشکیل پائے گا وہ زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہوگا، ترقی کی راہ پر گامزن ہوگا، امن وامان کی فضا پیدا ہوگی، نیک بختی اور خیر و سلامتی کا دور دورہ ہوگا، لوگوں کے تعلقات ایک دوسرے سے مستحکم ہوں گے، باہم الفت و محبت اور ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا ہوگا اور خدائے وحدہ لا شریک سے لوگوں کا تعلق مضبوط ہوتا چلا جائے گا، ہدایت کے راستے کھلتے چلے جائیں گے اور انسان اپنے جملہ اعمال میں اللہ ہی سے لولگائے گا، اسی کو مشکل کشا اور خالق و رازق سمجھے گا، اخلاقی اور معاشرتی امراض سے پاک و صاف ہوگا اور ظلم و زیادتی اور حق تلفی سے اس کو غایت درجہ نفرت ہوگی۔

اس وقت لوگوں کے سامنے یہ حقیقت عیاں ہوگی کہ یہ تہذیب و ثقافت انسانی حقوق کی پاسداری کی داعی ہے، حقوق اللہ کی بجا آوری پر ابھارنے والی ہے، ظلم و تشدد، بے گناہوں کے ساتھ قتل و غارت گری اور انسانی معاشرے میں شر و فساد کی تخم ریزی کی شدید مخالف ہے، اس تہذیب کی فطرت تعمیر ہے تخریب نہیں، محبت ہے عداوت نہیں، انصاف پسندی ہے نا انصافی نہیں، اس کے بالمقابل دنیا کی مادی تہذیبیں اور مواقع پرستی پر مبنی نظریات وغیرہ سب قابل مذمت ہیں، کیونکہ ان نظریات میں انسانی منافع و مصالح کی پاسداری کا ذرا بھی لحاظ نہیں، ان میں اعتدال و توازن مفقود ہے، غم خواری اور رحم و کرم سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

آقائے مدنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے معاشرہ کی تعمیر کی مثال اپنے علم و حکمت اور نور و ہدایت سے دی تھی اور کہا تھا کہ ”اللہ رب العزت نے جو علم و ہنر اور نور و ہدایت



مجھے دے کر بھیجا ہے، اس کی مثال اس بارش کے پانی کی طرح ہے جو کسی زمین پر خوب خوب برسا، اس زمین کا ایک حصہ زرخیز اور شاداب تھا تو پانی اندر جذب ہو گیا جس سے پوری زمین سرسبز سے لہلہا اٹھی، اور دوسرا حصہ خشک اور بہت سخت تھا جس نے پانی ذرا بھی جذب نہیں کیا، سطح زمین پر وہ پانی باقی رہا، لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا، اپنے مویشیوں اور چوپاؤں کو خوب پلایا اور پھر اس سے آبپاشی بھی کی، تیسرا حصہ وہ تھا جس نے پانی ذرا بھی نہیں جذب کیا، بلکہ یوں ہی ضائع ہو گیا، پہلی اور دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جنہوں نے میری تعلیمات سے فائدہ اٹھایا، خود عمل کیا اور دوسروں کو عمل کی ترغیب بھی دی، اور تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جنہوں نے میری تعلیمات کی طرف ذرہ برابر بھی توجہ نہیں دی اور جس ہدایت کو لے کر میں مبعوث کیا گیا ہوں اس کو قبول نہیں کیا۔“

اسلامی معاشرہ ایمان و عمل کے بہترین امتزاج کا معاشرہ ہے، جسم و روح کے اجتماع کا معاشرہ ہے، دین و دنیا کی نیکیوں سے نوازنے والا معاشرہ ہے، اس میں زندگی کے جملہ شعبہ جات کا حل موجود ہے، سختی و نرمی، راحت و آسانی، خوشحالی و پریشانی، صلح و آشتی، جنگ و جدال اور معرکہ آرائی، فقر و محتاجی اور دولت و مالداری، غرض یہ کہ ہر درد کا درماں اور ہر زہر کا ترياق اسی اسلامی تہذیب میں موجود ہے۔ اس لئے یہ تہذیب ایک نمونہ والی تہذیب ہے اور تاقیامت رہے گی، ایسا اس وجہ سے کہ یہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔

فطرة الله التي فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله. (روم: ۳۰)

**ترجمہ:** یہ اللہ کی تخلیق کردہ فطرت ہے، جس پر اس نے لوگوں کو وجود بخشا ہے، اور اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلامی تہذیب ہی معاشرہ کی تعمیر میں قائدانہ کردار ادا کر سکتی ہے، کیونکہ اس کی سرحد علم و ایمان سے ملتی ہے، اخلاقی قدریں اس کے ماتحت ہیں اور ہر زمان و مکان کے ساتھ ہم آہنگ اور سیدھے راستہ کی رہنمائی اسی میں ہے۔

وَأَنْ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السَّبِيلَ فَتَفْرُقَ بَكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ،

ذلکم وصاکم بہ لعلکم تتقون (سورۃ انعام: ۱۵۳)

**ترجمہ:** اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور دوسرے راستوں پر نہ چلنا، کہ وہ راستے تمہیں اللہ کے راستہ سی جدا کر دیں گے۔ ان باتوں کا خدا تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔



## اسلام امن و سلامتی کا مذہب

دعوتِ اسلامی سابقہ ادوار میں مختلف مراحل سے گزری، کثرت سے نشیب و فراز سے دوچار ہوئی، باوجود مخالف نے کئی بار اسے روکنے کی ناپاک کوشش کی، لیکن بقول شاعر:

روکے طلوع صبح یہ کس کی مجال ہے  
خود رات کہہ رہی ہے کہ ہونے کو ہے صبح

حق تعالیٰ شانہ نے ہر دور میں اسلام کی حقانیت و صداقت کو واضح کرنے کیلئے چند جاں فروشوں کو دنیا میں بھیجا جنہوں نے کھرے کھوٹے کافرق واضح کیا، رطب و یابس میں تمیز پیدا کی، نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں از سر نو اسلامی بیداری کی لہر دکھائی دینے لگی، یاس و قنوطیت میں زندگی بسر کرنے والوں کے دل کی کھیتی لہلہا اٹھی، اور پوری دنیا اسلامی نہج اور نظام زندگی کو قبول کرنے پر آمادہ نظر آنے لگی۔

اس اسلامی بیداری اور قبول اسلام کے بڑھتے ہوئے رجحان کا اثر یہ ہوا کہ پوری دنیا بالخصوص یورپ و امریکہ کے ملحدوں نے مذہب اسلام کا بنظر غائر مطالعہ کیا اور اسکے ارکان و عبادات سے گہری واقفیت حاصل کی، بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اسلام ہی انسانیت کو شقاوت و تیرہ بختی سے نکالنے کا ضامن ہے، دیگر ادیان و مذاہب کے اندر یہ صلاحیت مفقود ہے، چنانچہ وہ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے، لیکن جب اہل یورپ کے خود ساختہ نظریات کی ناکامی سامنے آئی، اور روشن خیال انسان بھی اپنے افکار کی دنیا میں صحیح سمت سفر نہ کر سکا، اور اسے اپنے نفع و نقصان کا احساس بھی جاتا رہا، تو اس وقت قبول اسلام کا یہ رجحان تیز تر ہو گیا۔

جب اسلامی وغیر اسلامی ممالک میں کثرت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے، مدارس و مساجد کا قیام عمل میں آنے لگا، گرجا گھروں کو اسلامی عبادت گاہوں کی شکل دی جانے لگی، نئی نسل کی تعلیم و تربیت اور ان کے ایمان کی حفاظت کے مختلف ذرائع اختیار کئے گئے تو رہنمایان یورپ اور مادی تہذیب کے علم برداروں کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ اگر یہ ”قدامت پرست“ افراد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے تو عالمی قیادت کی لگام ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی اور ایسے افراد کے ہاتھوں پہنچ جائے گی جو ہماری چودھر اہٹ اور سیادت و قیادت کیلئے خطرہ کا باعث ہوں گے، اقبال علیہ الرحمۃ کی زبانی ان کا یہ دعویٰ ہے کہ ۔

ہے اگر کوئی خطر مجھ کو تو اس امت سے ہے  
جس کے خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو

چنانچہ جب اس خوف نے ان کو حد سے زیادہ پریشان کیا تو وہ اسلامی دعوت کی راہ میں آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے، اور نوع بنوع کی شرانگیزی شروع کر دیں، انہوں نے اپنی ناپاک سازشوں کے ذریعہ یہ طے کیا کہ اسلام کو فقط دینی اعداد و شمار والے خانہ میں رکھ دیا جائے، اور لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ جمہوریت ہی یورپ کی جڑ اور بنیاد ہے، اور یہاں کے ہر فرد کو آزادی رائے حاصل ہے، انہوں نے اس کو عملی شکل دینے کے سلسلہ میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، لیکن ان کی یہ ریشہ دوانیاں صدائصحرا ثابت ہوئیں، اور جب نو مسلموں کے ذہن و دماغ میں اسلامی عقیدہ کی حقیقت و صداقت راسخ ہو گئی، تو ان کا ایمان مثالی اور قابل نمونہ بن ہو گیا، ایک لمحہ کیلئے بھی انہوں نے دینی فرائض سے دستبردار ہونا گوارا نہیں کیا، جبکہ اعدائے اسلام کی یہ سازش عالمی و آفاقی ہونے کے ساتھ ساتھ خطرناک بھی تھی، وہ اسکو ایسی خفیہ حکمت عملی سے انجام دے رہے تھے کہ کسی کو یہ احساس تک بھی نہ ہو کہ اسکے پس پشت شجر اسلام کی تیغ کئی ہے، اس مقصد کی تکمیل کیلئے انہوں نے کافی غور و خوض کے بعد دہشت گردی کی اصطلاح نکالی، یورپ میں قیامت صغریٰ کا جو منظر نامہ سامنے آیا،<sup>(۱)</sup> اس سے پوری دنیا واقف ہے، اور وہ قرآن کی اس آیت کا

(۱) اشارہ ہے ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی عمارت پر حملہ کی طرف۔

مصدق بھی ہے جس کی حقیقت کچھ یوں بیان کی گئی ہے ارشاد باری ہے:

یوم تذہل کل مرضعة عما أرضعت ، وتضع کل ذات حمل حملها ،  
وتری الناس سکاری ، وماہم بسکاری ، ولكن عذاب اللہ شدید (حج: ۲)  
ترجمہ: جس روز تم اس زلزلے کو دیکھو گے، اس روز تمام دودھ پلانے والیاں  
(مارے ہیبت کے) اپنے دودھ پیتے بچہ کو بھول جائیں گی، اور تمام حمل والیاں اپنا حمل (پورے  
دن ہونے سے پہلے) ڈال دیں گی، اور اے مخاطب تجھ کو لوگ نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے،  
حالانکہ وہ واقعی نشہ میں نہ ہونگے، لیکن اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز۔

یورپ میں اس واقعہ کے پیش آتے ہی قائدین یورپ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو  
اس حملہ کا مجرم بتایا اور اسکے انصاف پسند قائد کو دہشت گرد ثابت کیا جبکہ اسکے ایک ہاتھ میں جام  
شریعت ہے تو دوسرے ہاتھ میں سندان عشق، اور جو اپنے ملک میں اسلامی شریعت کے نفاذ کا  
خواہاں ہے، چنانچہ رہبران یورپ نے محض قیاس آرائیوں پر اعتماد کر کے اور دہشت گردی کے  
خاتمہ کا لیبل لگا کر اس ملک کے خلاف کارروائی کرنی شروع کر دی اور تمام عسکری طور و طریق  
استعمال کئے، اور ایک اسلام پسند حکومت کے باشندوں کے خلاف ظالمانہ کارروائیاں جاری  
رکھیں، ان کا جرم جیسا کہ گذر چکا صرف یہ تھا کہ وہ عالمی پیمانہ پر شریعت اسلامی کا نفاذ چاہتے تھے  
اور وہ ظالم و جابر حکمرانوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے، ان کا مقصد بلند صرف یہ تھا کہ اسلام کا  
نظام امن و سلامتی پوری دنیا میں رائج ہو، لوگوں کے دلوں سے ظلم و تشدد کا خوف جاتا رہے، اور  
پوری دنیا پر جم اسلام کے تلے چین و سکون کی ٹھنڈی سانس لے سکے، آج کے اس ناگفتہ بہ اور  
نازک حالات میں اگر امید کی کوئی کرن پھوٹی دکھائی دیتی ہے تو وہ آفتاب اسلام کی کارفرمائی کا  
مظہر ہے جو ضلالت و جہالت کے اس گھٹا ٹوپ ماحول میں شمع اسلام کو جلا کر ”بیاباں کی شپ  
تاریک میں قندیل رہبانی“ کا منظر پیش کر رہا ہے۔

اسلام کے خلاف اعداء اسلام کا مقصد اسکے علاوہ اور کچھ نہیں کہ اسلام کا بالکلیہ خاتمہ  
کر دیا جائے، قبول اسلام کے بڑھتے ہوئے رجحان پر اپنی دیوار کھڑی کر دی جائے، اس طرح

ہدایت کے جو یا اور اس کی تلاش میں سرگرداں افراد کا تناسب اتنا کم ہو جائے کہ وہ معدوم سے ہو جائیں، یہی وجہ ہے کہ امریکی صدر جارج بوش نے ان اذیت رساں حملوں کو صلیبی جنگ قرار دیا ہے، اور پورے وثوق کے ساتھ کہا ہے کہ آثار و قرائن اس بات کے گواہ ہیں کہ یہ جنگ بہت طویل ہوگی، اور اسی وقت ختم ہوگی جب ان نام نہاد ”اسلامی“ حکومتوں کا دنیا سے خاتمہ ہو جائے، صرف پسائی اور ہزیمت، ہتھیار ڈالنے اور اپنے موقف کو بد لکر پیش کرنے سے یہ جنگ ختم نہیں ہوگی۔

الاخوان المسلمون کے سابق قائد و رہنما شیخ مصطفیٰ مشہور ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

”یہ نئی خوفناک جنگ بدترین سامراجی شکل میں رونما ہوئی، جس نے مسلم ممالک کو مختلف فکروں میں تقسیم کر دیا، اور ان کی سر زمین میں اپنا ناپاک تسلط قائم کرنا چاہا، مسلمانوں کے عقیدہ کو زک پہنچانے، ان کے افکار کو بدلنے، ماتحتی اور غلامی کے بیج بونے کیلئے مختلف قسم کے حربے استعمال کئے، لیکن مسلمانوں بالخصوص اہل عرب نے کبھی کسی کی ماتحتی قبول نہیں کی، اور دین و مذہب، عزت و آبرو اور اپنی غیر معمولی شرافت و نجابت کے بارے میں حقارت و ذلت کو انگیز نہیں کیا، اور اسلام کے ہر دشمن کو زیر کرنے، اسکی طاقت کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، زندگی کے تمام شعبوں میں آزادی رائے اور آزادی فکر کی بحالی کی خاطر تن من دھن کی بازی لگادی، اور اس میں رنگ و نسل، ذات و پات، چھوٹے بڑے، اور کالے گورے کا ذرہ برابر بھی فرق نہیں کیا،“ (۱)

معاشرہ میں امن و سلامتی کی اشاعت، الفت و محبت کو پھیلانے اور بغیر کسی فرق و امتیاز کے اخلاقی اقدار اور اعلیٰ نمونوں کو عام کرنے اور بیشمار خصائص و امتیازات کو اپنانے میں اسلام کے قائدانہ کردار سے تاریخ بھری پڑی ہے، اور دنیا سے اسلام کا گوشہ جو دو کرم اور عزت و شرافت

(۱) رسالۃ الاخوان شماره: ۲۵۱- رجب ۱۴۲۲ھ

بھی مخفی نہیں ہے، بلکہ ہر کس و تا کس کے سامنے اس طرح عیاں ہے جیسے روشن سورج اور چمکتا چاند ہوتا ہے، وہ اس بات کا غماز ہے کہ اسلام کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں، سب سے بڑا دہشت گرد وہ امریکہ ہے جس نے مختلف مقامات پر جاں سوزی اور قتل و غارتگری کا طوفان برپا کر رکھا ہے، اور اس نے دہشت گردی کے خاتمہ کا جو پُر فریب لباس پہن رکھا ہے وہ اسکی سیاسی بازیگری کا نتیجہ ہے، اور لوگوں کو گمراہ کرنے کا ایسا ذریعہ ہے، جو ان کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے، جبکہ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ حالیہ حملوں کا خاص مقصد اسلام اور مسلمانوں کا روئے زمین سے خاتمہ ہے، جنکا جرم قرآن کی زبانی یہ ہے کہ:

وَمَانَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ، الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ. (بروج: ۸-۹)۔

**ترجمہ:** یہ لوگ مسلمانوں کے کسی اور گناہ کا بدلہ نہیں لے رہے تھے، سوائے اس کے کہ وہ اللہ غالب لائق حمد کی ذات پر ایمان لائے تھے، جس کے لئے آسمان و زمین کی ملکیت ہے اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور جب تک یہ کتاب باقی رہے گی، اسلام کا سورج چمکتا رہے گا اور چار دانگ عالم میں کلمہ اسلام کا بول بالا ہوتا رہے گا، اور اس کو کوئی مادی طاقت روک نہیں سکتی۔







## اسلام اور امنِ عالم

موجودہ دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا ہے، انسانی معاشرہ میں مختلف قسم کے علوم و فنون رائج ہیں۔ اس میں تہذیبوں اور ثقافتوں کی کثرت ہے، زندگی زبردست انقلابات کا محور بن گئی ہے۔ ذرائع ابلاغ نے تو غیر معمولی اہمیت حاصل کر لی ہے اور پوری دنیا کو ایک چھوٹے سے گاؤں میں سمیٹ دیا ہے۔ لیکن ان تمام خصوصیات کے باوجود دنیا کے پاس کوئی ایسا کامل نظام حیات اور ضابطہ زندگی نہیں جو انسان کو مثالی انسان بنائے، صورت حال اتنی دگرگوں ہے کہ انسانی اقدار اور اعلیٰ طرز حیات زوال پذیر ہیں۔ ذاتی نفع اندوزی، مصلحت کوشی اور منافع و مفادات کا دور دورہ ہے۔ دور حاضر کا انسان تمام حدود و قیود سے آزاد ہو گیا ہے۔ بے حیائی اس کا وطیرہ بن گئی ہے۔ انسانی فضائل و مکارم کے خلاف وہ برسرِ پیکار ہے۔ خون آشام جنگیں بنائے حیات کو تہ و بالا کر رہی ہیں۔ تعلقات انسانی کو گھن لگ گیا ہے۔ اخلاقی تربیت کے حلقے اپنی غیر معمولی افادیت کا ثبوت پیش نہیں کر پا رہے ہیں۔ اس کی جگہ چند ایسے عناصر اور بے حیثیت افراد نے لے لی ہے جو فتنہ و فساد، موقع پرستی اور انسانیت کے ساتھ بے جا استحصال کے علمبردار و مبلغ ہیں۔

عالمی پیمانہ پر اگر موجودہ صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ زمانہ جاہلیت پھر عود کر آیا ہے۔ تاریخ نے اپنی ڈائریکٹری میں ایسے واقعات و شواہد ریکارڈ کئے ہیں جو انسانیت کے لئے باعثِ ننگ و عار ہیں۔ عالم انسانیت کی تہذیبوں کا یہ حال ہے کہ وہ خود اخلاق و شرافت کا جنازہ نکال رہی ہیں۔ محبت و مودت، عزت و حشمت کے تمام لباسوں کو تار تار کر رہی ہیں، ان تہذیبوں نے انسان کو ایسا خود غرض اور مفاد پرست بنا دیا ہے کہ وہ بظاہر معاملات کی انجام دہی

میں اخلاص و ایثار کا نمونہ بن کر سامنے آتا ہے لیکن باطن عداوت و دشمنی کا بیج اپنا کام کرتا دکھائی دیتا ہے، یہ بات صرف افراد کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ قومیں اور جماعتیں بھی اس کے نشانہ پر رہی ہیں۔ ایسے پرخطر ماحول میں ہر شخص کو اسلام کا ممنون احسان ہونا چاہئے، کیونکہ اسکے اندر زمانہ کے میزان کو سمجھنے کی بدرجہ انعم صلاحیت موجود ہے۔ وہ ایک عالم گیر اور ابدی مذہب ہے۔ اس نے انسانیت کی ایسے وقت میں دستگیری کی ہے جب وہ صلاح و فلاح، محبت و مودت اور یقین کامل کے متاع گرانمایہ سے محروم تھی۔ یہی دراصل انسانیت کا مرکز انقلاب تھا اور مختلف زمان و مکان کے لحاظ سے وضع کردہ دستور کے بالمقابل تاریخ انسانی کا ایک تہذیبی عطیہ تھا، اس کا واضح نمونہ اس وقت مجسم شکل میں ابھر کر سامنے آیا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا کہ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ اس کی فطرت اس پر تشکیل ہوئی ہے کہ وہ دوسرے پر ظلم نہ کرے، اس کو بے سہارا نہ چھوڑے، اس کو تحقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے، ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کے خون، عزت اور مال و دولت کا تحفظ کرنا واجب ہے۔ اس پر دست درازی حرام ہے۔ اسی بات کو ایک دوسری حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان کے باہمی لطف و کرم، رحمت و الفت اور محبت و مودت کی مثال ایک جسم واحد کی ہے۔ جب جسم کے کسی خاص حصہ میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم بے خوابی اور بخاریں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسلام کے یہی وہ تہذیبی اصول ہیں جن پر اتحاد و یگانگت اور محبت و الفت کی بنا قائم ہے۔ انہیں خصوصیات کے پیش نظر امت مسلمہ کو عالمی قیادت کا منصب جلیل عطا کیا گیا۔ اس کی یہ سرداری کسی خاص مقام، کسی متعین طبقہ اور کسی مخصوص علاقہ کے لئے محدود نہیں، بلکہ پوری انسانیت اس کے علم قیادت ہی کے نیچے قیامت زندہ و تابندہ رہے گی اور بروز قیامت اس کو اپنی ذمہ داری کا حساب دینا ہوگا۔

جب تک مسلمانوں نے اس ربانی تہذیب کو اپنے سینے سے لگائے رکھا اور وہ عبادات، معاملات، اخلاقیات اور جملہ شعبہ حیات میں اس کی شمع سے روشنی حاصل کرتے رہے، اس وقت تک وہ قوموں کے امام رہے اور پوری دنیا میں امن و سلامتی، محبت و آشتی کے روح پرور عطربیز جھونکے چلتے رہے اور بادئیم کی مشکباری رہی۔

اسلاف کرام نے مرویر زمانہ کے ساتھ عالمی پیانہ پر جو زبردست کامیابیاں حاصل کیں اور انھیں جو طاقت و قوت حاصل ہوئی، ان کے وجود مسعود سے جو کارہائے نمایاں انجام پائے، ان تمام کاوشوں کے پیچھے اسی تہذیب الہی کی کارفرمائی تھی۔ بعد کی صدیوں میں علمائے سلف کے تابعین بھی اس راستہ پر چلتے رہے۔ عقیدہ توحید کی اشاعت، اسلام کی دعوت کو عام کرنے اور اسلامی اخوت کی آواز کو ہر خاص و عام تک پہنچانے میں کوشاں رہے، لیکن مادی تہذیب کے متوالوں اور ضلالت و گمراہی کے ٹھیکیداروں کے لئے یہ حقائق کڑوے کیلے سے بھی سخت ثابت ہوئے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے باطل افکار اور زہر آلود خیالات کو معاشرۂ انسانی میں منتقل کرنا شروع کیا، خود ساختہ نظریات وضع کئے۔ اخلاق حمیدہ کو شر و فساد سے بدلا، امن و سلامتی کو چھوڑ کر بے چینی اور ڈہنئی الجھنوں نے فروغ پایا، محبت کے بجائے دشمنی کے بیج بوئے، اس سے ان کا صرف یہی مقصد تھا کہ لوگوں کے دماغ لایعنی جشوں میں الجھے رہیں۔ ان کے جذبات سرد ہو جائیں۔ وحدت اسلامی منتشر و پرانگندہ رہے اور قوم مسلم ٹکڑوں میں بٹی رہے۔ اسی اثناء میں یورپ کے عیسائیوں کے دلوں میں چھپی ہوئی عداوت جاگ اٹھی اور انھوں نے انتقام کے جذبہ سے اپنی تیاریاں شروع کر دیں، چنانچہ پانچویں صدی ہجری کے آغاز ہی میں پورا یورپ عالم اسلام کے خلاف کھڑا ہو گیا اور چند ہی دنوں میں صلیبی لشکر ملک شام میں اپنے پورے کروفر کے ساتھ داخل ہو گیا اور رفتہ رفتہ وہاں کے شہروں پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پانچویں صدی کے اواخر میں انھوں نے بیت المقدس پر بھی قبضہ کر لیا اور وہاں کشت و خون کی ایسی نہریں بہائیں جن کی مثال تاریخ کے اوراق میں بڑی مشکل سے ملے گی۔

اس نازک صورت حال نے مسلمانان عالم پر یاس و ناامیدی کے شامیانے کھڑے کر دیئے تھے، تاہم یہ مایوسی ایسی نہیں تھی کہ اس کے لبادہ کو تار تار نہ کیا جاسکے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے اس فتنہ کے استیصال اور مسلمانوں پر چھائی ہوئی غفلت و مایوسی کو دور کرنے کے لئے چند باغیرت و باحمیت نوجوانوں کو وجود بخشا۔ مشیت ایزدی نے صلیبی طاقتوں کو توڑنے، ان کو پسپا کرنے نیز بیت المقدس کو بازیافت کرانے کے لئے انھیں ایسی توفیق کامل سے نوازا تھا کہ صلیبوں کے ۹۰ سال تک بیت المقدس پر قابض رہنے کے باوجود انھوں نے اس کو ان کے چنگل

سے آزاد کرانے ہی راحت کی سانس لی اور صلیبیوں کو بری طرح شکست فاش سے دوچار ہونا پڑا۔ اس ظاہری و باطنی ہزیمت نے صلیبیوں کے کان کھڑے کر دئے اور انھوں نے ہمت سے کام لیا، یہی وجہ ہے کہ صلیبی عداوت کی چنگاری بدستور شعلہ زن رہی اور وقتاً فوقتاً سر اٹھاتی رہی۔ دریں اثناء تاتاریوں کا وہ دلدوز واقعہ پیش آیا جس نے پورے عالم اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور پوری دنیا کو دم بخود کر دیا، نتیجتاً جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو تقدیر الہی کا فیصلہ یہ ہوا کہ جو قوم اسلام اور عالم اسلام کا شکار کرنے آئی تھی وہ خود اسی دام میں پھنس گئی بلکہ اسلام کی روشنی سے ان کے راستے منور ہونے لگے۔ اگر حقائق کی دنیا میں جا کر واقعات کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس تاتاری فتنہ کو ہوا دینے میں بھی انہیں بدطینت صلیبیوں کا ہاتھ تھا۔

ان صلیبیوں کو جب جنگی پیانہ پر غیر معمولی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تو انھوں نے اپنی حکمت عملی میں تبدیلی کی اور ثقافتی اعتبار سے مختلف روپ میں اسلام کے قلعہ پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ کبھی تو سامراجیت کے بھیس میں، کبھی مسلمانوں ہی میں اختلاف و انتشار کو ہوا دے کر اور کبھی آپسی عداوت و دشمنی کی آگ کو شعلہ زن کر کے، کبھی افراد کو مختلف گروپوں میں تقسیم کر کے اور کبھی نوجوان طبقہ میں شکوک و شبہات کی تخم ریزی کر کے، غرض یہ کہ مختلف حالات میں متنوع طریقہ یلغار استعمال کئے، ابھی ایک دہائی قبل ایران و عراق اور افغانستان و روس کی جنگیں ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ سرزمین فلسطین میں زعمائے یہود اور پوری یہودی لابی کے ہاتھوں تخریب کاری اور ظلم و بربریت کا جو جنون مسلسل جاری ہے، وہ بھی دنیا کی نظروں سے اوجھل نہیں۔

آج ہم عالمی پیانہ پر بغض و عداوت کے آتش فشاں پر کھڑے ہیں۔ اس نازک ترین دور میں اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو انسانیت کے لئے نجات کا باعث ہے اور سکون و اطمینان عطا کرنے کا ضامن ہے۔ لہذا یہ ضروری ہو گیا ہے کہ ہر شخص اسی کا سہارا لے، پورے خلوص و لہیت کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرے۔ آج دنیا میں اعتدال و توازن کی کتنی ضرورت ہے؟ راستی اور صلاح کی کتنی کمی ہے؟ ہماری معاشرتی زندگی اور معاشرے میں کمزوری کا جو تناسب ہے اس کی اصلاح کا کتنا شدید تقاضا ہے؟ اس سے ہر عقلمند شخص واقف ہے۔

## اسلام کا نظریہ تعلیم و تربیت

انسانی معاشرہ میں انسان کو بلند مقام دینے اور عزت و سر بلندی کے سدرۃ المنتہی تک پہنچانے میں نظام تعلیم و تربیت کا اولین کردار رہا ہے، یہ تعلیمی نظام اپنی مختلف صورتوں اور شکلوں اور اجتماعی و تمدنی مختلف طریقوں کے ساتھ انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں ہمیشہ جلوہ گر رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ جو لوگ علم کی اہمیت اور اس کے مقام بلند سے پوری طرح واقف ہیں، وہ ہمہ وقت اس فکر میں رہتے ہیں کہ ان کے معاشرہ اور خاندان کے افراد شراب علم کی لذت سے آشنا اور تہذیبی و ثقافتی سرگرمیوں اور اخلاقی و اجتماعی تعلیمات سے بھرپور طریقہ پر مستفید اور بہرہ ور ہوں، تاکہ ان کو موجودہ انسانی معاشرہ میں اور عالمی پیمانہ پر تمدنی و ثقافتی حلقوں میں اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا ممکن اور آسان ہو سکے۔

یہ تعلیمی اور تربیتی شعور و ادراک ایک بشری خاصہ، ابن آدم کا فطری مزاج اور لازمہ زندگی ہے، جو ہر انسان کے ساتھ وابستہ رہتا ہے اور اس کو علم دوستی، علماء پروری اور ان مردانِ کار سے محبت و الفت پر ابھارتا رہتا ہے، جنہوں نے اس میدان میں اپنے ذہن و دماغ کی بلند پروازیاں اور فکر و تخیل کی جولانیاں دکھائیں، علم و فن اور تہذیب و ثقافت کے احیاء و ترقی میں اپنی کد و کاوش اور سخت کوشی و جانفشانی کا آخری قطرہ نہچوڑ کر دنیائے علم میں لافانی نقوش چھوڑے اور دامنِ درمے، قدمے، سخنے، فکے، اپنی عزیز ترین متاع حیات کو اسی علم کے لئے وقف کر دیا اور حالات و مواقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی انفرادی، اجتماعی، اخلاقی، تہذیبی و ثقافتی اور زندگی کے مختلف گوشوں میں علم کا نفع رسانی اور اثر آفرینی کا یقین دل کی گہرائیوں میں پیدا کیا۔

شاخ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم

عام طور سے علم کے متعلق یہ خیال پایا جاتا ہے کہ علم ہی اچھا انسانی معاشرہ اور بہترین انسانی سوسائٹی کی تشکیل کر سکتا ہے علم ہی ہے جو دلوں کو فضائل سے آراستہ، رزائل سے پاک اور زندگی کو مکامِ اخلاق سے مزین و مشائستہ بنا کر انسانی اقدار کی حفاظت اور اس کی قیمت و وقعت میں اضافہ کر سکتا ہے۔

اسلامی زندگی کا قصر بلند بھی روز اول سے علم ہی کی پختہ بنیادوں پر قائم ہے، اخلاق و کردار اور اسلامی سیرت و سلوک کا سرچشمہ بھی علم ہے، یہی علم ایک ایسا ممتاز دستور زندگی و وجود میں لاتا ہے جس کے جلوے ہر طرف بکھرے ہوئے، اور جس کی برکتیں ہر جہت پھیلی ہوئی ہیں، اور جو چمنِ انسانیت کو اپنے چشمہ شیریں کے آبہائے حیات کے ذریعہ سرسبز و شاداب اور گل و گلزار بنائے رکھتا ہے، اس کا یہ چشمہ حیوان نہ کبھی پایاب ہونے والا ہے اور نہ اس کی فیض رسانی میں کبھی کمی آسکتی ہے۔

اسلام نے علم کی مختلف صورتوں اور شکلوں کو انسان کی خواہیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے، اسے زیادہ سے زیادہ جلا بخشنے اور تعمیر و ترقی کی راہ میں مرکوز کرنے پر زور دیا ہے۔

اسلام کی قائم کی ہوئی تہذیب و ثقافت دراصل زندگی اور معاشرہ کی تمام مادی اور معنوی تقاضوں کو شامل اور انسان کی نفسیاتی اور عقائدی تمام ضروریات کی مستکفل اور ذمہ دار ہے، وہ اپنی بے پایاں نوازش اور لامحدود عطا و بخشش کے ذریعہ زندگی کو با مقصد بناتا ہے، جس زندگی کا مٹح نظر انسان سازی اور دنیا کی خوشحالی و فارغ البالی کے لئے کوشش کرنا ہے، نیز زندگی کا اولین مقصد یہ ہے کہ ہر زمانہ اور ہر علاقہ میں ایمان، امن و امان، اخوت و محبت اور بھائی چارگی، الفت کے جذبات کو فروغ دیا جائے اور ایسی فضا قائم کی جائے جس میں انسانی اقدار کی حکمرانی ہو، محبت و پیار کے نغمے الاپے جائیں اور انسان دوستی اور امن پسندی کے زمزمے بلند ہو رہے ہوں۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام جس علم کی ستائش کرتا ہے، اور جس پر معاشرہ اور تہذیب و تمدن کی عمارت قائم ہوتی ہے، اس کے کچھ حدود ہیں، کچھ نقوش اور کچھ اصول ہیں، اور کچھ قواعد و کلیات بھی، ساتھ ہی ساتھ وہ ایک روشن، تابناک اور گہرا نقطہ نظر بھی

رکھتا ہے جس کے چشمے ایمانِ خالص اور دینی عقیدہ سے پھوٹتے ہیں، اس علم کے حاملین بھی اسی صاف شفاف چشمہ سے سیراب ہو کر علم کے آبدار جواہرات اور لوہو و مرجان دنیا کے سامنے بکھیرتے ہیں، اور اسی کی روشنی میں اپنے ان اصول و ضوابط کو وضع کرتے ہیں جو علم و فن اور تہذیب و ثقافت کی نشر و اشاعت میں مدد و معاون ثابت ہو سکیں، اور ان کے ذریعہ علمی و تربیتی پروگرام میں جن وسائل و ذرائع کا ہونا از بس ضروری ہے، اس کا پتہ چل سکے، نیز ان کے یہ اصول و ضوابط امت کی سب سے بڑی ذمہ داری امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ کی اوائلیگی میں فائدہ مند ہوں اور اس کو سہولت بہم پہونچا سکیں۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمان اپنے خاص نظامِ تعلیم و تربیت کے لحاظ سے ہمیشہ ممتاز اور فائق رہے ہیں، انھوں نے مختلف یونیورسٹیاں اور تہذیبی و ثقافتی مراکز قائم کئے، جن کو حالات و کوائف کے مطابق پوری آزادی کے ساتھ وہ جملہ ممکن الحصول وسائل کے ذریعہ چلاتے رہے ہیں، اس کے انتظام و انصرام میں کسی قسم کی پابندی اور ان پر کسی قسم کا دباؤ کسی دوسری جانب سے قطعاً نہ تھا۔ اور نہ کسی طبقہ کی طرف سے ایسے الزامات ان پر عائد تھے جو ان کے نظامِ تعلیم کے مزاج کے منافی اور ہم آہنگی کی روح کو نقصان پہونچاتے ہوں، کیوں کہ یہی وہ روح ہے، جو ہر نظامِ تعلیم کی خصوصیت اور مابہ الامتیاز وصف ہے اور جو اس کے پورے جسم میں ہر دقت گردش کرتی رہتی ہے۔ اسلامی تعلیمات، انسانی علوم و فنون اور آفاقی و کائناتی اسرار و مقاصد کی گرہ کشائی اور جدید سے جدید اکتشافات دریافت کے سلسلہ میں کسی قسم کی حد بندی کی قطعاً قائل نہیں ہیں۔ بلکہ یہ تعلیمات علوم کے سمندر بے کنار میں غواصی کرنے اور قیمتی سے قیمتی گوہر تابدار نکال کر دنیا کے سامنے پیش کرنے کی دعوت دیتی ہیں اور اس راہ کی دشواریوں سے نبرد آزما ہونے میں اپنے متبعین کی پوری مدد کرتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی زندگی کے عروج و کمال کے لئے انسانی اور دینی دونوں قسم کے علوم کی یکساں ضرورت ہے، اسلامی زندگی اپنی افادیت اسی وقت ثابت کر سکتی ہے جب وہ ان علوم کے درمیان صحیح توازن قائم رکھے، اور کائناتی و آفاقی دلائل قدرت اور اسرار و رموز کی نقاب کشائی کے لئے ہمہ وقت کوشاں اور سرگرداں رہے۔





## ہندوستان کی قدیم اسلامی صحافت کے دو نمونے

اسلامی صحافت چند دینی موضوعات پر مشتمل تحریروں اور نگارشات سے عبارت نہیں، بلکہ کائنات، زندگی اور انسانیت کے تمام پہلوؤں تک ممتد ہے، خواہ وہ ثقافتی ہوں یا سیاسی، معاشرتی ہوں یا تمدنی، ہندوستان کی اسلامی صحافت دوسرے ممالک کی طرح اخلاقی و ادبی رجحانات کے فروغ میں بڑی معاون رہی، سیاست و معاملات دونوں شعبوں کو اس نے غایت درجہ متاثر کیا۔ فکر اسلامی کی ترویج اور باشندگانِ وطن کے فنی معیار کو بلند کرنے میں اس کا کردار عالم آشکار ہے۔ مادیت کا سیلاب جب بڑھا اور مغربیت کے طوفان بلاخیز نے لوگوں کو خس و خاشاک کی طرح بہانا شروع کیا تو یہی صحافت ہند کی حیثیت سے انکے تحفظ کا ذریعہ بنی، اور اس نے ملحدانہ خیالات سے ملک بالخصوص مسلم قوم کو دور رکھا، اسی کا ثمرہ ہے کہ ملک اور خارجی دنیا کو انشاء پر دازوں، مصنفین اور مؤلفین کی ایسی جماعت ملی جس نے علم و ادب کی سبیل لگادی اور نسل نو کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا۔

برصغیر ہند و پاک میں ہفت روزہ ”صدق“ ایک علمی جریدہ تھا، اسکے چیف ایڈیٹر جناب مولانا عبدالماجد دریابادی تھے، انہوں نے ۱۹۲۵ء میں ”سچ“ کے نام سے اسلامی صحافت کی داغ بیل ڈالی، بعد میں وہ رسالہ ”صدق“ اور ”صدق جدید“ کے نام سے پابندی سے شائع ہوتا رہا۔ ۸ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ عوام و خواص دونوں میں بہت مقبول تھا، لوگ اس سے استفادہ کے لئے سراپا شوق ہوتے تھے۔ اس کی مضمولات میں ملکی اور بیرونی سیاست، عالمی حالات، اخلاقیات اور معاملات نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ مولانا کا قلم صدق رقم حق گوئی و بے باکی کی صفت سے متصف تھا۔ جرأت مند انداز میں سیاسی حالات پر تبصرہ کرنا، لادینی کلچر سے بیزار کرنا، اسلامی

تہذیب سے ہر مسلمان کے رشتہ کو استوار کرنا، یہ اور اس طرح کی اخلاقی قدریں مولانا کی صحافت کا نمایاں عنصر ہیں۔ مولانا نے اپنے مضمون ”ہفتہ وار صحافت کے آداب“ (صدق جدید ۲۹ مارچ ۱۹۶۸ء) میں اسی پہلو کی طرف پانچ نکات میں اشارہ کیا ہے، ذیل میں ان کو ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ ”مقصود خدمت دین و ملت رکھئے۔ عام خدمت خلق بھی اس کے تحت میں آجاتی ہے۔  
۲۔ پبلک کے جذبات کی محض نمائندگی پر ہرگز اکتفا نہ کرنا چاہئے۔ پبلک کے مذاق اور جذبات کی اصلاح کی کوشش کیجئے۔

۳۔ صحافت ایک قسم کی تجارت نہیں، بلکہ ایک قسم کی عبادت ہے۔ بس اسی کو نصب العین بنا کر ہمیشہ اپنے سامنے رکھئے۔

۴۔ امانت داری کے امتحان بھی اس راہ میں سخت سخت آتے رہتے ہیں۔ اپنے آپ کو ہر قسم کی خیانت کے بچانے کا اہتمام سامنے رکھئے۔

۵۔ جس طرح زبان سے نکلی ہوئی ایک بات قابل گرفت ہوتی ہے، اسی طرح قلم سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ بھی جرح کی زد میں آسکتا ہے۔ خیال کیجئے اور ڈرتے ہوئے اس وقت سے جب آپ کا سارا دفتر آپ کے سامنے ہوگا اور آخری اور حقیقی عدالت میں اس کے ایک ایک لفظ پر سوال ہو رہا ہوگا۔“

دارالمصنفین شبلی اکیدمی اعظم گڑھ کا ماہنامہ ترجمان ”معارف“ ہے۔ یہ خالص علمی اور ادبی رسالہ ہے۔ علوم اسلامیہ کے جوئے شیر کے فرہاد علامہ سید سلیمان ندویؒ نے رمضان ۱۹۱۶ء میں جاری کیا تھا۔ علامہ کے پاکستان ہجرت کرنے سے قبل یہ انکی ادارت میں نکلتا رہا۔ اسکے بعد شاہ معین الدین ندوی احمد ناظم دارالمصنفین اسکے ایڈیٹر ہوئے۔ اس کے مرتبین میں صباح الدین عبدالرحمن، مولانا ضیاء الدین اصلاحی اور اب ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی اور حافظ عمیر الصدیق ندوی ہیں۔ یہ رسالہ اسلامی ثقافت اور عقل و فکر کو غذا پہنچانے والے ادبی اور علمی مقالات سے مزین ہو کر نکل رہا ہے۔ اس کا دائرہ فکر روز بروز بڑھتا جا رہا ہے، اسکی معنوی تاثیر علمی حلقوں میں بڑے موثر انداز میں پہنچ چکی ہے۔ ہندوستانی صحافت میں شاید ہی کوئی ایسا رسالہ ہو جو اپنے نصب

العیین کے مطابق پابندی کے ساتھ مدت دراز سے نکل رہا ہو۔ بارک اللہ فیہا وفی القائمین بآمورها۔

ملک کے طول و عرض میں معارف کے قارئین کی معتد بہ تعداد ہے، اسکا علمی معیار جوں کا توں باقی ہے، یہ رسالہ جب علمی دنیا میں پہنچا تو لوگوں کو اپنی گوہر مراد ملنے کا احساس ہوا۔ ہر طرف سے مرحبا اور صد آفریں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ اسکی مقبولیت میں اسکے بانی مرحوم علامہ سید سلیمان ندوی کا اخلاص، سوز دروں اور تعلق مع اللہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، اسی کے ساتھ یاران با صفا کی وہ مخلص جماعت بھی ناقابلِ فراموش ہے جس نے قلیل تنخواہوں پر گزارا کر کے اس شجرِ علم کی آبیاری کی ہے۔

معارف اپنے پیغام کی ترسیل میں روزِ اول سے منہمک ہے، اور اسلامی دعوت اور تحقیقی مزاج کے فروغ نیز صحیح اور مستند معلومات فراہم کرنے میں غیر معمولی کردار ادا کر رہا ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس خوانِ علم کو ایسے ہی مزین بنا کر رکھے تاکہ اسکے مستفیدین زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔ یہ ہندوستان میں اسلامی صحافت کی دو مثالیں تھیں۔ ورنہ:

سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لئے





## انسانیت کی تعمیر میں صحافت کا کردار

آج کے دور میں نوع بنوع کی صحافت دنیا میں چھائی ہوئی ہے، ہر آدمی صحافت کی اسی قسم کو اپناتا ہے جو اس کے ذوق کے مطابق اور اس کے رجحانات و خیالات کی ترجمان ہو، ادب و معاشرت اور سیاست و علم کی تشنگی کو اس سے دور کرتا ہے، آج جب کسی کے سامنے صحافت اپنا نقاب اٹھاتی ہے تو اس میں رنگوں کی شوخی ہیجان انگیز تصاویر، حالات و واقعات کی خوبصورت فنکاری اور خوشنما طباعت کے ساتھ خبریں رقص کرتی نظر آتی ہیں، صفحہ قرطاس جاذب نظر اور چمک دار نیز انداز بیان بہل، اور آسان ہوتا ہے، اسی وجہ سے وہ لوگوں میں دُرُ نایاب کی حیثیت حاصل کرتی ہے، شائقین اس کے اسلوب کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس نوع کی صحافت سے لطف اندوز ہونے کی امنگ ان کو ہر قیمت پر اس کو اپنانے پر مجبور کرتی ہے اور وہ بے صبری سے اس کے منظر عام پر آنے کے منتظر رہتے ہیں۔

رہی بامقصد صحافت جس سے انسان ہر جگہ تشنه لب ہے، وہ اس معیار کی حامل نہیں، نہ اس میں وہ رنگینی ہے نہ خوبصورتی، اور نہ رنگین تصاویر اور نہ وہ شہینگی، اور نہ جمال ہے جس کے لئے وہ قارئین کو بے حقیقت مناظر میں مشغول کرتی ہو، اور نہ ان کے ذہن و فکر کو ملوث کر کے ظاہری رنگ و روغن پر ان کی تمام تر توجہ مرکوز کر دیتی ہو اور ان کی صلاحیتوں کو غیر ضروری میدانوں میں ضائع کرنا اس کا مقصد اولین ہوتا ہو۔

یہ بامقصد صحافت ”کلمہ“ اور ”قلم“ کی امانت سے صرف نظر نہیں کرتی جن کا انسان

سازی، سیرت اور مستقبل کی تعمیر میں ایک ناقابل فراموش رول ہے، اس کردار سے آج کی صحافت بے بہرہ ہے، بلکہ تجارتی رجحان اس پر تمام رجحانات سے زیادہ غالب ہے، آج دنیا کے بڑے بڑے تجارتی گروپ صحافت کو اپناتے اور تجارت و سیاست کے بے حقیقت مقاصد کے لئے قلموں کو خریدتے ہیں، آج جتنے روزناموں، ہفتہ وار رسائل اور ماہانہ مجلات کو عالمی شہرت، اعلیٰ معیار، اور پوری توجہ حاصل ہے وہ نسب تجارتی کمپنیوں، فرموں یا تاجروں کی زیر ملکیت ہیں، وہ ان کی زبان ہیں اور زندگی کے تمام مراحل میں ان کے نقطہ ہائے نظر اور سیاست کی ترجمانی کرتے ہیں، اس سے ان کو بڑے بڑے مادی منافع حاصل ہوتے ہیں، اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ جیسے کوئی صاحب ثروت تاجر اپنے مال کا ایک بڑا حصہ کپڑے یا اشیاء خوردنی کی تجارت میں لگا دے۔ آج ہماری نظروں کے سامنے اخبارات اور میگزینوں کی سودے بازی ہوتی ہے اور وہ اپنے مقاصد میں خریداروں کے اشاروں کے پابند ہیں، کچھ میگزینیں اور جرائد ایسے ہیں جن کے خریداروں کا رجحان اگر بدل گیا تو وہ بھی ان کے مقاصد کی ترجمانی کیلئے جھک جاتے ہیں۔

ہر آدمی جانتا ہے کہ بامقصد صحافت بے توجہی اور زبوں حالی کے حالات سے دوچار ہے اور سخت مشقت کے زیر سایہ دم لے رہی ہے، وہ ہر وقت اس کے وجود کو نشانہ بنائے ہوئے ہے، یہ سب نتیجہ اس کا ہے کہ آج عام طور پر طبیعتوں کا رجحان صحافت حقیقی کے بجائے تجارتی انداز کی صحافت کی طرف ہو گیا ہے، بالفاظ دیگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ صحافت مزاج، دلچسپی اور تفریح طبع کا سامان بن گئی ہے، جس میں قارئین کو کہانی، سنسنی خیز حالات و جرائم کی دلچسپ داستانیں، سحر انگیز اسلوب، دلفریب پیرایہ زبان و بیان، اور رنگین مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اس صحافت کو صرف مقامی کھپت اور مال تجارت کے فروغ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اس صورت حال پر توجہ مرکوز کریں اور اس بگاڑ کی اصلاح کی کوشش کریں جو بامقصد صحافت کے حلقوں میں بھی در انداز ہوتا جا رہا ہے، اور اس کا ایسا بہترین بدلہ پیش کریں کہ وہ بگڑے ہوئے ذوق کو صحیح سمت عطا کر سکے اور ہمیں اصل مزاج کی طرف دوبارہ واپس لاسکے۔

یہ معمولی سی صحافت جس کو ہم اپنی پوری کوششوں کے ساتھ اس عالم میں پیش کر رہے ہیں

اور وہ مختلف قسم کے افکار و نظریات اور دنیا میں پائے جانے والے بہت سے متناقض رجحانات کی تفصیلات پر بھی مشتمل ہوتی ہے، مگر چہ ایک بڑے خلا کو پُر تو نہیں کر سکتی، لیکن اپنے وسائل کی قلت اور کارگذاروں کے دائرہ کی تنگی کے باوجود ذمہ داروں کے اخلاص اور ”کلمہ“ کی امانت کے ایفاء کی راہوں میں جتنی قربانیوں سے محروم نہیں ہے۔ اگرچہ ہماری یہ بامقصد صحافت بھی زمانہ کی ترقیوں کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر چلنے کی کوشش کر رہی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ وہ اس کو تقویت عطا فرمائیں، عروج مقدر فرمائیں۔ اس کے ذمہ داروں کے عمل میں سنجیدگی اور صحافتی ذمہ داریوں کے احساس کے ساتھ مصروف رہنے کی توفیق عطا فرمائیں، تاکہ وہ بامقصد و اصول پسند صحافت کے ایک تابناک منارہ کی حیثیت سے دنیا میں اپنا مقام پیدا کرے۔

صحافت اسلامی کے حاملین کا یہ اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ اس میدان میں بھرپور جدید ذرائع کا استعمال کر کے اس صحافت کو فروغ دیں، عام قارئین کے دلوں کو اس کی طرف راغب کریں، ساتھ ہی ان کی اخلاقی و فکری رہنمائی کریں اور ان کو اس اصل صورت حال سے روشناس کرائیں جس سے مسلمان مختلف مقاصد پر نبرد آزما ہیں۔ خاص طور سے ان دل سوز حالات اور انسانی مسائل کی کثرت کی طرف توجہ مبذول کرائیں جن کا مسلمانوں کو دنیا کے مختلف علاقوں میں اس وقت شدت سے سامنا ہے، اور وہ اس کے صحیح علاج کی واقفیت کے لئے اپنی سانس روک کر بیٹھے ہوئے ہیں۔







## امن و سلامتی کا علم بردار مذہب اسلام

انسان اپنی زندگی میں جن چیزوں کو اولیت دیتا ہے اور اپنی تمام دوسری ضرورتوں پر انہیں مقدم رکھتا ہے، ان میں حفاظت و سلامتی سرفہرست ہے، اس لئے کہ ہر شخص کی آرزو ہوتی ہے کہ وہ تمام خطرات سے دور رہ کر مامون و پرسکون زندگی گزارے، وہ چاہتا ہے کہ ہر اس چیز سے دور رہے جو زندگی کے لطف کو کمزور کرتی ہو، اور دل میں خوف و حزن کی کیفیت پیدا کر کے انسان کو رنج و الم اور اضطراب و انتشار سے دوچار کرتی ہو، اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانی زندگی کی اس اہم ضرورت کا لحاظ فرماتے ہوئے ان لوگوں کو خوش خبری دی ہے جو ایمان و اطاعت پر ثابت قدم رہ کر اللہ کی شریعت کو اپنا دستور العمل اور اس کی رضا کو اپنی منزل قرار دیتے ہوں، ایسے باتوفیق اور خوش نصیب انسان کو اللہ تعالیٰ یہ بشارت دیتے ہیں کہ ان کو نہ خوف ہو گا نہ رنج ہو گا، اس میں کوئی شک نہیں کہ امن و عافیت اور قلبی سکون و چین، دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے، اس کی وجہ سے ایک صاحب ایمان اپنی دنیاوی زندگی میں بہر حال مطمئن اور خوش رہتا ہے، مالدار اپنی مالداری میں، اور غریب اپنی غربت میں، مریض و بیمار بھی اپنے مرض و بیماری میں، صحت مند و تندرست اپنی صحت و تندرستی میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔

دین اسلام، انسان کو صرف آخرت ہی کی کامیابی کی ضمانت و خوش خبری نہیں دیتا ہے، بلکہ وہ اس دنیا میں بھی اس کے دلی سکون و اطمینان کا ضامن ہے، دین اسلام کی یہ خوبی اس سے نمایاں ہوتی ہے کہ اسلام کا نام ہی سلامتی سے مشتق ہے، لہذا امن پسندی، صلح جوئی اور ایسی تمام چیزوں سے بیزاری جو امن و سلامتی کے مفہوم کے منافی ہو مرد مسلمان کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے،

حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے تنہا اسلام ہی کو آخری دین قرار دیا اور اسکو امن و سلامتی اور سکون و اطمینان کا ضامن بنایا اور اس کے اندر تمام مسائل و مشکلات کا حل پیدا کر رکھا ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا ہے کہ جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو اختیار کرے گا تو اس کا دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اسلئے وہ قدرتی طور پر ایسے مخالف حالات سے دور رہے گا، جو اس کے امن و امان کو برباد کرنے والے ہوں اور اس کے چین و سکون کو ختم کرنے کے درپے ہوں، اس سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ مسلمان کے لئے امن و امان کی زندگی بسر کرنے کے واسطے یہ ضروری ہے کہ وہ اس دین کو مکمل طور پر اختیار کرے اور کسی بھی حال میں اس کی کسی معمولی چیز کو بھی ترک نہ کرے، اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو مختلف انداز سے بار بار پورے طور پر اسلام میں داخل ہونے، اور خواہشات نفسانی، اور شیطان کی پیروی سے بچنے، اور دور رہنے کا حکم دیتے ہیں کہ شیطان مومن کا کھلا ہوا ازیں دشمن ہے، وہ ہمیشہ کوشاں اور متمنی رہتا ہے کہ سیدھے راستے سے مسلمانوں کے قدم پھسل جائیں اور خواہشات نفسانی کی طرف وہ مائل ہو کر ایمان اور عمل صالح سے دور ہو جائیں، قرآن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ،

إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ (البقرہ: ۱۶۸)

**ترجمہ:** اے ایمان والو! پورے طور سے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، اس لئے کہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

اسلام نام ہے پورے طور پر اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں داخل ہونے کا، اس کے بعد مسلمان اللہ کی حفاظت میں داخل ہو کر اس کی برکتوں و رحمتوں اور اس کی عنایت و توجہ کا مستحق بن جاتا ہے، دنیا و آخرت میں اس کے پیار و محبت اور اس کے انعام و اکرام کا حقدار ہو جاتا ہے، اور اخلاص، اور اللہ کے ساتھ نہایت مخلصانہ اور مضبوط تعلق قائم کر کے اس کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتا ہے، اور اس شریعت سے وابستگی کی اسے توفیق ہوتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دائمی اور انسان کیلئے تاقیامت مکمل طریقہ کار کے طور پر نازل

کیا ہے، اسی قانون الہی سے سماج کی انفرادی و اجتماعی وابستگی زندگی کو خوشگوار بناتی ہے اور طاقتور کمزور پر ظلم کرنے کی جسارت نہیں کرتا ہے اور نہ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نکلنے کی جرأت کرتی ہے۔ معاشرہ کو تمام برائیوں اور نقائص سے پاک کر کے اسے جنت نشان بنانے کی اسلام کو کتنی فکر ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم لوگ جنت میں داخل نہ ہو گے، یہاں تک کہ مؤمن ہو جاؤ، اور تم لوگ مؤمن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو، کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں کہ جب تم اس کو اختیار کرو تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو، وہ بات یہ ہے کہ اپنے درمیان سلام کو عام کرو، اور دوسری روایت میں ہے کہ اے لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، اور صلہ رحمی کرو، اور نمازیں پڑھو اس حال میں کہ لوگ سو رہے ہوں، تاکہ تم جنت میں بحفاظت تمام داخل ہو جاؤ۔

غرض اسلام صرف سلامتی و محبت اور آپسی میل ملاپ کا نام ہے، لیکن افسوس کہ مسلمان کی زندگی کامل اسلام سے بہت دور ہو چکی ہے، پھر اس کے پاس امن و عافیت اور محبت و سلامتی کی زندگی کہاں سے آئے، اور کیسے وہ اس جسد واحد کا نمونہ پیش کرے جس کے ایک عضو کو اگر تکلیف ہو تو سارا جسم پریشان ہو جائے۔

ہم لوگوں کو اپنا بے لاگ محاسبہ کرنا چاہئے کہ ہمارا عمل اسلام سے میل کھاتا ہے یا نہیں، ہماری فکر اسلام سے کتنی دور ہے، ہمارا معاشرہ اسلامی ہے یا غیر اسلامی، معاشرہ میں رائج رسوم و رواج شریعت سے متصادم تو نہیں ہیں۔ اس پر سنجیدگی سے ہم کو غور کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت، اور دلوں میں جو چیزیں مخفی ہیں اس سے خوب واقف ہے۔





## صبر کا مقام، مؤمن کی زندگی میں

غور کیجئے تو زندگی کا ہر شعبہ صبر و استقامت کے فیض کا رہین منت ہے، بلکہ ایمان و عمل صالح اور اس کے مفید ثمرات و نتائج کا ظہور صبر کے بغیر ناممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامی نے صبر کی اہمیت پر پورا زور دیا ہے اور کتاب و سنت میں صبر کی ترغیب اور اس کو اختیار کرنے کی طرف بار بار توجہ دلائی گئی ہے، کہیں فرمایا گیا ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا، وَصَابِرُوا** (آل عمران: ۲۰۰) **مومنو! صبر کرو اور اس پر جمے رہو، کہیں فرمایا گیا ہے کہ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ** (بقرہ: ۱۵۵) **صبر کرنے والوں کو بشارت ہو اور کہیں صبر کرنے والوں کو پورے اجر دئے جانے کا وعدہ فرمایا گیا ہے اور کہیں اسے عزم مؤمن کی نشانی بتایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے مختلف آیات میں مندرجہ بالا مضامین کو بیان کیا ہے اور ساتھ ہی صبر کے امتحان کا بہت سی آیتوں میں ذکر فرمایا ہے۔**

حقیقت ایمان کے ساتھ صبر بھی ایک ایسی ناگزیر ضرورت ہے جس کے بغیر مؤمن کا منزل مقصود تک پہنچنا سخت دشوار ہے، انبیاء کرام علیہم السلام نے صبر کے دامن کو مضبوطی سے تھام کر اپنا تبلیغی مشن انجام دیا۔ اگر ان کی زندگی میں صبر کا عنصر بھرپور نہ موجود ہوتا اور وہ اس کو ہمدم نہایت سرگرمی سے اپنے اوپر نافذ نہ فرماتے تو اتنے دشوار گزار مراحل کو طے کر کے وہ کسی حال میں بھی کامیابی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تاریخ نبوت صبر کے نہایت عظیم الشان اور درخشاں ترین باب سے مزین ہے، آپ نے صبر کا جو معیار قائم کیا اس کی مثال تاریخ کے کسی دور میں نہیں مل سکتی، اس سے یہ بات بالکل کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ مقصد جتنا ہی اہم اور جس قدر زیاں کیزہ ہوگا صبر کی آزمائش اس میں اسی کے بقدر زیادہ ہوگی۔

زندگی کے کسی بھی اجتماعی یا انفرادی کام میں کامیابی کی منزل تک پہنچنے کے لئے صبر ایک بنیادی شرط ہے، اکثر دیکھا گیا ہے کہ کسی فرد یا جماعت نے بڑی سرگرمی اور اہمیت کے ساتھ ایک مفید ضرورت کو پورا کرنے کے لئے منصوبہ بنایا اور اس کے پیچھے ساری طاقتیں لگا دیں گئیں اور بہترین صلاحیتیں اور قربانیاں اس کی راہ میں بے تکلف پیش کر دی گئیں، مگر نتائج کے اعتبار سے اس میں ناکامی اس لئے ہوئی کہ وہ صبر و استقامت کے عنصر سے یکسر خالی تھا اور اس عنصر کے فقدان کے باعث آپس میں اختلافات ظاہر ہوئے، یا اگر انفرادی معاملہ ہوا تو دوسری جہات سے مخالفت میں آوازیں اٹھیں اور اس کام سے لوگوں کا اعتماد اٹھ گیا۔

صبر کو اپنانے اور اس کو عقیدہ کی پختگی کے ساتھ اختیار کرنے کا معاملہ بھی بہت صبر آزما ہے، اسی لئے مؤمن کی زندگی میں اس کی تربیت (Training) دینے اور اس کو دل کی گہرائیوں میں راسخ کرنے کے لئے ایک ایسے نصاب (Course) کی ضرورت ہے جو انسان کا تیار کیا ہوا نہ ہو، بلکہ منزل من اللہ ہو، اور بار بار اس کو دہرایا جاتا ہو، میں سمجھتا ہوں کہ ماہ صیام صبر کا وہ نصاب ہے جس کو سال میں ایک بار پوری قوت کے ساتھ دہرانے اور اس کو عملی طور پر زندگی میں نافذ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، صبر کا معاملہ اتنا اہم اور پیچیدہ اور مشکل نہ ہوتا تو شاید زندگی میں ایک بار سے زیادہ اس نصاب کو پورا کرنے کی ضرورت نہ پیش آتی، اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کو سال کے تین سو ساٹھ دنوں میں سے تیس دن تک مسلسل شب و روز عملی حیثیت سے نافذ کرنے اور اس پر سختی سے عمل درآمد کرنے کا حکم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ زندگی کا کوئی بھی ادنیٰ شعبہ صبر کے اہم کردار کے بغیر کامیاب نہیں قرار دیا جاسکتا، ایک مؤمن کو قدم قدم پر اس کی احتیاج ہوتی ہے اور وہ ایک کامیاب و مطمئن زندگی کا تصور ہی نہیں کر سکتا جب تک صبر کی دولت سے اس کا ظاہر و باطن معمور نہ ہو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود اس کے کہ آپ رسول تھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر سختی سے عمل پیرا تھے اور صبر آپ کی زندگی کا سب سے نمایاں وصف تھا، مگر بار بار صبر کرنے اور صبر کو اپنانے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ مبادا آپ کسی وقت اپنی قوم کی اذیت ناک تکلیفوں اور ناقابل برداشت اذیتوں کی وجہ

سے گھبرانہ جائیں اور دامن صبر ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے، اسی لئے ”فاصبر و ماصبرک  
 اِلا باللّٰہ“ اور ”واصبر علی ما یقولون“ جیسے احکام کی تلقین میں قرآن کریم نے کسی لمحہ بھی کمی  
 نہیں کی۔

صبر کی تربیت کے لئے رمضان کا مہینہ اور روزہ کا فریضہ نازل فرمایا گیا اور اس کی  
 زبردست اہمیت کے پیش نظر رمضان کے مہینہ کو صبر کا مہینہ فرمایا گیا ہے، صبر کا ثواب جنت ہے،  
 ارشاد ہے: ہو شهر الصبر، والصبر ثوابہ الجنة، یہ اس خطبہ کا ایک کٹڑا ہے، جو رسولوں نے  
 رمضان کی آمد پر دیا تھا۔ مشہور حدیث شریف میں صوم رمضان کو اسلام کا ایک اہم اور بنیادی  
 رکن قرار دیا گیا ہے، صاف صاف وارد ہے:

”بنی الإسلام علی خمس: شهادة أن لا إله الا الله وأن محمدا رسول الله،

و إقام الصلاة وإيتاء الزكاة والحج وصوم رمضان“

اگر آج کے مسلم معاشرہ میں دوسرے اور ارکان کو چھوڑ کر صرف آخری رکن رمضان کے  
 مہینے میں روزے رکھنے کا تناسب دیکھا جائے تو غالباً بہت مایوس کن نتیجہ برآمد ہوگا اور اچھے خاصے  
 مسلم گھرانوں کے اکثر افراد اس دولت بے بہا سے محروم نظر آئیں گے، حالانکہ ان کو اس معیوب  
 طریقہ زندگی کا خوب احساس بھی ہے اور اس کے جو برے نتائج سامنے آتے ہیں، اس سے وہ  
 دوچار بھی ہوتے ہیں لیکن وہ روزے کی پابندیوں پر صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور انجام کار کے  
 طور پر وہ ہر طرح کی ذلت، ناکامی اور بد حالی و مشقت کی مصیبت میں گرفتار ہیں، اگر سوال  
 کیا جائے کہ آج مسلمانوں کی زندگی میں یہ انتشار کیوں ہے اور وہ ہر حیثیت سے اتنے پست  
 و ذلیل کیوں ہیں تو جواب میں یہ کہنا کچھ خلاف واقعہ نہیں ہوگا کہ ان کی زندگیاں صبر جیسے اہم ترین  
 عنصر سے بالکل خالی ہیں اور وہ اپنے مقصد کی راہ میں کسی ادنیٰ درجے کی مشقت و محنت کے  
 خوگر بھی نہیں رہ گئے، کسی قسم کی تکلیف یا آزمائش گوارا کرنے کی ان میں قطعاً کوئی صلاحیت باقی  
 نہیں رہ گئی ہے، جب کہ زندگی نام ہے مسلسل آزمائشوں اور صبر آزمایا مراحل سے ہمہ دم گزرنے کا،  
 اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ:

واستعينوا بالصبر والصلاة ، إن الله مع الصابرين . (بقرہ: ۱۵۵)

**ترجمہ:** مدد چاہو صبر سے اور نماز سے اور اصراراً اللہ تعالیٰ تو صبر کرنے والوں کے

ساتھ ہے۔)

تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی میں صبر کی اہمیت کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی پوری

توفیق عطا فرمائیں۔





## اسلام ایک سرچشمہ حیات

انسان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ایک ایسے نظام حیات کا محتاج ہے جو زندگی کے تمام ظاہری و باطنی حالات و کیفیات پر محیط ہو، جو دل کی دھڑکنوں، نفس کے تقاضوں، جسم کی ضروریات، ہر ایک کی مکمل نگرانی کرتا ہو، جو نہ صرف دنیا کی چند روزہ زندگی میں کامیابی اور خوشحالی کے اصول و ضوابط کی رہنمائی کرتا ہو، بلکہ آخرت کی دائمی اور ابدی زندگی میں بھی سعادت و کامرانی کی ضمانت لیتا ہو۔

انسانوں نے ہر زمانے میں اپنی عقل و دانش کے غرور میں بہت سے نظام زندگی ایجاد کئے، بہت سے اجتماعی نظریے اور اصول انہوں نے اپنی محدود عقل سے وضع کر کے نوع انسانی پر آزمائے لیکن کبھی کوئی انسانی نظریہ یا فلسفہ اور کوئی مصنوعی نظام کامیاب نہ ہو سکا، دنیا کی وسیع تجربہ گاہ میں ترقی یافتہ اور متقدم قومیں اپنے ترقی و تمدن کے زعم میں زندگی کے اصول و نظریات کا برابر تجربہ کر رہی ہیں، اور برابر ناکامی و ناکامی سے دوچار ہو رہی ہیں۔

اشتراکیت کے وسیع و عریض تجربات ہوں، یا سرمایہ داری کی دل آویز اصطلاح، جمہوریت کا پرفریب نعرہ ہو یا سوشلزم کا پرکشش وعوائے مساوات، ہر نظریہ زبان حال سے اپنی ناکامی اور شکست کا اعلان کر چکا، انسانیت کو اپنے دکھ درد کا مداوا کہیں بھی نہیں ملا، دل کا سکون، نفس کا اطمینان کسی بھی نظریہ اور کسی فلسفہ میں دریافت نہ ہو سکا۔

دنیا کے بڑے بڑے دانشوروں نے اپنے علم و حکمت پر ناز کرتے ہوئے انسانی زندگی کیلئے قوانین وضع کئے اور دنیا کے سامنے مختلف اوقات میں مختلف نظامہائے حیات پیش کئے، لیکن کہیں

بھی انسانی جذبات و احساسات زندگی کے تقاضے اور ضروریات کی تسکین نہیں ہو سکی، اس لئے کہ نظام زندگی کے جتنے بھی اصول و نظریات اور فلسفے اور ازم ایجاد ہوئے، کوئی بھی انسانی فطرت کے صحیح تقاضوں اور ضروریات کی بنیاد پر وجود پذیر نہیں ہوا۔

لیکن اسلام چونکہ دین فطرت ہے۔ اسکے سامنے انسانی زندگی اپنے تمام ظاہر و باطن کے ساتھ ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی نظر ہر زاویہ سے اس کے تمام اجزاء پر مرکوز ہے، وہ روح کے تقاضوں، دل کے احساسات و جذبات، نفس کی ضروریات و خواہشات، جسم کے مطالبات و لوازمات کو اچھی طرح دیکھ اور سمجھ رہا ہے، وہ زندگی کی ہر حرکت و سکون، ہر بیچ و خم، ہر شعور و وجدان سے خوب واقف ہے، اس لئے وہ جو ضابطہ، حیات اور نظام زندگی پیش کرے گا، اس میں کسی قسم کی کمزوری، نقص اور جھول نہیں ہوگا۔ وہ سو فیصد انسانی نفسیات کا ساتھ دے گا، قدم قدم پر اسکی رہنمائی کریگا، دم بدم اس کی مدد کرے گا اور ہر لمحہ اس کے تعاون کے لئے اپنی خدمات پیش کرتا رہے گا۔

یہ صرف اس لئے کہ اسلامی نظام حیات اس ذات کا وضع کیا ہوا ہے جو انسانوں کا خالق و رازق ہے اور ان کی ہر چھوٹی بڑی ضروریات سے واقف ہے، انسان کی فطرت اور اس کا مزاج جس نظام زندگی کا متحمل ہو سکتا تھا اور جس میں اسکو اپنے تمام تقاضوں کا مکمل جواب مل سکتا تھا وہ یہی نظام حیات ہے جس کو ہم اسلام کہتے ہیں۔

ہر انسان اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، لیکن بسا اوقات خارجی اسباب اس کی فطرت پر پردہ ڈال دیتے ہیں اور وہ صحیح انسانی زندگی کی لذتوں سے محروم ہو کر غیر فطری زندگی، اور غیر طبعی اصول و نظریات کا عادی ہو جاتا ہے، جس طرح بعض جانور کبھی کبھی خارجی سبب کی بنا پر انسانوں کی نقل کرنے لگتے ہیں اور اپنی صحیح فطرت سے منحرف ہو جاتے ہیں، یہ بھی خالق کائنات کا ایک اصول ہے کہ جب مخلوق اپنے فطری وظیفہ سے پھر کر غیر فطری امور میں مشغول ہوتی ہے تو اس کی فطرت مسخ کر دی جاتی ہے، لیکن کبھی تو ظاہری و باطنی دونوں اعتبار سے اور کبھی صرف باطنی اعتبار سے۔

فلما عتوا عما نهوا عنه قلنا لهم كونوا قردة خاسنین. (اعراف: ۱۶۶)

**ترجمہ :** جب وہ جس کام سے ان کو منع کیا گیا تھا اس میں حد سے نکل گئے تو ہم نے ان کو (براہ قہر) کہہ دیا کہ تم بندر ذلیل بن جاؤ۔

دوسری آیت میں باطنی تغیر کی طرف اشارہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

أولئك كالأنعام بلهم أضل (أعراف: ۱۷۹)

**ترجمہ :** وہ لوگ چوپایوں کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی گزرے۔

ایک دوسری جگہ یوں ارشاد ہوا ہے۔

أولئك الذين طبع الله على قلوبهم وسمعهم وأبصارهم وأولئك هم الغفلون (نحل: ۱۰۸)

**ترجمہ :** یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر مہر لگا دی ہے۔ اور یہ لوگ انجام سے بالکل غافل ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اسلامی زندگی کا مکمل نمونہ تھی، آپ کے اصحاب نے آپ کی کامل اتباع کی اور صحیح اسلامی نظام حیات کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا، صرف اخلاق و عبادات اور فضائل و آداب میں نہیں، بلکہ سیاست و حکومت میں بھی انہوں نے ایسی مثال پیش کی جو انہیں کا حق تھا، بعد میں آنے والے بہت سے حکمرانوں نے ان کے نقش قدم پر چل کر بادشاہی میں فقیری اور حکمرانی میں زہد و قناعت کا بہترین نمونہ پیش کیا۔

اسلامی نظام زندگی کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نظام میں بڑے چھوٹے، اونچ نیچ، امیر و غریب، بادشاہ و رعایا میں بحیثیت انسان کے کوئی فرق نہیں، بادشاہ وقت اگر کوئی معمولی غلطی بھی کر رہا ہو تو رعایا کے ہر فرد کو اس پر متنبہ کرنے اور اس کی کمزوری پر مواخذہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر خلیفہ وقت یا امیر یا بادشاہ اپنی غلطی سے باز نہ آئے تو رعایا کے ایک فرد کو پوری رعایا کی طرف سے بغاوت اور فرمان شکنی کا اعلان کرنے کا حق حاصل ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ مقرر ہوئے اور امیر المؤمنین کے منصب پر فائز ہوئے تو انہوں نے اپنی سب سے پہلی خلافت کی تقریر میں فرمایا:

”.....اے لوگو! میں تمہارا والی بنایا گیا ہوں،  
حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، اگر تم مجھ کو حق پر  
پاؤ تو میری مدد کرو اور اگر باطل پر پاؤ تو مجھے روکو، اور  
دیکھو جب تک میں اللہ کی اطاعت کرتا رہوں تم  
لوگ میری اطاعت کرتے رہو، لیکن اگر مجھ سے اللہ  
کے احکام کی نافرمانی سرزد ہو تو تم میری اطاعت نہ  
کرنا.....“

اسلامی نظام حیات اخوت اور جرأت ایمانی کا سبق دیتا ہے، اس نظام میں رعیت کے ایک  
معمولی فقیر کو وہی انسانی حقوق حاصل ہیں جو ایک بڑے صاحب حیثیت امیر و کبیر کو حاصل ہوتے  
ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جب خلیفہ مقرر ہوئے تو رعایا کے ایک عام فرد نے ان کو مخاطب  
کر کے کہا کہ

”.....عمر! اگر ہم آپ کے اندر کسی طرح کی کوئی کجی  
پائیں گے تو یاد رکھئے اس کو تلواری کی دھار سے درست  
کریں گے.....“

یہ تاریخی جملہ اسلام کی سیاسی اور اخلاقی تاریخ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت  
میں ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اس جملہ کون کر بجائے اس کے کہ خفا ہوتے  
یا اس شخص کو توہین خلافت کی سزا دیتے، بہت خوش ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا۔

الحمد لله الذي جعل في أمة عمر من يقومه بالسيف. ”خدا کا شکر ہے  
جس نے عمر کی رعایا میں ایسے لوگوں کو باقی رکھا ہے جو اس کو تلواری سے سیدھا کر سکیں۔“

ایک صحابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ حضور! مجھے ایسی نصیحت فرمادیں کہ  
وہ میرے لئے کافی ہو اور آپ کے بعد پھر کسی سے کچھ پوچھنا نہ پڑے، فرمایا۔

قل امنت بالله ثم استقم: کہو میں ایمان لایا اللہ پر، پھر اس پر جم جاؤ۔

استقامت کے معنی علماء نے لکھا ہے کہ اللہ کی اطاعت کو لازم پکڑنا اور کسی حال میں اس کی نافرمانی اور معصیت نہ کرنا۔

یہی وہ نقطہ امتیاز ہے جہاں اسلامی نظام زندگی کی راہ انسانوں کے بتائے ہوئے نظام حیات سے الگ ہو جاتی ہے، اس نظام زندگی کا سب سے اہم اور مرکزی دستور ہے، لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق: یعنی اللہ کی نافرمانی ہو تو مخلوق کی بات نہیں مانی جائے گی، یہیں سے زندگی کے وہ تمام مادی نظریے الگ ہو جاتے ہیں جہاں خالق کا تصور ہی سرے سے نہیں ہے، اور اگر کسی حال میں ہے بھی تو اس کا حق اتنا محدود ہے کہ نہ ہونے کے برابر، لیکن اسلام زندگی کی خشت اول ہی کو تصور الہ کی بنیاد پر رکھتا ہے، یہی وہ سرچشمہ ہے جہاں سے زندگی کا سوتا پھوٹتا ہے، اور جو پوری کائنات کو آب حیات تقسیم کرتا ہے۔





## اسلام کا معیار فضیلت

تاریخ کے ہر دور میں انسانی فضیلت کے متعدد معیار پائے گئے ہیں، کبھی مال و دولت، فضیلت کا معیار قرار پایا تو کبھی جاہ و منصب، کبھی قوت و طاقت، کبھی حسب و نسب، اور کبھی حسن و جمال، اور مصلحت و وقت کے تقاضے کے مطابق ان میں سے ہر شے ایک مستقل معیار کی حیثیت پاتی رہی، مثلاً بادشاہ کو ساری رعایا پر اس لئے افضل قرار دیا گیا کہ وہ اپنے محدود علاقہ میں ایک محدود وقت تک کے لئے جاہ و منصب کا آخری مالک ہے، اسی طرح مالدار اور صاحب ثروت کو غریب لوگوں کے مقابل میں اس لئے افضل سمجھا گیا کہ وہ ایک بڑی دولت کا تین تہا مالک ہے، کسی شخص کو اس لئے عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا کہ وہ ایک بڑے قبیلہ اور اونچے خاندان کا چشم و چراغ ہے، غرض فضیلت کا مختلف معیار زمان و مکان اور وقت و مصلحت کے تقاضوں کے ساتھ ابھرتا رہا اور افضل و غیر افضل کی تقسیم کا سلسلہ برابر قائم رہا۔

اسلام سے پہلے طبقاتی کشمکش اور قبائلی اونچ نیچ کا دور دورہ تھا، انسانوں کا ایک طبقہ غلام تھا، تو دوسرا آقا، غلام طبقہ ہر اس شرف سے محروم سمجھا جاتا تھا جو آقا اپنے لئے مخصوص کر لیتا، اسی طرح رنگ و نسل اور حسب و نسب، اور جاہ و منصب، بلندی اور پستی، خادمیت اور مخدومیت، عزت و ذلت کے معیار کی وہ بنیادیں تھیں جن پر پورا معاشرہ قائم تھا، اور صرف یہی نہیں کہ اپنی دانست میں اونچا طبقہ، ”نیچے طبقہ“ کو صرف پست اور ذلیل سمجھ کر معاف کر دیتا، بلکہ وہ اس کو طرح طرح سے ذلیل کرنے اور عار دلانے کی ہر ممکن کوشش کرتا، اپنی بلندی اور افضلیت کے قصیدے پڑھتا، اور اپنے حریف کے مقابل میں پستی و ذلت کے بے شمار پہلو نکالتا، اور اس کو رسوا کرنے میں کوئی

کسر اٹھانہ رکھتا۔

بلندی و پستی کا یہ تصور دراصل اس جابرانہ عجمی نظام حکومت کی پیداوار ہے جس میں بادشاہ یا حاکم وقت اور اس کے چند خاص لوگوں کے علاوہ بقیہ ساری رعایا ایک ذلیل خادم سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتی تھی، ان کی زندگی جانوروں کی زندگی سے کسی طرح مختلف نہیں تھی اور نہ اس سے زیادہ کسی برتری کا ان کو مستحق سمجھا جاتا تھا، قیصر و کسریٰ کی حکومتیں (جو اپنے زمانے میں پورے کرۂ ارض پر چھائی ہوئی تھیں) کا مطالعہ کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک رعایا اور خدمت کرنے والے جانوروں کا ایک ہی درجہ تھا، ان کے ساتھ وہی سلوک روا رکھا جاتا تھا جو گھوڑے گدھے، گائے نیل کے ساتھ، سوسائٹی میں ان کا کوئی مقام تھا اور نہ سلطنت میں ان کی کوئی آواز۔

اس وقت دنیا کی تمام قوموں کا یہی حال تھا، طاقتور، کمزور کو ذلیل سمجھتا، مالدار غریب کو اور آقا غلام کو، فضیلت کا معیار ہی طاقت، دولت، اور وجاہت میں منحصر ہو کر رہ گیا تھا، جو شخص ان چیزوں سے محروم ہوتا خواہ وہ ذاتی طور پر کتنا ہی بلند، پاکباز، کیوں نہ ہوتا اسے ذلیل ہی سمجھا جاتا، اور سوسائٹی میں اس کو کوئی مقام نہ ملتا، لیکن اسلام نے ان تمام معیاروں کو جاہلانہ اور غلط قرار دیا، اس نے بتایا کہ انسان بحیثیت انسان تمام مخلوقات سے افضل ہے، اور اس افضلیت میں کسی کو کسی پر کوئی ترجیح یا بلندی نہیں حاصل ہے، اس نے اعلان کیا کہ ہر انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہے، آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا تھا، اس لئے ہر شخص اس معیار کو سامنے رکھے اور سمجھ لے کہ اولاد آدم کی حیثیت سے بلند و پست، عزیز و ذلیل، خادم و مخدوم کی تقسیم بالکل غلط اور انتہائی احمقانہ ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کی طرف کتنے بلیغ اسلوب میں اشارہ فرمایا ہے۔

لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لأبیض علی أسود ولا لأسود علی أبيض إلا بالتقویٰ، کلکم من آدم، و آدم من تراب :

ترجمہ: کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر اور گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں حاصل ہے مگر تقویٰ سے، تم میں سے ہر شخص آدم کی اولاد ہے اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے۔



بات کس قدر واضح ہو گئی کہ اسلام میں اونچ نیچ اور بلندی و پستی کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا، نہ قوم و وطن سے کوئی بلند و پست ہوتا ہے اور نہ رنگ و نسل سے کوئی اونچا نیچا قرار دیا جاسکتا ہے، بلکہ انسان ہونے کی حیثیت سے سب ایک ہی باپ کی اولاد ہیں، ان میں کسی قسم کی تفریق کرنا، اور کسی طرح کا کوئی ادنیٰ امتیاز برتنا ایک باپ کی اولاد کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک کرنے کے مرادف ہے، لیکن اسلام افضلیت اور بلندی کا ایسا معیار پیش کرتا ہے جو انسانی مزاج سے پوری طرح ہم آہنگ ہے، اور جس کے سامنے رنگ و نسل، قوم و وطن اور ہر طرح کی خود ساختہ تفریق و تقسیم مٹ جاتی ہے اور اس کا کوئی وزن نہیں باقی رہتا۔

اسلام میں فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے، یا بالفاظ دیگر جو شخص خدا کا سب سے زیادہ لحاظ کرنے والا ہوگا، وہی سب سے زیادہ افضل قرار پائے گا، خواہ وہ غلام ہو یا آقا، خادم ہو یا مخدوم، بادشاہ ہو یا رعیت، کالا ہو یا گورا، عربی ہو یا عجمی، یہاں رنگ و خون، نسل و قوم کی تقسیم ایک اجتہاد تصور ہے، جسکی کوئی اصل نہیں، یہ ایسا جاہلی نعرہ ہے جس سے اسلام کا کسی درجہ میں کوئی تعلق نہیں، اسلام یا شب قبیلوں اور خاندانوں کی تقسیم کا قائل ہے، لیکن محض تعارف کی حد تک، اگر کوئی اس کو بلندی و پستی کا ذریعہ سمجھتا ہے، یا اسلام میں اس سے اونچ نیچ کی تفریق کا جواز نکالتا ہے تو وہ اسلام پر افترا پردازی اور بہتان تراشی کے جرم کا مرتکب ہوتا ہے، وہ اسلام کی خدمت نہیں بلکہ اس کی جڑ کھوکھلی کرتا ہے، قرآن کا صاف صاف اعلان ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبٰىلَ لِتَعَارَفُوْا  
اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ . (حجرات: ۱۳)

ترجمہ: اے لوگو! بیشک ہم نے پیدا کیا ہے تم کو ایک مرد سے اور ایک عورت سے اور بنایا ہم نے تم کو کنبے اور قبیلے، تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو، بیشک تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز ہے۔

قرآن کا یہ اعلان برحق کسی محدود وقت یا قوم کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس کی مخاطب قیامت تک کے لئے پوری نوع انسانی ہے، اسکے علاوہ کرامت و فضیلت کی کوئی اور میزان نہیں ہے اور

اگر ہے تو بلاشبہ وہ احمقانہ اور جاہلانہ ہے، جس سے اسلام اور مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں ہے، ایک حدیث میں وارد ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ (من اکرم الناس) لوگوں میں سب سے معزز اور بلند کون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ارشاد فرمایا: (أناکم) جو ان میں سے سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہو، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم یہ بات نہیں پوچھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ سب سے معزز یوسف علیہ السلام ہیں، جو اللہ کے نبی تھے، اور اللہ کے نبی کے بیٹے اور نبی کے پوتے اور خلیل اللہ کی اولاد میں سے تھے، صحابہ کرامؓ نے کہا کہ حضور ہم یہ بھی نہیں پوچھ رہے ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ عرب کے قبائل کے بارے میں تم دریافت کر رہے ہو؟ تو سن لو کہ دور جاہلیت کے معزز لوگ اسلام میں بھی معزز سمجھے جائیں گے بشرطیکہ انہوں نے دین کو خوب سمجھ لیا ہو۔

غور فرمائیے کہ یہاں بھی عزت و بلندی کا معیار دین کی سمجھ اور خوف خدا ہی بتایا جا رہا ہے، ورنہ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ آپ عرب قبائل کے بڑے لوگوں کو جو اسلام قبول کر چکے تھے، محض اس لئے معزز قرار دیدیتے کہ وہ اگ، خاندانی اعتبار سے بلند ہیں، اسلام کا یہی تصور فضیلت و کرامت تھا جس نے غلاموں اور آقاؤں کو، عرب اور عجم کو، کالے اور گورے کو ایک صف میں کھڑا کر کے دنیا کے سامنے وحدت و اتحاد کا وہ نمونہ پیش کیا جس کو دنیا کے بڑے بڑے عقلاء و حکماء سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

انیسویں صدی عیسوی میں جب یورپ نے اسلام پر حملہ شروع کیا، اور اسلامی تعلیمات کو غلط قرار دینے کا منصوبہ بنایا، تو اسلام کی مخالفت میں وہاں رنگ و نسل اور قوم و وطن کی تقسیم کا سلسلہ شروع ہوا اور غلام و آقا کی تفریق نے زور پکڑا، چنانچہ رنگ و نسل کے امتیاز کا رجحان ایک مصیبت کی شکل میں لوگوں پر مسلط ہو گیا، اور ہر شخص اپنے آپ کو اونچی نسل اور دوسرے کو پست طبقہ کا فرد ثابت کرنے کی کوشش میں لگ گیا، اسی کے نتیجے میں سامراجی ذہنیت کا وجود ہوا، اور وہ پوری دنیا پر ایک عذاب بن کر مسلط ہونے لگی، یورپ اپنے آپ کو آقا سمجھ کر تمام قوموں پر اقتدار اعلیٰ حاصل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کرنے لگا، بیسویں صدی میں یہ کوشش اس قدر آگے

بڑھی کہ آخر کار دنیا میں دو عظیم جنگیں برپا ہو کر رہیں، اور کروڑوں افراد موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔

فضیلت اور برتری کا جو معیار اسلام نے پیش کیا ہے اس کے سوا جس معیار کو بھی ہم اپنائیں گے یا صحیح سمجھیں گے وہ بالکل غلط ہوگا اور اس کا نتیجہ کشمکش، مصائب، پریشانیوں اور جنگ و جدال کی شکل میں رونما ہو کر رہے گا، دنیا میں موجودہ کشمکش اور جنگ کے خطرات کا جو تصور قائم ہے اس کی سب سے بڑی وجہ اگر غور کیا جائے تو صرف عزت و وقار کا غلط معیار ہے جس کو ہر فریق نے اپنی محدود عقل کی بنیاد پر قائم کر رکھا ہے، عزت و وقار کے اس غلط معیار کو جب تک شتم نہ کیا جائے اور صحیح معیار کو سامنے رکھنا نہ جائے، جنگ کی مصیبتیں اور خطرات قطعاً دور نہیں ہو سکتے، دنیا کی دونوں گذشتہ بڑی جنگوں میں ہمارے لئے عبرت کا سامان موجود ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر  
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

انکی جمعیت کا ہی ملک و نسب پر انحصار  
قوت و مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں  
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی





## بیداری کے آثار\*

قربانی اور جدوجہد کے ساتھ اخلاص کی ضرورت!

خون رگ معمار کی گرمی سے ہے تعمیر

میخانہ حافظ ہو کہ بت خانہ بہنراد

بے محنت پیہم کوئی جو ہر نہیں کھلتا

روشن شریٹشہ سے ہے خانہ فرہاد

گزشتہ دنوں بہار واڑیسہ اور مغربی بنگال کے مختلف شہروں میں مسلمانوں پر جو قیامت ٹوٹی اس نے پوری قوم میں ایک عام توجہ اور بیداری کی فضا پیدا کر دی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ۸-۹ اگست ۱۹۶۴ء کو لکھنؤ میں مسلم مجلس مشاورت منعقد ہوئی، جس میں مسلمانوں کے تحفظ و بقاء اور ان کے اس ملک میں ایک زندہ و فعال قوم کی حیثیت سے زندہ رہنے کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا گیا، آئے دن ہونے والے فسادات کی مذمت کی گئی، اور مسلم دشمنی کے جذبات کو ملک و قوم کے لئے خطرناک بتایا گیا، مجلس مشاورت نے متعدد قراردادوں کے ذریعہ حکومت کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ مسلمانوں کے دستور میں دئے گئے حقوق کی پامالی کا دروازہ بند کر دینا چاہئے، اور ان کو اس ملک کا ایک ایسا قومی عنصر شمار کرنا چاہئے جس نے ملک کی آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور جنگ آزادی میں جس کا کارنامہ سب سے زیادہ نمایاں ہے۔

\* ۱۹۶۴ء میں بہار واڑیسہ میں مسلمانوں پر جو قیامت صغریٰ ٹوٹی، اس کے بعد مسلم مجلس مشاورت کا قیام عمل میں آیا، یہ شہنشاہ ”تعمیر حیات“ ندوۃ العلماء کے ادارے کے طور پر لکھا گیا، اور اشاعت پذیر ہوا۔

مجلس مشاورت نے صرف قرار دادوں اور تجاویز پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس نے اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ملک کے مختلف مقامات کا دورہ شروع کیا، جس کا اثر یہ ہوا کہ ان علاقوں میں جہاں مسلمان مایوسی اور حد درجہ کی بے اعتمادی کا شکار ہو گئے تھے، ان میں آس اور امید کی شمع پھر روشن ہوئی، اور ایک بڑی حد تک ان میں اعتماد کی فضا بحال ہوئی، ان کو یہ بات بالکل صاف محسوس ہوئی کہ مایوس ہو کر بیٹھ رہنا بالکل غلط ہے، اور موہوم خطرات کے پیش نظر خود اعتمادی کو ختم کر کے آخری وقت کا انتظار شروع کر دینا زبردست حماقت اور انتہائی بزدلی کی بات ہے۔

مجلس مشاورت کا اگر کوئی کارنامہ ہو تو یہی اس کا سب سے بڑا اور روشن کارنامہ ہے، اگر ہمارے ملک کے مسلمانوں میں پست ہمتی، بے اعتمادی اور مایوسی کی فضا ختم ہو کر بلند ہمتی، خود اعتمادی اور حوصلہ مندی کی فضا پیدا ہو جائے، وہ اپنے آپ کو ایک متحرک اور زندہ قوم کی حیثیت سے ملک کے سامنے پیش کریں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان پر ایسی ایسی قیامتیں ٹوٹی رہیں جو روڑ کیا، جمشید پور، کلکتہ اور رائے پور کی یاد پھر تازہ کر سکیں۔

مسلم کش فسادات اور بالخصوص بہار واڑیہ کی دردناک تباہی اور لرزہ خیز قیامت نے جہاں مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے اور اپنے درد کا درماں سوچنے پر آمادہ کیا، وہیں برادران وطن کے اس شریف و انسانیت نواز عنصر کو بھی ظلم و بے دردی کے اس خونی ڈرامہ نے چونکایا اور انہوں نے اس سیلاب کو روکنے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں، اور مسلمانوں کے دوش بدوش اس مہم کو آگے بڑھانے کے لئے تیار ہوئے۔

غالباً اسی ہمدردی و تعاون کے نتیجہ میں ۲۹-۳۰ نومبر ۱۹۶۳ء کو دہلی میں آل انڈیا قومی جمہوری کنونشن کا انعقاد ہوا، اس کا بھی مقصد یہی ہے کہ وہ ملک کی اس ناخوشگوار فضا کو بدلے اور مسلمان اقلیت پر ہونے والے مظالم اور نا انصافیوں کا انسداد اور خاتمہ کرے، اور اس تحریک یا عنصر کو دبائے جو فرقہ پرستی کو ہوا دیتی ہو اور جس سے ملکی اتحاد کا شیرازہ منتشر ہونے کا اندیشہ ہو، نیز ملکی اتحاد اور جذباتی ہم آہنگی کی فضا پورے ملک میں پیدا ہو۔

بلاشبہ یہ مقصد بہت نیک اور مبارک ہے، لیکن اس کو بروئے کار لانے اور اس کو عملی شکل میں ملک میں نافذ کرنے کے لئے بے پناہ جدوجہد، بے انتہا کوشش اور پورے اخلاص کی ضرورت ہے، اگر اخلاص، قربانی اور جدوجہد کے جذبہ سے کام شروع کیا گیا، اور اس کے لئے اسی طرح مخلصانہ جدوجہد اور کوشش شروع کی گئی، جس طرح مجلس مشاورت نے شروع کی ہے، تو امید ہے کہ یہ کوشش بھی نتیجہ خیز ثابت ہوگی، اور اس سے نہ صرف ملک کے مسلمانوں بلکہ پورے ملک کو فائدہ پہنچنے کی توقع ہے۔

اس وقت مسلم قوم کے سامنے صرف یہی ایک مسئلہ نہیں ہے کہ فسادات اور عام قتل و غارت کا سلسلہ بند ہو جائے، بلکہ سب سے بڑا مسئلہ اس وقت ان کی صحیح اور مخلص قیادت کا ہے، اگر یہ چیز حاصل ہوگی اور مسلمانوں کی قیادت کی باگ و ڈور کسی ایسے ہاتھ میں آئی جو محب وطن ہونے کے ساتھ ساتھ محب انسانیت، مخلص اور بے لوث ہو تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وقت کا ایک بڑا مسئلہ حل ہو جائے گا، اور مسلمانوں کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو وہ سنبھال سکے گا۔

ہم کو یقین ہے کہ اگر یہ کام اس نقطہ نظر سے شروع کیا گیا تو خواہ مجلس مشاورت ہو یا قومی جمہوری کنونشن، ہر ایک کے لئے یہ میدان خالی ہے، بلکہ وہ اپنے رہنما اور قائد کا منتظر ہے، مقصد کے اعتبار سے دونوں جماعتوں کا مطمح نظر ایک ہے، اور کسی ایک کے لئے دوسرے میں کوئی تضاد نہیں ہے، طریقہ کار میں اختلاف کے باوجود بنیادی مقصد میں اتحاد، ہم آہنگی اور پورا اتفاق، کامیابی کا پیش خیمہ ہے۔

اب جبکہ ملک میں بجائے ایک مجلس مشاورت کے جمہوری کنونشن بھی موجود ہے ہم امید رکھتے ہیں کہ ملک کی فرقہ وارانہ فضا کے بدلے اور مسلمانوں میں قومی شعور بیدار کرنے اور خود اعتمادی و بلند حوصلگی کا جذبہ پیدا کرنے میں ہر ایک کو دوسرے سے بڑی مدد ملے گی اور ہر ایک کے لئے دوسرے کا وجود تقویت کا باعث ہوگا، خدا کرے ہماری یہ تمنا برآئے۔

عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی

اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ

(علامہ اقبال)





## خود اعتمادی کی ضرورت

مسلمان اس وقت جن مسائل سے دوچار ہیں ان کی اہمیت سے شاید ہی کسی کو انکار ہو، یہ مسائل ہمیشہ پیش آنے والے دوسرے نئے مسائل کی طرح نہیں ہیں کہ ان سے سرسری طور پر گذر جانا کافی ہو، اور نہ محض رسمی طور پر کسی کانفرنس یا کنونشن کے ذریعہ ان کو حل کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ بات رسمی کانفرنسوں اور روایتی جلسوں سے بہت آگے بڑھ چکی ہے۔

ہم جس مرحلے سے گزر رہے ہیں وہ ایک فیصلہ کن مرحلہ ہے، اس وقت ہماری ذرا سی غلطی یا غفلت آئندہ نسلوں کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے اور ہمیشہ کے لئے ذلت و غلامی کے طوق میں ہم جکڑے جاسکتے ہیں۔

اس وقت ہندوستان میں متعدد ایسی جماعتیں اور پارٹیاں سرگرم عمل ہیں، جو مسلمانوں کے وجود کو بھی کسی قیمت پر گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں، وہ اپنی انتہا پسندی اور بیحد خطرناک قسم کی تنگ نظری کے نتیجہ میں مسلمانوں کو ایک بدیسی اور ذلیل قوم تصور کرتی ہیں، ان کے نزدیک قوم مسلم ملک کے دستوری حقوق سے مستثنیٰ ہونے کی کسی حال میں مستحق نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلمان اس ملک کو خالی کر دیں، ورنہ پھر ان کو اکثریت کے ساتھ اس طرح رہنا ہوگا کہ وہ ان سے کسی حال میں مختلف نہ ہوں، زبان و کچھر، رسم و رواج حتیٰ کہ مذہب تک میں ان کے پابند بن کر رہیں۔ اور اپنی پوری زندگی کو اکثریت کی زندگی کے رنگ میں رنگ لیں، دوسرے الفاظ میں وہ نام کو خواہ مسلمان کہلائیں، لیکن دراصل وہ غیر مسلم ہوں، ان کے نزدیک ہندوستان خالص ہندوؤں کا ملک ہے:

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

اس وقت ملک میں علانیہ یہ تحریک چل رہی ہے اور بعض علاقوں میں ہندو مہا-بھیا اور جن-سنگھ کی طرف سے کھل کر یہ نعرہ لگایا جا رہا ہے کہ مسلمان ملک چھوڑ دیں، اس سلسلہ میں کانفرنسیں منعقد کی جا رہی ہیں اور اس مسئلہ کو فوری طور پر حل کرنے کے لئے حکومت پر دباؤ ڈالنے کی مختلف تجویزیں پاس ہو رہی ہیں، کہیں دستخطی مہم کا آغاز ہو رہا ہے تو کہیں مسلمانوں کو دھمکایا جا رہا ہے، اور ان سے اس طرح کی باتیں کہی جا رہی ہیں کہ وہ خود ہی ہراساں ہو کر پاکستان یا کہیں اور چلے جائیں۔ لیکن سوچنے کی بات ہے کہ کیا مسلمان کا اس ملک سے نکل جانا اتنا ہی آسان ہے جتنا کہ یہ فرقہ پرست اور متعصب و تنگ نظر جماعتیں سمجھ رہی ہیں؟ کیا وہ مسلمان جس نے جنگ آزادی میں سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اور ملک کو غداری سے نجات دلانے کے لئے ایک صدی سے زیادہ تک مسلسل جنگ کی ہے اور اپنے خون سے ملک کے ایک ایک ذرہ کو سینچا ہے، وہ مسلمان ”ملک چھوڑو“ جیسے بیہودہ نعروں سے مرعوب ہو کر ہندوستان کو جو اس کا ملک ہے اور جس کے چپہ چپہ پر اس کا پورا حق ہے اتنی آسانی سے چھوڑ کر چلا جائے گا، جتنی آسانی سے ان فرقہ پرور عناصر نے اس کا نعرہ بلند کیا ہے؟

اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنا موقف متعین کریں، اور حکومت کے سامنے اپنی پوزیشن کو نہایت واضح الفاظ میں پیش کرنے کی عادت ڈالیں اور صاف صاف اس بات کا اعلان کریں کہ مسلمانوں کا حق اس ملک کے ایک ذرہ ذرہ پر اتنا ہی ہے جتنا کسی اور قوم یا جماعت کا ہو سکتا ہے۔ وہ ملک کے تمام مسائل و حالات اور ہر نشیب و فراز میں برابر کے شریک ہیں، اور ان کو یہاں کی تمام روایات و خصوصیات اور تمام مسائل و مشکلات میں حصہ لینے اور اس کے لئے سوچنے کا پورا پورا حق حاصل ہے، یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ مسلمان ان بزدلانہ حرکتوں اور آگ و خون کی داستانوں سے متاثر ہو کر ایک بزدل اور کمزور قوم کی طرح اپنی سارے ملکی و ملی آثار کو چھوڑ کر چلے جائیں، یا یہاں رہ کر اپنی تمام دینی اور روایتی خصوصیات اور شخص سے عاری ہو کر اکثریت کے رنگ میں رنگ جائیں۔ اور ہر ظلم و نا انصافی کے آگے سر جھکا دیں اور ہر تہم پیشہ اور جفا شعار کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔

اس حقیقت کے اظہار میں ہم کو ایک لمحہ کے لئے بھی تردد نہ ہونا چاہئے کہ مسلمانوں کو یہاں ہر قیمت پر مسلمان بن کر رہنا ہے اور اپنی تمام اسلامی خصوصیات اور دینی و ملی روایات سے وابستہ رہ کر اور ان پر عمل پیرا ہو کر رہنا ہے، ہماری سب سے بڑی کمزوری اور ذلت و رسوائی کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ہم اپنی اکثر اسلامی خصوصیتوں سے عاری ہو گئے ہیں، دینی امور میں ہم بے حد کمزور ہو کر رہ گئے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم کو ڈرانے والے ڈرارہے ہیں، نکالنے والے نکالنے کی سازشیں کر رہے ہیں، اور ہم حکومت سے رحم کی اپیل کر رہے ہیں، انصاف کی بھیک مانگ رہے ہیں، مساوات اور سکولرازم کے نام پر اس کی دہائی دے رہے ہیں اور ہر وہ کام کرنے پر آمادہ ہیں جو ایک مسلمان کی لئے ننگ و عار بلکہ ذلت و غلامی کے مرادف ہے۔ اگر ہم کو من حیث القوم زندہ رہنا ہے، اور اپنا بلند منصب دنیا سے تسلیم کرنا ہے تو ہم کو ان حقیر و ذلیل حرکتوں سے باز آنا ہوگا، انصاف کی بھیک مانگنا، رحم کی اپیل کرنا، انسانیت کا واسطہ دینا اور ذلت کی اس حد تک پہنچ جانا جہاں ہم چوہے بلیوں کی طرح قتل کر دیئے جائیں اور کیڑے مکوڑوں کی طرح مسل دئے جائیں، کسی خوددار، اور باعزت قوم کا شیوہ ہر گز نہیں ہو سکتا، چہ جائے کہ مسلمان قوم کا جو دنیا کی سب سے اعلیٰ و ارفع قوم ہے اور جس کا منصب اس دنیا میں خلافت کا وہ عظیم منصب ہے جس پر فرشتوں کو بھی رشک آتا ہے۔

ہمارے مسائل کا حل صرف خدا پر صحیح بھروسہ اور خود اعتمادی میں مضمر ہے، ہم کو اگر زندہ رہنا ہے اور عزت کی زندگی گزارنا ہے تو ہم کو مسلمان قوم کا صحیح اور مکمل نمونہ بننا ہوگا، ایمان اور غیرت کی دبی ہوئی چنگاری کو پھر سے روشن کرنا ہوگا، اسلامی خصوصیات و روایات سے سرتابی کے بجائے ان کو اپنانا ہوگا، اور دنیا کو یہ بتانا ہوگا کہ اسلام ایک مثالی اور مکمل مذہب ہے، جس کے ماننے والے بھی مثالی اور مکمل ہوتے ہیں، ہم کو اپنی ہر چیز میں تبدیلی کرنی ہوگی، رفتار و گفتار میں، لباس و پوشاک میں، شکل و صورت میں، دوکان و مکان میں، جب تک ہماری ہر چیز اور ہر بات اسلامی زندگی کا مکمل نمونہ نہ ہوگی، دوسری قومیں ہم سے متاثر نہیں ہو سکتیں اور نہ ہم کو قابل اعتنا سمجھ سکتی ہیں۔

آج اگر ہم اپنی مجموعی زندگی کا جائزہ لیں تو ایک دو فیصدی بھی اسلامی زندگی کا کوئی حصہ اس میں نظر نہیں آئے گا، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم مسائل کو صرف اسباب و وسائل کی راہ سے سوچتے ہیں، وسائل ہی کو ہم نے کامیابی اور ناکامی کا معیار تصور کر لیا ہے اور اسی نتج پر سوچنے کے ہم عادی ہو گئے ہیں، ایمان کی قوت، خدا پر توکل کی وہ عظیم طاقت جو مسلمانوں کا اصل سرچشمہ ہے ہمارے اندر موجود نہیں رہی اور اسی چیز کے فقدان نے ہم کو آج اس سطح پر پہنچا دیا ہے، جہاں سے ہم کو بجز مادیت اور ظاہری اسباب و وسائل کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔

موجودہ حالات کے پیش نظر مسلمانوں نے اگر کوئی کنونشن یا کانفرنس منعقد کی تو بلاشبہ اس کے اثرات نتیجہ خیز ہو سکتے ہیں، لیکن اپنی داخلی اصلاح اس کے ساتھ بیکر ضروری ہے۔ قلب و باطن جب تک صحیح نہ ہوگا اور اسلامی خصوصیات اور اپنی ملی روایتوں کو جب تک ہم نہیں اپنائیں گے اور اپنے وطن میں رہنے کا جب تک ہم عزم مصمم نہیں کریں گے اس وقت تک پوری کامیابی ناممکن ہے۔ قرآن مجید کا یہ ارشاد اسی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے:

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّأَ لِقَوْمِكَ مَقَرًّا بِمِصْرَ بَيْتًا، وَاجْعَلُوا لِي دُورًا  
تَكُم قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَبِشْرَ الْمُؤْمِنِينَ (سورہ یونس ع ۸۷)

ترجمہ: ”اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کو کہ مقرر کرو اپنی قوم کے واسطے مصر میں گھر، اور بناؤ اپنے گھروں کو قبلہ رو، اور قائم کرو نماز، اور خوشخبری دو ایمان والوں کو۔“  
اپنے وطن میں رہنے اور گھر بنانے اور گھروں کو قبلہ رو بنانے کا حکم اس لئے دیا جا رہا ہے تاکہ وہ اسلامی گھر کی علامت سمجھا جائے اور اس کے بعد نماز قائم کرنے کا حکم ہے، اگر ہم غور کریں تو صاف ظاہر ہوگا کہ قوموں کی زندگی و موت کا سب سے بڑا انحصار انکی قومی و ملی روایات و خصوصیات پر ہے۔ اگر انہوں نے اپنی ان خصوصیات کو پس پشت ڈال کر اور اپنا قومی و مذہبی امتیاز ختم کر کے دوسروں کی زندگیوں کو رشک کی نگاہ سے دیکھا یا اپنی روایات کو بالائے طاق رکھ کر غیروں میں اس طرح گھل مل گئے کہ ان کا امتیازی نشان جاتا رہا تو بلاشبہ یہ زندہ قوموں کی علامت نہ ہوگی اور نہ ایسی قومیں دنیا میں اپنا کوئی مقام پیدا کر سکتی ہیں۔

ہر اقدام سے پہلے ہم کو یہ طے کر لینا ہے کہ ظاہر و باطن دونوں حیثیتوں سے ہم کو مسلمان رہنا ہے۔ اور اپنی اسلامی شان کا ہم کو ہر جگہ اور ہر وقت مظاہرہ کرنا ہے، اسلامیت سے جدا ہو کر حکومتوں کے رحم و کرم پر جینا، انصاف کی اپیل کرنا اور انسانیت کا واسطہ دینا، مسلمان جیسی عظیم اور زندہ و متحرک قوم کا شعار ہرگز نہیں ہو سکتا، آج کی سب سے بڑی مصیبت یہی ہے کہ ہر چیز کا مداوا ہم دوسروں میں ڈھونڈتے ہیں اور خود اپنے منصب و مقام سے یکسر غافل و نا آشنا ہیں۔

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت

وہ کہنے دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو





## ہماری سب سے بڑی ذمہ داری

ہمارے ملک میں قدیم عہد سے ایک مخصوص طبقہ کی طرف سے مسلمانوں کے لئے تنگ نظری اور تعصب کا رجحان پایا جاتا ہے، لیکن یہ رجحان اس جمہوری دور میں اس قدر ترقی کر چکا ہے کہ ڈنکے کی چوٹ پر یہ اعلان کرنے میں کوئی شرم و حیا محسوس نہیں کی جاتی کہ مسلمان اس ملک کے اصل باشندے نہیں ہیں، اگر مسلمانوں کو اس ملک میں رہنا ہے تو وہ اکثریت کی تہذیب یعنی ہندو تہذیب میں ضم ہو کر اور ہندو بن کر رہیں، وہ اسلامی روایات، اسلامی تہذیب اور اسلامی زندگی کی خصوصیات کو قطعاً ترک کر دیں، اور اکثریت کے نقش قدم پر چلنا سیکھیں۔

ان خیالات کو اس ملک کی رجعت پسند اور تنگ نظر فسطائی جماعتیں پوری قوت سے پھیلا رہی ہیں۔ اور غیر مسلم افراد کے ذہن میں مسلمانوں کے متعلق ایسا نقشہ جمانا چاہتی ہیں جس سے ان کے اصل کردار پر پردہ پڑ جائے۔ اور عوام کی نظر میں ان کی حیثیت ایک ذلیل اور ظالم و جابر قوم سے زیادہ کی نہ ہو جس کا اس ملک کی سرزمین میں کوئی حصہ، اور اس کو یہاں رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

یہی دراصل وہ فسطائی ذہنیت ہے جو نہ صرف ہندوستان کے لئے ایک عظیم خطرہ کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے، بلکہ یہ ذہنیت جس ملک میں بھی پائی جائے گی وہ ملک سب سے پہلے اخلاقی حیثیت سے تباہ ہوگا اور پھر ہر طرح کی تباہی اس کا پیچھا کرے گی، افسوس آج ہمارے ملک میں ایک مخصوص طبقہ کی طرف سے مسلمانوں کے لئے تنگ نظری اور تعصب پھیلانے جانے کی زبردست مہم جاری ہے، مسلمانوں کی تاریخ مسخ کر کے پیش کرنے کی کوشش کا اندازہ سرکاری

نصاب میں داخل شدہ اس لٹرچر سے ہوتا ہے جو ہندوستان میں مسلمانوں کے تاریخی حقائق سے بالکل عاری اور منگھڑت تاریخ کا مرقع ہے، یہ اس ملک کی عالمی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ اس ملک کی سب سے بڑی اقلیت یعنی مسلمان جو اپنی ذات سے بڑی سے بڑی اکثریت شمار ہو سکتے ہیں، اس درجہ غیر مامون اور مظلوم ہو چکے ہیں کہ وہ آئے دن زبردست فرقہ وارانہ ہنگاموں کا شکار ہوتے رہتے ہیں وہ اپنی جان و مال کی طرف سے اتنے بے بس ہو چکے ہیں کہ فرقہ پرور جماعتیں جب چاہیں ان پر حملہ آور ہو جائیں اور ان کے ساتھ وہ تمام سلوک کر ڈالیں، جس کی مثال جنگل کے درندوں میں بھی نہیں مل سکتی، کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ صرف ۲ ماہ کے قلیل عرصہ میں ایک درجن فرقہ وارانہ فسادات ہو جائیں اور ان میں بعض تو اتنے بڑے پیمانے پر اور اتنے ہولناک ہوں کہ ان کا تصور کرنا مشکل ہو۔

یہ دراصل اس فسطائی ذہنیت کی ابتدائی کوشش ہے جو کسی قیمت پر اس ملک میں مسلمانوں کے وجود کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں، جو سرے سے اسلام اور مسلمانوں کے نام کو اس ملک کے چپہ چپہ سے مٹا دینا چاہتی ہے، جس کو کسی حال میں یہ گوارا نہیں کہ ہندوستان میں ہندو قوم کے سوا کوئی اور قوم اور ہندو مذہب و تہذیب کو چھوڑ کر کوئی اور مذہب و تہذیب زندہ رہے، اس کا نعرہ ہے کہ ہندوستان ہندو کا ہے، مسلمانوں کا اس ملک میں کوئی حق نہیں۔

اس فسطائی ذہنیت کے علمبرداروں اور تنگ نظری کے اس رجحان کو پھیلانے والوں سے میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جب تم اس ملک کی خادار وادیوں میں اور وحشت و بربریت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھٹک رہے تھے، جب تم اس ملک میں تہذیب و تمدن نام کی کسی چیز سے واقف نہیں تھے، جب تم زندگی کے اصول و آداب سے یکسر محروم تھے، جب اخلاق کی عظمت و بلندی اور انسانیت کے بلند مقام کی تم کو خبر بھی نہ تھی، جب انسان اور حیوان کو تم ایک ہی سطح کی دو مخلوق سمجھتے تھے، جب تم اپنے ہی جیسے ایک انسان کو اس قدر ملجھ اور ناپاک تصور کرتے تھے کہ وہ اگر تمہاری طرف سے گزر جائے تو قابل گردن زدنی ہو جاتا ہے، جب تم علم و ادب، شرافت اور اخلاق کی قیمت نہیں سمجھتے تھے تو کس نے تم کو ان سب باتوں کی تمیز عطا کی، کس نے تم کو انسانیت



کے ہمہ گیر تصور سے آشنا کیا، اور کس نے تم کو ایک بلند و بالا اور پرکشش تہذیب سے نوازا! مجھے کہنے دو کہ یہ صرف اسلام کا ابر کرم تھا جو تمہاری خشک و بنجر زمین پر برسا، اور اس خاڑا زار وادی کو گلشن و گلستاں بنایا، یہ اسلام ہی کی نعمت تھی جس کو تمہارے آباء و اجداد نے سینے سے لگایا، اور یہ اسلام ہی کا چراغ تھا جس نے اس ملک کے ذرہ ذرہ کو آفتاب بنایا۔ آج بھی اسلام ہی کے خوانِ نعمت سے تم مستفید ہو رہے ہو، اسی کی لائی تہذیب و انسانیت کے صدقے تم اس ملک کے سیاہ و سفید کے مالک بن رہے ہو، اور اسی کے روشن کئے ہوئے راستے سے گذر کر تم اقوامِ عالم کے سامنے کھڑے ہونے کے قابل ہو رہے ہو.....!

اسلام کا یہ احسانِ تم پر معمولی نہیں، اگرچہ تم نے اسلامی تعلیمات کو قبول نہیں کیا، اور اسکو مذہب کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا، لیکن اسلام نے تمہاری زندگی کے ہر گوشہ پر گہرا اثر ڈالا ہے اور اس کے عظیم احسانات سے تم کبھی عہدہ برا نہیں ہو سکتے، آج تم اسی اسلام کو اور اس کے ماننے والوں کو ملک کا دشمن قرار دیتے ہو، اور کہتے ہو کہ اسلام اور مسلمانوں کی اس ملک میں کوئی گنجائش نہیں، یاد رکھو! اگر اسلام اور مسلمانوں کے وجود سے یہ ملک محروم ہو گیا تو پھر وہی جنگل کا قانون یہاں رائج ہوگا اور غیر ملکی سامراجی و رندے تم کو غلام بنا کر اسی تاریک عہد کی یاد پھر تازہ کر دیں گے جس سے نکلنے کے لئے تم نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر آزادی کی جنگ لڑی تھی۔

مسلمان اس ملک میں برابر کا حقدار ہے، اس نے اس ملک کے لیے اور اس کو ترقی دینے کے لئے جو قربانیاں دی ہیں وہ کبھی فراموش نہیں کی جاسکتیں، اس نے اس ملک کو آزاد کرانے کے لئے جس طرح بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے وہ کبھی بھلایا نہیں جاسکتا، قدر ناشناسی اور احسان فراموشی کی اس سے بڑھ کر کوئی اور مثال نہیں ہو سکتی کہ تنگ نظروں کا ایک طبقہ اٹھے اور مسلمانوں کو ذلیل کرنے اور ان کی بیخ کنی کرنے کے لئے قتل و غارت گری کی ایک منظم تحریک چلائے، اور ان کی نسل کشی کے لئے طرح طرح کی اسکیمیں تیار کرے اور اسکو فسادات کے نام پر نافذ کرے۔ تنگ نظری کی مثال اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کے عظیم کارناموں اور ان کی خدمات اور قربانیوں کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے، اور ان کو طرح طرح سے ستایا اور پامال کیا جائے، تاکہ

وہ ملک چھوڑنے یا قدیم ہندوستانی تہذیب میں ضم ہو جانے پر مجبور ہو جائیں۔

”مسلمان ہندوستان چھوڑ دیں“ کا نعرہ لگانے والوں سے میں پوچھتا ہوں کہ مسلمان کیوں ہندوستان چھوڑ دیں، کیا ہندوستان ان کا ملک نہیں ہے، کیا اس ملک کے ضمیر سے وہ نہیں تیار ہوئے ہیں؟ اگر یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں نے جو کچھ اس ملک کو دیا، کسی قوم نے نہیں دیا۔ انہوں نے اس ملک کی جو خدمت کی کسی نے نہیں کی، تو یہ بھی صحیح ہے کہ وہ ہمیشہ اس ملک میں رہیں گے، اور کسی کو مسلمانوں کے لئے ہندوستان چھوڑنے کا نعرہ لگانے کا کبھی کوئی حق نہیں پہنچتا، اور جو ایسا کرتا ہے وہ اخلاق، انسانیت اور ضمیر کی عدالت میں سب سے بڑا مجرم ہے۔

ان حالات میں جبکہ مسلمانوں کے وجود کو برداشت کرنے کی قوت دن بدن اس ملک کے لوگوں میں کم ہوتی جا رہی ہے اور اسلام و مسلمانوں کو مٹانے اور ان کی تہذیب و روایات کا خاتمہ کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے، ہم پر سب سے بڑی ذمہ داری یہ عائد ہوتی ہے کہ ہم اسلام کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں انفرادی اور اجتماعی طور پر نافذ کرنے کی پوری کوشش کریں، ہم اپنی اسلامیت کو اپنی زندگی کے ہر پہلو میں نمایاں کرنے کی کوشش کریں، اسلامی شعار و روایات پر ذاتی زندگی میں اور سوسائٹی میں ہر طرح عمل کرنے اور کرانے کی کوشش کریں، اسلام کے بنیادی عقائد و ارکان پر اپنے ایمان کو زیادہ سے زیادہ پختہ بنائیں اور اس کے رنگ کو ہر شعبہ زندگی میں غالب کرنے کی کوشش کریں۔

ان حالات کا خاموش مقابلہ ہم اسی طرح کر سکتے ہیں کہ جتنا ہی ہماری تہذیب کو مٹانے کی کوشش کی جائے، اسی قدر ہم اس کو نمایاں کریں اور اس پر پابندی برتیں، آج مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد (جس میں اچھے اچھے تعلیم یافتہ لوگ بھی شامل ہیں) اپنی تہذیب و روایات سے غافل ہو کر شعوری یا غیر شعوری طور پر دوسری تہذیبوں سے متاثر ہو چکی ہے، وہ بہت سے غیر اسلامی تہذیبوں میں یا ان تقریبات میں جن کا مسلمانوں سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا بالکل ان کے ماننے والوں ہی کی طرح حصہ لیتی ہے یا ان کو صحیح سمجھنے لگی ہے جس کا مشاہدہ ہم اکثر مواقع پر کرتے رہتے ہیں۔

ہماری ذمہ داری یا ہمارا پیغام یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا کہ ہم حالات کے سامنے سپر انداز

ہونے سے بچنے کی کوشش کریں، بلکہ ہماری سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ اپنی تمام ملی اور قومی خصوصیات کو قائم رکھتے ہوئے ان حالات کو بدل دیں جو آج ہماری سب سے بڑی تباہی و بربادی اور ذلت و رسوائی کا سبب ہیں۔ دوسروں کی طرف سے پیدا کئے ہوئے حالات سے پہلے ہم کو اپنی حالت کا جائزہ لینا چاہئے کہ ہم کس حد تک مسلمان ہیں اور کہاں تک اسلامی خصوصیات ہمارے اندر پائی جاتی ہیں، اگر ہم نے اپنے حالات کا صحیح جائزہ لے کر ان کو بدلنے کی کوشش کی تو باہری دنیا سے جو حالات ہم پر مسلط ہو گئے ہیں وہ خود بخود بدلنے لگیں گے۔





## پروپیگنڈے کی نہیں، اخلاص کی ضرورت ہے

آج پروپیگنڈہ کی اثر انگیزی مسلم ہو چکی ہے، معمولی سامانوں کو پروپیگنڈہ کے ذریعہ نہایت آسانی اور سرعت کے ساتھ مقبول عام بنا دیا جاتا ہے، پچھلے زمانوں میں یہ طریقہ سامان تجارت اور مادی چیزوں میں استعمال کیا جاتا تھا، لیکن ترقی کے اس نئے دور میں پروپیگنڈے میں بھی ترقی آئی اور اس کا دائرہ کار زندگی کے تمام گوشوں میں پھیل گیا، انسان کے وہ ذاتی اور انفرادی پہلو جو ”راز“ ہوتے ہیں ان میں بھی ان کا عمل دخل ہو گیا، پوشیدہ طور پر انجام دی جانے والی عبادات اور معنوی خوبیوں میں بھی پروپیگنڈہ کا عمل شروع ہو گیا۔ اس ہمہ گیر اور ہمہ جہت پروپیگنڈے نے پوری دنیا کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی ہے، پورے انسانی معاشرہ میں پروپیگنڈہ کی اشد ضرورت محسوس کر لی گئی ہے۔ پہلے تو انفرادی طور پر پروپیگنڈہ کا کام کرنے والے خاص خاص افراد ہوتے تھے، لیکن اب تو اس کے لئے باضابطہ کمپنیاں قائم ہیں، جو ہر طرح کے پروپیگنڈہ کی خدمات انجام دیتی ہیں اور کسی بھی کام یا کسی سرگرمی کا اپنے محدود دائرے میں بھی رواج و شہرت پانا یا اس کا عام ہونا ان کمپنیوں یا ان میں کام کرنے والوں کے بغیر ممکن نہیں رہا ہے۔

رفتہ رفتہ لوگوں کا یہ مزاج بھی بن گیا ہے کہ پروپیگنڈہ کے ذریعہ آنے والی ہر چیز ان کے نزدیک قابل اعتماد اور پسندیدہ ہوتی ہے، خواہ اس کے بالمقابل چیز کتنی ہی قیمتی، نفع بخش اور اچھی کیوں نہ ہو، پروپیگنڈہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ قابل قبول نہیں ہوتی، لوگوں نے صرف مادی زندگی میں اس طریقہ پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ ہر دینی عمل کی قدر و قیمت بھی وہ پروپیگنڈے کے اعتبار سے متعین کرنے لگے ہیں۔ جن کاموں میں خوب خوب پروپیگنڈہ اور نشر و اشاعت کے وسائل

استعمال کئے جاتے ہیں، وہ نہایت مہتمم بالشان تصور کئے جاتے ہیں، اس کے بالمقابل جن امور میں یہ وسائل استعمال نہیں ہوتے ہیں، انھیں یہ مقام حاصل نہیں ہوتا، اس وجہ سے ہر شخص کی انتہائی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اپنی پیداوار اور مصنوعات کو پروپیگنڈہ کے وسائل کی زینت بنائے اور بڑے پیمانہ پر اس کی شہرت اور اس کا چرچا ہو۔ جب ایسا ہو جاتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ اسکی محنت ٹھکانے لگی اور اپنے مقصد میں پوری کامیابی نصیب ہوگئی۔

خالص دینی کوششوں کا دعویٰ کرنے والے لوگ بھی ان کوششوں کو ترقی دینے کے لئے پروپیگنڈہ کے طریقے اختیار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہر حال میں اور ہر جگہ ان کوششوں کا چرچا ہو جائے۔ ہر ہر انسان ان سے واقف ہو اور تعریف و پسندیدگی کا اظہار کرے، اس طرح کی شہرت کی مقدار جتنی زیادہ ہوتی ہے اتنی ہی ان کوششوں کی افادیت و اہمیت ثابت ہو جاتی ہے، گویا پروپیگنڈہ نے ”نیت“ کا درجہ حاصل کر لیا ہے، جس کا خالص ہونا عند اللہ مقبولیت کا سبب ہوتا ہے۔

خالص دینی تحریکات اور دینی کاموں میں بھی پروپیگنڈہ کا رنگ آگیا ہے اور بظاہر اس کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان تحریکات کی جانب لوگوں کی توجہ مبذول کرائی جائے، یہ مقصد خدا کی رضا جوئی اور اس کے سامنے سرافگندگی سے زیادہ اہم ہو گیا ہے، ورنہ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ پروپیگنڈہ کے خاص طریقوں پر ہی بھروسہ کیا جائے، انسان کی ذاتی زندگی سے تعلق رکھنے والے مخصوص خصائل و اوصاف اور عبادات کا اظہار زور و شور سے کیا جائے، چندہ دینے والوں اور دیگر نیک کام کرنے والوں کے ناموں کی اشاعت سے کیا مقصد ہے؟ اپنے صدقات اور خیرات کا کھلم کھلا اعلان کیوں کیا جاتا ہے؟ نصف شب کی نماز اور دعا و مناجات کا تذکرہ کرنے کی کیوں کوشش کی جاتی ہے؟

آج ہماری زندگی کے تمام اعمال، تمام سرگرمیاں، ہماری کوششیں اور کاوشیں حقیقت سے بڑھ کر مظاہرے اور دکھاوے پر لگی ہیں، بلکہ واقعہ کی مقدار اور اسکے سائز کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے۔ بار بار ایسے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ بالکل بے بنیاد اور گڑھی ہوئی چیزوں کو حقیقت بنا

کر پیش کرتے ہیں اور پھر وہ اس حقیقت پر ایسا اعتماد اور یقین حاصل کر لیتے ہیں کہ واقعی کسی حقیقت و صداقت اور سچائی کو وہ یقین و اعتماد حاصل ہوتا ہو۔

کیا ایسے لوگ جو دین کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں، دعوت کے علمبردار ہیں اور دینداری و اخلاق اور تقویٰ و پرہیزگاری کی صفات کی بنا پر دوسروں سے ممتاز ہیں، ان کے لئے یہ زیب دیتا ہے کہ خالص وہ اعمال جن کی قدر و قیمت اخفاء اور پوشیدہ رکھنے میں ہے، ان اعمال کے لئے بھی پروپیگنڈے کے تمام طریقے اختیار کریں۔

اگر پروپیگنڈہ اتنا ہی ضروری ہے تو ہمیں اس کی حد متعین کرنی ہوگی کہ اس سے تجاوز کرنا جائز نہ ہو، بقدر امکان ہمیں اپنی تمام دعوتی سرگرمیوں کو اعلان اور شہرت کے طریقوں میں ملوث کرنے سے پاک کرنا ہوگا، ہمارے لئے ضروری ہوگا کہ خالص دینی اعمال میں مادی وسائل پر اعتماد کرنے کی عادت ختم کریں، تبھی جا کر یہ ممکن ہو سکے گا کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اخلاص کا عنصر پیدا ہو سکے، ایمان و عمل کے اس قافلہ کو اپنا سفر پیہم جاری رکھنے کے لئے اخلاص کی آج کتنی سخت ضرورت ہے؟ اس کا اندازہ آپ خوب کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لن ينال الله لحومها ولا دماؤها ولكن يناله التقوى منكم كذلك  
سخرها لكم لتكبروا الله على ما هداكم وبشر المحسنين. (حج: ۳۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے، نہ ان کے خون، بلکہ اسے تو تمہارے دل کی پرہیزگاری پہنچتی ہے۔ اسی طرح اللہ نے ان جانوروں کو تمہارا مطیع کر دیا کہ تم اس کی رہنمائی کے شکرے میں اس کی بڑائیاں بیان کرو، اور نیک لوگوں کو خوشخبری سنا دیجئے!







## میرے لئے میرا خدا بس ہے

موجودہ دور کی ساری قوتیں اپنی انواع و اقسام اور پورے وجود کے ساتھ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کرنے پر تلی ہوئی ہیں، اور مسلمانوں کی طاقت کو توڑنے، ان کی تمام صلاحیتوں و سطوت کو پراگندہ کرنے، ان کی وحدت کو ہر طرح سے پارہ پارہ کرنے اور ان کے شیرازہ کو منتشر کرنے کی راہ میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہی ہیں تاکہ مسلمانوں کی ہوا اکھڑ جائے، ان کے مادی و روحانی دونوں سرمائے جاتے رہیں، ان کی مملکت اور حکومت کا خاتمہ ہو جائے، ان سب سے مقصود صرف یہ ہے کہ دین اسلام کے نام لیواؤں کی ایسی زار و نزار حالت ہو جائے کہ دنیا کے نقشہ میں وہ پھرا بھر نہ سکیں، نہ عزت و سر بلندی کا حصول ان کے لئے ممکن ہو سکے، اور نہ وہ کسی مقام بلند پر اپنے آشیاں کی تعمیر کرنے کے قابل رہ سکیں اور نہ خوش حالی و فارغ البالی کے ساتھ زندگی بسر کرنا ان کے لئے آسان ہو۔

اپنے ان ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے وہ مسلمانوں کے دلوں میں خوف و ہراس، اضطراب و بے چینی اور یاس و ناامیدی کے بیج بوتے ہیں اور انہیں تباہ و برباد کر دینے کے منصوبے بناتے ہیں، چنانچہ خود ہی ان پر جنگیں مسلط کرتے ہیں، ان کے علاقوں پر حملہ آور ہوتے ہیں، ان کے مال و دولت اور سرمایوں کو اپنا حق سمجھتے ہیں، ان کی قوت و سطوت کو برباد کرتے اور انہیں تاریک و بھیانک مستقبل کی راہ دکھاتے ہیں، ان تخریب پسندوں نے اندازہ لگایا ہے کہ مسلمانوں اور عالم اسلام کے سلسلہ میں جلد ہی ان کا خواب شرمندہ تعبیر ہونے والا ہے، ان کے اس خیال کو مزید تقویت اس بات سے مل رہی ہے کہ مسلمانوں میں سے چند عداوران قوم و ملت نے چند ملکوں

اور جھوٹے وعدوں پر ان کے ہاتھوں اپنا سودا کر لیا ہے۔ یہ ضمیر فروش، غدار، توقع سے زیادہ اپنے عارضی آقاؤں کے وفادار ثابت ہوئے، انہوں نے ان کے پروگراموں کو کامیاب بنانے اور منصوبوں کو بروئے کار لانے میں ہلاکت و بربادی اور نقصان و تباہ کاری کے ذریعہ پوری سرگرمی دکھائی، آج جو ہمیں سخت آزمائشیں نظر آتی ہیں اور تباہی کے واقعات سننے میں آتے ہیں، نیز خوف و دہشت، جان و مال اور جائیداد کا خطرہ درپیش ہے اور مسلمانوں کے مفاد سے لاپرواہی اور ان کی طاقتوں کو پرانگندہ کرنے کی جو کوششیں کی جا رہی ہیں، یہ سب ایک ادنیٰ نتیجہ ہے، اس عظیم و ہمہ گیر سازش کا جو بہت ہی سخت اور پرخطر منصوبہ کے تحت عمل میں لائی گئی ہے، اور اس کا نشانہ ہر وہ شخص ہے جو اسلام کا کلمہ پڑھتا ہو اور مذہب اسلام، اس کی تاریخ، اس کے اخلاق و شریعت کی جانب اپنا انتساب کرتا ہو۔

آج ساری مادی اور نظریاتی قوتیں اسی مقصد کی تکمیل پر متحد ہو گئی ہیں، جس سے اہم اور قابل توجہ ان کے نزدیک کوئی مقصد نہیں، مغرب و مشرق اور شمال و جنوب سب کی نگاہیں ادھر ہی اٹھی ہوئی ہیں، اور پورا عالم ایک ہو کر مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا ہے، ہر جگہ مسلمانوں کے علاقے اور ان کے معاشرے کو نشانہ بنائے ہوئے ہے، تاکہ مسلمانوں کا قصہ ہی ہمیشہ کے لئے ختم کر دے۔

اگر آج ہم اپنے ملک و وطن اور معاشرہ کے اندر خوف و دہشت اور سختی و شدت کے پریشان کن حالات سے دوچار ہیں، تو یہ درحقیقت انہیں دشمنانہ کارروائیوں کے نتائج ہیں جو آہستہ آہستہ بڑھ رہی ہیں، تاکہ ان تمام علاقوں بلکہ ان گوشوں میں بھی ناسازگار حالات پیدا کئے جانے کا راستہ ہموار ہو جائے، جہاں مسلم قوم بود و باش رکھتی، اور اپنی سرگرمیوں کو انجام دیتی ہو، اگر ہم ان خطرناک سازشوں کی طرف سے غافل ہی رہے اور ان کے مقابلہ کی تیاری نہ کی تو وہ دن دور نہیں کہ یہ پوری امت کو اپنی لپیٹ میں لے لیں، اور کوہ آتش فشاں بن کر ہم پر اس طرح پھٹ پڑیں کہ راہ فرار اختیار کرنا ناممکن ہو جائے اور کسی نزدیک یا دور جگہ میں پناہ لینا بھی دشوار ہو جائے۔

قبل اس کے کہ پانی سر سے اونچا ہو جائے، ہمارے لئے ان بلاؤں سے چھٹکارا حاصل

کر لینا ممکن ہے، اور وہ اس طرح کہ اپنے ایمان اور عقیدہ کو مضبوط کریں، اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوں ففرّوا إلى الله، إني لكم منه نذير مبين۔ (ذاریات: ۵۰)

ترجمہ: اور اللہ کی طرف آؤ، میں کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔

نیک اعمال کی پناہ لیں اور نیکی و فرمانبرداری کی جانب تیزی سے بڑھیں، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

”نیک کاموں کی طرف جلدی سے بڑھو، جلد ہی ایسے نئے وجود میں آئیں گے جو شب و بچہ کے کلموں کی مانند ہوں گے، صبح کو مؤمن تھا شام تک اس دولت سے محروم ہو چکا ہوگا اور جو شام کو صاحب ایمان تھا، صبح کو دائرہ کفر میں آچکا ہوگا اور دنیا کی بہت معمولی قیمت پر اپنے دین کا سودا کر لے گا۔“

لہذا اس بات پر پختہ یقین کی ضرورت ہے کہ یہی وہ راستہ ہے جس پر گامزن ہو کر ہم ہر طرح کی سازشوں اور مصیبتوں اور ہر قسم کے منصوبوں سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں، کیونکہ اگر ہم نے خداوند حقیقی کی پناہ لی اور اس سے مدد و نصرت کے خواستگار ہوئے تو وہ ہمارے لئے سارے حالات کو بہتر بنا دے گا۔ ہمارے لئے سارے اسباب جمع کر دے گا، دشمنوں کے ساتھ ہر مقابلہ میں ہمیں سعادت و کامیابی سے سرفراز و سرخرو فرمائے گا۔





## ہم نے کیا تیاری کی ہے؟

ہر دور میں اسلامی نظام پر حملہ کرنے والی جماعتیں اور افراد پائے جاتے رہے ہیں اور اسلامی اصولوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاریاں بڑے پیمانے پر منظم تحریکوں کے ذریعہ ہوتی رہی ہیں۔ لیکن اس دور میں اسلامی قوانین اور شریعت کے مقرر کردہ اصولوں کے خلاف جو کوششیں ہو رہی ہیں وہ نہ صرف کسی منظم تحریک کے پس پردہ جاری ہیں، بلکہ یہ اس سازش کی ایک بہت بڑی کڑی ہے جو مخالفین اسلام نے خود مسلمانوں کے اندر اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی غرض سے شروع کی تھی اور جس کے نتیجے میں ”تجدد پسند“ مسلمانوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا جو اسلام کو چودہ سو سال پہلے کی ”قدامت“ سے نکال کر موجودہ زمانہ کی ترقیوں کے مطابق کرنا چاہتا ہے اور جس کا خیال ہے کہ قدیم اسلام نئے زمانے کی زندگی کا ساتھ دینے کی صلاحیت کھو چکا ہے، اس لئے اس میں کمی زیادتی کا عمل ناگزیر ہے اور ترمیم و اصلاح کی شدید ضرورت ہے۔

یہ ایک بہت بڑی سازش کے کامیاب ہونے کی علامت ہے کہ خود مسلمان اس تبدیلی کا مطالبہ کرنے لگیں، اور وہ خدا اور انسان کے وضع کردہ قوانین میں کوئی فرق نہ کر سکیں، اور وہ اس حقیقت سے بھی منہ موڑ لیں کہ شریعت اسلامی ایک اٹل اور کبھی نہ بدلنے والا وہ قانون الہی ہے جو کسی انسان کے بدلنے سے تبدیل نہیں ہو سکتا اور نہ کسی بشری طاقت کو اس میں ترمیم و اضافہ کا اختیار ہی ہے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں یہ رجحان شدت سے پایا جاتا ہے کہ شریعت کو جامد نہیں ہونا چاہئے، اور اصول و قوانین میں لچک اور زمانہ کا ساتھ دینے کی صلاحیت ضروری ہونی چاہئے، یہ دراصل اس تشکیلی ذہن اور اس مرغوبیت کی علامت ہے جو مغربی نظام تعلیم کا خاصہ ہے اور جس

نے کسی لمحہ بھی اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا کہ اسلام ان تمام منصوبوں اور پروگراموں کے لئے زبردست خطرہ ہے جو اہل مغرب نے اپنی بالادستی قائم کرنے اور سیاسی و اقتصادی حیثیت سے اقوام مشرق کو بالخصوص اور اقوام عالم کو بالعموم مفلوج کرنے کے لئے بنایا ہے، وہ اس راز سے اچھی طرح واقف ہیں کہ اسلامی نظام اور اسلامی اصولوں کے غالب آنے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہر طرح کی قیادت و سیادت کی باگ ڈور یورپ کے ہاتھ سے چھین جائے اور مسلمان اصلاً اس دنیا کے قائد بن کر قوموں کے سامنے آجائیں۔

انہوں نے اندلس پر مسلمانوں کی حکمرانی کی تاریخ کا جائزہ لیا تو انہیں یہ راز اچھی طرح سمجھ میں آیا اور اسی وقت سے وہ اسلامی غلبہ و تفوق کے خلاف ہر طرح کی کوششیں کرتے رہے، اس منصوبے کو علمی جامہ پہنانے کے لئے انہوں نے اسلام کا بغور مطالعہ کیا۔ اور ان تمام طریقوں کا تجزیہ کیا جن کے ذریعہ وہ اسلام کو کمزور بنانے اور اس کے بنیادی عقائد کی عظمت کو ختم کرنے اور مسلمانوں کے دلوں سے اس کی ہیبت اور اس کے وقار کو نکالنے کی تدبیریں سوچ سکیں، اس سلسلے میں بہت سی ایسی تدبیریں ہو چکی ہیں جن سے اسلام کو براہ راست یا بالواسطہ نقصان پہنچا یا گیا، خاص طور سے مسلمانوں کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں ایک ایسا گروہ تیار ہو گیا جو اسلام کی طرف سے نہ صرف یہ کہ غیر مطمئن تھا، بلکہ اسلامی نظام کو ایک فرسودہ، مہمل اور ازکار رفتہ نظام تصور کرنے لگا اور اس نے اسلامی قانون کی از سر نو ترتیب و تدوین کا نعرہ بلند کرنا شروع کر دیا۔

مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کا مسئلہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، یہ سازش بہت اوپر سے چل رہی ہے اور مغربی ذہن کی ایجاد ہے، جو یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ یہی وہ تدبیر ہے جس کے ذریعہ اسلامی قانون کی صورت مسخ ہو سکتی ہے۔ زمانہ کے ساتھ ساتھ چلنے کا بہانہ ایک ایسا فریب ہے جو خیر خواہی کے لباس میں بدخواہی کا بدترین نمونہ ہے، یہ وہ حربہ ہے جو دشمنان اسلام نے اپنے ناپاک منصوبوں کو پورا کرنے کے لئے اپنایا ہے اور جس سے وہ سادہ لوح عوام کو دھوکہ دے رہے ہیں، اجتہاد کا دروازہ یقیناً بند نہیں ہوا ہے اور ہر زمانے میں ایسے مسائل پیش آتے رہے ہیں جن میں اجتہاد کی ضرورت پیش آئی ہے۔ لیکن یہ کام ”تشدد پسند“ جماعتوں یا افراد کا نہیں ہے، بلکہ ان

علمائے اسلام کا ہے جو فقہ اسلام میں گہری بصیرت رکھتے ہوں اور جن کو شریعت اسلامیہ میں عبور اور پختگی حاصل ہو، اور وہ اجتہاد کے مواقع اور اسکی ضرورت سے اچھی طرح واقف ہوں۔

رہے وہ احکام و مسائل جو براہ راست کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں اور جن کے بارے میں نص وارد ہے وہ کسی حال میں کسی ادنیٰ سے ادنیٰ تغیر کو بھی برداشت نہیں کر سکتے اور نہ کسی بڑے سے بڑے صاحب علم و بصیرت کو ان کی طرف نظر اجتہاد اٹھانے کا حق ہی ہے، قرآن کریم نے صاف صاف اعلان کر دیا ہے کہ ”ولا تقولوا لما تصف ألسنتكم الكذب، هذا حلال وهذا حرام لتفتروا على الله الكذب“ (نحل: ۱۱۶)

ترجمہ: اور کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھو۔

مسلم پرسنل لا کا معاملہ بھی اسی نوعیت کا ہے، اس میں کسی تبدیلی کی گنجائش پیدا کرنا کسی بشر کا کام نہیں ہے اور نہ کسی کو اس بارے میں کوئی اختیار ہی حاصل ہے، یہ آواز ادھر بہت سے مسلم ممالک میں اٹھ رہی ہے کہ اسلامی قانون نظر ثانی کا محتاج ہے، اور بہت سے مسائل میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ بعض مسلم ممالک نے اس طرح کے اقدام کرنے کی جرأت بھی کی ہے۔ مگر کسی جرأت یا مطالبہ سے متاثر ہو کر اہل علم، شریعت الہی میں تبدیلی کرنے کے مجاز نہیں ہیں، وہ ایک ایسی امانت کے امین ہیں جس میں خیانت کرنا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیانت کرنے کے مرادف ہے۔

ہمیں اس طرح کے مطالبات کی روح کو سمجھنا چاہئے اور یہ محسوس کرنا چاہئے کہ یہ اور اس طرح کی کوششیں دراصل اسلامی نظام کو پامال کرنے اور شریعت اسلامی کی عظمت کو دلوں سے نکالنے اور اسلام کو خود مسلمانوں کے ممالک میں بے یار و مددگار بنا کر چھوڑنے کی وہ ناپاک سازش ہے جو مسلمان عوام و خواص ہر ایک کے لئے ایک بڑا چیلنج ہے، لیکن اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم نے کیا تیاری کی ہے؟۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يا أيها الذين آمنوا لا تخونوا الله والرسول وتخونوا أنفسكم وأنتم تعلمون. (أنفال: ٢٤)

**ترجمہ:** اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول (کے حقوق) میں جانتے ہوئے خیانت مت کرو اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خیانت مت کرو۔



www.KitaboSunnat.com



## اسلام اور عقیدہ ختم نبوت

عقیدہ ختم نبوت ایک عظیم، واضح اور روشن حقیقت ہے، اس کا انکار کرنا اور خاتم النبیین علیہ الف الف تحیہ و تسلیم کو سلسلہ نبوت کو مکمل کرنے اور ان کے بعد کسی نبی یا رسول کے مبعوث نہ ہونے کا اعتراف نہ کرنا جاوہ اسلام سے کھلا ہوا انحراف ہے اور اس کی کوئی تاویل و تفسیر کسی حال میں دین اسلام کو منظور نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت میں جو انگریزوں کے خلاف تھی، اسلامیان ہند کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے سب سے پہلے علمائے اسلام پر یلغار کی اور ان کو قید و بند کی مصیبت میں مبتلا کیا، ان کو یقین تھا کہ ان کے خلاف بغاوت کی قیادت مسلمان عالموں نے ہی کی تھی، لہذا سب سے پہلے ان کو سخت و بن سے اکھاڑ دینے اور ان کا وجود منادینے کی کوشش میں تیس ہزار سے لے کر پچاس ہزار تک علماء کو تختہ دار پر چڑھانے کے بجائے نہایت بے دردی سے ان کا قتل عام کیا اور دلی سے لے کر یوپی اور پنجاب کے شہروں میں علماء کو درختوں کی شاخوں پر لٹکا کر قتل کرنے کا عمل پورا کیا، ان کا خیال تھا کہ یہ بغاوت تمام تر انھیں علماء کی سازش کا نتیجہ تھی۔ چونکہ انگریز بھی دین مسیح کی طرف نسبت کرنے کی وجہ سے اللہ کو مانتے تھے، خواہ ان کے مختلف فرقوں میں عقیدہ تثلیث کے ماننے والے بھی ایک بڑی تعداد میں موجود تھے، اس لئے ان کو مسلمانوں کے خلاف انتقامی جذبے کے ماتحت عقیدہ ختم نبوت کو منادینے کا عمل زیادہ آسان معلوم ہوا، وہ اپنی ذہانت و عیاری سے اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ عقیدہ ختم نبوت پر حملہ کرنا اور اس کے بارے میں کم سے کم تشکیک کا عمل جاری رکھنا مسلمانوں کے خلاف ایک زبردست تھیاری ہے، اور اس کے ذریعہ ہم امت مسلمہ کو صراطِ مستقیم سے ہٹا کر ان کے ایمان کو متزلزل کر سکتے ہیں، اور

ان کو ایک کمزور اور عاجز و بے بس امت کی شکل میں زندہ رہنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔  
 اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انھوں نے مسلمانوں کے گروہ سے ایسے لوگوں کے خریدنے کا عمل شروع کیا، جو عقلی اور ایمانی حیثیت سے انتہائی کمزور تھے، اور چند سکوں کے عوض بکنے کے لئے نیلام کی منڈی میں اپنے آپ کو پیش کرنے میں کوئی عار نہیں محسوس کرتے تھے، وہ امت مسلمہ میں ایک ایسا فرقہ تیار کرنے کی کوششوں میں انتہائی سنجیدگی کے ساتھ مصروف ہوئے، جو ختم نبوت کے عقیدہ سے دستبردار ہو کر نبوت کے سلسلہ کے جاری رہنے کا قائل ہو، ان کو اس گروہ کی قیادت کے لئے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو اس ”فریضہ“ کو بخوبی انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہو، وہ اسی تلاش میں تھے کہ اچانک ان کی نظروں نے ایک باوجاہت شخص کو دریافت کر لیا جو ان کے دام فریب میں گرفتار ہو کر اس عقیدہ سے دستبردار ہونے کے لئے نہ صرف یہ کہ تیار ہو گئے بلکہ خود ہی نبوت کا دعویٰ کر بیٹھے، ان کا نام مرزا غلام احمد تھا، وہ سیالکوٹ شہر میں انگریزوں کے ڈپٹی کمشنر کی کچہری میں قلیل تنخواہ پر ملازم تھے، اس کی وجہ سے وہ انگریز حکام کے ماحول میں متعارف ہو گئے تھے، انگریز اپنی دور بین نگاہوں سے یہ سمجھ گئے کہ جس شکار کی ان کو تلاش ہے، وہ مرزا غلام احمد کے اندر موجود ہے، چنانچہ ان کو مختلف طریقوں سے یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ وہ دراصل امت مسلمہ کے آخری پیغمبر ہیں اور ان کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے، اس کے مطابق وہ اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھتے ہیں اور امت کو اس کی تلقین کرتے ہیں۔

اب مرزا غلام احمد قادیانی مدعی نبوت ہو گئے، اور انگریز کے مقرر کردہ تنخواہ دار نبی بن گئے اور نبوت کا دعویٰ کر بیٹھے، اور ایک تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنا معتقد اور تبع بنالیا، اور اس طبقہ کے ذریعہ سے قادیان کا یہ نیانڈہب اور عقیدہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں معروف و مشہور ہو گیا، انگریزوں نے اس کی زبردست پشت پناہی کی اور مسلمانوں کو عقیدہ ختم نبوت کا اصل نبی غلام احمد قادیانی کو بتایا اور قرآن کریم کی ایک آیت میں جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو احمد کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے، اس کو اپنے اوپر منطبق کرنے کی کوشش میں انگریزوں سے ساز باز کر کے امت کو یہ باور کرانے کی بھرپور کوشش کی کہ احمد سے مراد مرزا غلام احمد ہیں، یہ سازش اس قدر مستحکم اور پراسرار تھی کہ بہت

سے لوگوں کا دھوکہ کھا جانا کچھ زیادہ بعید نہ تھا اور انگریزوں کی سرپرستی اور حکمرانی میں قومِ مسلم کے گمراہ ہو جانے کا خطرہ بھی کچھ کم نہ تھا، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس سازش کو ناکام بنا دیا اور ہر قسم کے لالچ و لشکر اور مال و دولت کے انبار نے کچھ کام نہ دیا۔

مرزا صاحب کی مخالفت کرنے والوں میں منجملہ اور بہت سے علمائے اسلام کے مشہور عالم دین مولانا ثناء اللہ امرتسری پیش پیش تھے، اور مرزا کی مخالفت کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے کر ان کی اس افتراء پر دازی کا اعلان کرتے تھے، بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”قادیانیت تحلیل و تجزیہ“ سے ایک اقتباس نقل کر دیا جائے، اس کا عنوان ہے ”وفات“ یعنی مرزا غلام احمد کا انتقال:

”مرزا غلام احمد صاحب نے جب ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، پھر ۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعویٰ کیا تو علمائے اسلام نے ان کی تردید و مخالفت شروع کی، تردید و مخالفت کرنے والوں میں مشہور عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری مدیر ”اہل حدیث“ پیش پیش اور نمایاں تھے، مرزا صاحب نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء میں ایک اشتہار جاری کیا جس میں مولانا کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرمایا: ”اگر میں ایسا ہی کذاب و مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفید اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت و حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام و ہلاک ہو جاتا ہے، اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے، تاکہ خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے۔“

اور اگر میں کذاب و مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنت کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے، پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ خدا کے ہاتھوں سے ہے یعنی طاعون ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں وارد نہ ہوئیں، تو خدا کی طرف سے نہیں۔

اس اشتہار کے ایک سال کے بعد ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا صاحب بمقام لاہور بعد عشاء

اسہال میں مبتلا ہوئے، اسہال کے ساتھ استفراغ بھی تھا، رات ہی کو علاج کی تدبیر کی گئی، لیکن ضعف بڑھتا گیا، اور حالت دگرگوں ہوتی گئی، بالآخر ۲۶ مئی سہ شنبہ کو دن چڑھے آپ نے انتقال کیا۔ (قادیانیت تحلیل و تجزیہ: ۲۵-۲۶)

اور مولانا امرتسری اس واقعہ کے بعد چالیس سال تک بقید حیات رہے، بلاشبہ (الصدق ینجی والکذب یہلک)۔

تنہا یہی واقعہ اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ قادیانی مذہب کے علمبردار مرزا غلام احمد نے اپنے ہی فیصلہ سے اپنے باطل کو ثابت کر دیا، اور قادیانیت کے راستہ کو ہمیشہ کے لئے مسدود کر دیا، مگر براہو باطل کے ان علمبرداروں کا جنھوں نے محض اسلام کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کو ذلیل کرنے کے لئے ایک فرضی داستان گڑھی اور اس کی ”صدقت“ کو بروئے کار لانے کے لئے انھوں نے مرزا غلام احمد اور ان کے ہمنواؤں کو تیار کیا، ان کو یقین تھا کہ وہ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ پوری دنیا میں اس باطل دعوے کو پھیلا کر ختم نبوت کے عقیدہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کی رسی اتنی مضبوط ہے کہ وہ سارے عالم کی باطل طاقتوں کو اکٹھا کر کے اس کو توڑنا چاہیں تو وہ خود ٹوٹ جائیں گے، اور اللہ کی رسی اسی طرح مضبوطی کے ساتھ قائم رہے گی اور ختم نبوت کا روشن چراغ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلتا رہے گا اور نہ صرف اہل ایمان کے دلوں کو منور کرتا رہے گا بلکہ وہ چار دانگ عالم کو روشن کرتا رہے گا، اور اس روشن چراغ کو بجھانے والے اپنی سازشوں کا شکار ہوتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یأیہا النبی! إنا أرسلناک شہداً ومبشراً ونذیراً وداعیاً الی اللہ باذنه وسراجاً منیراً، اے نبی! یقیناً ہم نے ہی آپ کو (رسول بنا کر) گواہیاں دینے والا، خوشخبری سنانے والا، آگاہ کرنے والا بھیجا ہے، اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ۔ اور فرمایا: ما کان محمد أباً أحد من رجالکم، ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شئی علیم۔ (لوگو! تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں، لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنے والے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا بخوبی

جاننے والا ہے۔ (سورہ الاحزاب: ۴۰-۴۵)

ان دشمنان اسلام کی صرف ایک مثال آپ کے سامنے پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا، وہ یہ کہ انہوں نے اسلام کو ناقابل اتباع ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم میں سورہ آل عمران کی ایک آیت میں، قرآن کی طاعت کرنے والے کسی ادارے کے پروف ریڈروں سے سازش کر کے نہایت خفیف تحریف کرا دی، تاکہ وہ عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہے۔ ”ومن یتبع غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه“ اس میں ”غیر“ لفظ ساقط کرا دیا اور اب آیت کا مفہوم اپنے حقیقی مفہوم کے برعکس ہو گیا، یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ اسلام کو بطور دین کے قبول نہیں کرے گا، جبکہ اس سے پہلے اس کا مطلب تھا کہ اسلام کے علاوہ جو شخص کسی دین کا خواہاں ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہیں کریں گے۔ اس ایک مثال سے دین کے اندر شکوک و شبہات پیدا کرنے کی منظم اور مسلسل کوشش سے کوئی کس طرح انکار کر سکتا ہے۔

عقیدہ ختم نبوت کے بارے میں تشکیکی سلسلہ برابر جاری ہے۔ اور اس کو ختم کرنے کے لئے مسلسل اور خالصانہ جدوجہد کی ضرورت امت کے ہر فرد پر عائد ہوتی ہے۔





## اسلام میں تعلیم و تربیت کا مقام اور نصاب تعلیم میں تبدیلی کا مسئلہ \*

تعلیم و تربیت کا عمل گزشتہ ادوار میں ایک عبادت کی حیثیت رکھتا تھا، اور لوگ اس کو فضیلت و سعادت حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتے تھے اور شریفانہ انسانی تعلقات کو مستحکم کرنے اور انسان کو اللہ سے جوڑنے کا ایک مضبوط ذریعہ قرار دیا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ انسانی تاریخ ان عظیم شخصیتوں کے ذکر سے معمور ہے اور دنیا کی علمی تاریخ انہیں عظیم شخصیتوں کے فیض بے پایاں کا نتیجہ ہے اور انسانی زندگی کو با مقصد بنانے میں ان کا کردار بہت عظیم ہے، اگر ماضی کی طرف ایک نگاہ ڈالیں تو ہمیں انسانی زندگی میں مقصدیت کی روح پھونکنے اور نہایت وسیع پیمانہ پر خیر کو پھیلانے اور شر کو مٹانے کی مخلصانہ کوششیں نہایت واضح طور پر نظر آئیں گی، جہاں مال و جاہ اور منصب و کرسی کا کوئی گزر نہیں تھا اور تعلیم و تربیت کے پیشہ کو اختیار کرنے اور مثالی سیرت و کردار کے اعلیٰ ترین مقام تک پہنچنے کا حقیقی سبب یہی حصول علم کا سچا جذبہ تھا۔ اسی فطری بنیاد پر تعلیم و تربیت کا نظام وضع کیا جاتا تھا اور اس میں ہر چیز کی رعایت رکھی جاتی تھی، ماحول اور معاشرتی فضا، قوموں اور جماعتوں کے عقلی اور فکری معیار کو کبھی نظر انداز نہیں کیا گیا، اسی بناء پر تعلیم و تربیت کا حقیقی مقصد ماہرین تعلیم کی نظروں سے کبھی اوجھل نہیں ہونے پایا اور نصاب تعلیم کا نمایاں وصف مقصدیت کی روح ہوا کرتی تھی، اور دنیا میں بسنے والی تمام قوموں اور احساس ذمہ داری سے مزین انسانی

\* پیش نظر مقالہ جامعہ سید احمد شہید کٹولی بلخ آباد، لکھنؤ کے زیر انتظام منعقد بین الاقوامی نصاب تعلیم کانفرنس ۲۰۰۷ء کے لئے لکھا گیا۔

معاشرے میں رہنے والے تمام عناصر یہاں تک کہ بڑی بڑی حکومتوں کا یہی مقصد ہوا کرتا تھا۔ اور یہی وہ ذریعہ تھا جس سے بین الاقوامی تعلقات مضبوط ہوتے تھے، خواہ وہ کسی نوعیت کے ہوں، سیاسی، ثقافتی اور تمدنی اور عالمی پیمانہ پر تمام قوموں کے درمیان اعتماد و اعتبار کی فضا قائم ہوا کرتی تھی، اور کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ تعلیم و ثقافت کے وسائل اور اس کے نظام کو ناپسندیدہ جذبات کے ابھارنے اور انتقام کی پیاس بجھانے کیلئے استعمال کیا گیا ہو اور نہ کبھی تجارتی سامان کی طرح اس کو بیچنے اور مارکیٹنگ کیلئے استعمال کیا گیا۔

لیکن انتہائی تعجب خیز اور غیر انسانی صورت حال یہ ہے کہ اسرائیل نے اپنے مقبوضہ علاقہ میں یہودی بچوں اور نوجوانوں کیلئے جو نصاب تعلیم مقرر کیا ہے وہ عرب اور مسلمانوں سے بے حساب نفرت، بغض اور دشمنی کی بنیاد پر قائم ہے، حالانکہ علم و تہذیب اور سائنس اور ٹکنالوجی کے اس ترقی یافتہ دور میں ایسے خطرناک اور ناقابل قبول نصاب کو جاری کرنے کی کہیں بھی کوئی گنجائش نہیں ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسرائیل نے ایسے مبغوض نصاب تعلیم کو اپنے اپنی بچوں میں جکڑ رکھا ہے اور اس سے دستبردار ہونے کے بجائے ہر موقع پر اس کا مظاہرہ کرتا ہے، بعض قابل اعتماد شخصیتوں نے اس اسرائیلی نصاب تعلیم کا جائزہ لیا ہے اور اس کے بعض نہایت خطرناک پہلوؤں کی نشان دہی کی ہے، ان میں سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ ہر اسرائیلی بچہ کے ایک کان میں یہ صورت پھونکا جاتا ہے کہ یہودی پوری دنیا میں سب سے زیادہ بلند اور پسندیدہ شخصیت کے مالک ہیں، اور بچہ کے دوسرے کان میں امت عربیہ کے بارے میں نہایت ذلت آمیز اور رذالت سے بھرپور یہ آواز پہنچائی جاتی ہے کہ عرب قوم دنیا کی ذلیل ترین مخلوق ہیں اور کیڑے موڑے سے زیادہ ان کی حیثیت نہیں ہے، لہذا ان کو قتل کرنا انتہائی ضروری عمل ہے، جب یہودی بچہ اسکول جاتا ہے تو نصاب کی مقررہ کتابوں کے اندر یہ پڑھتا ہے کہ یہودی قوم اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ افضل اور عرب قوم سب سے زیادہ ذلیل اور نجس ہے، اور وہ ہر طرح کی عزت و شرافت سے عاری ہے، لہذا اس کو غلام بنانا اور اس کے ساتھ غلاموں کا معاملہ کرنا ایک لازمی قومی فریضہ ہے، اور جوں جوں یہودی بچہ اپنی تعلیم میں آگے بڑھتا جاتا ہے، اپنی نصابی کتابوں میں یہ پڑھتا ہے کہ



عرب ڈاکو ہیں، دہشت پسند ہیں، شروفساد کے پھیلانے والے ہیں، ان کے آباء واجداد نے یہودیوں کو اس قدر نقصان پہنچایا کہ اس کی تلافی ناممکن ہے، اس بناء پر ان کے ساتھ براسلوک کرنا عبادت کی ایک قسم ہے، اور جب بھی اسرائیل کی نصابی کتابوں میں لفظ عرب آتا ہے تو ان کا وصف بیان کیا جاتا ہے کہ وہ چور اور ڈاکو ہیں اور حلال کی اولاد نہیں ہیں، اور وہ اپنے آباء واجداد کے زمانہ سے یہودیوں کے خون کے پیاسے ہیں۔

نصابی کتابوں کے ذریعہ وہ اپنی اولاد کو فتنون حرب و ضرب سے واقف کراتے ہیں، تاکہ وہ امت عربیہ سے انتقام لے سکیں، یہی وجہ ہے کہ سکندری اسکول کے مضامین پورے کرنے کے بعد ہر طالب علم کیلئے عسکریت کا سیکھنا لازمی (Compulsary) مضمون کی حیثیت رکھتا ہے، اور لازم ہو جاتا ہے کہ طلبہ اور طالبات عسکری تربیت اسرائیل کے ماہرین جنگ سے حاصل کریں، برطانیہ سے شائع ہونے والے ”انٹرنیشنل ہرالڈ ٹریبون“ اخبار نے اپنے ۱۸ دسمبر ۲۰۰۴ء کے شمارہ میں ایک رپورٹ شائع کی ہے، اس میں اسرائیل کے نصاب تعلیم کا جائزہ لیا گیا ہے اور جائزہ کی رپورٹ میں مذکور ہے کہ اسرائیلی نظام تعلیم و تربیت اور اس کا نصاب حد سے زیادہ خطرناک ہے۔

اس حقیقت کا پتہ لگانے کیلئے پاکستان کے معروف صحافی قدرت اللہ شہاب نے ایک غیر مسلم کی حیثیت سے اسرائیل کا دورہ کیا، وہ اقوام متحدہ کی ماتحت یونیسف تنظیم کے ذریعہ وہاں پہنچے اور اسرائیلی نصاب تعلیم کی ان کتابوں کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے جو مسلمانوں اور عربوں کے خلاف نہایت خطرناک مواد پر مشتمل ہیں اور ان کتابوں کو اقوام متحدہ کے ذمہ داروں کے سامنے پیش کیا، تاکہ اس کا مذاکرہ کیا جاسکے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ کتابیں قصداً لاپرواہی اور غفلت کا شکار ہو گئیں اور اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکل سکا، ظاہر ہے کہ وہ انسانی مسائل جو عرب اور اسلامی دنیا سے تعلق رکھتے ہوں کس طرح درخور اعتناء ہو سکتے ہیں، جب کہ بین الاقوامی سطح پر یہ طے ہو چکا ہے کہ اقوام متحدہ کا سکرٹری جنرل خواہ کوئی بھی ہو، لیکن اسسٹنٹ سکرٹری جنرل ہمیشہ اسرائیلی ہوگا، اور اس کو نائب سکرٹری جنرل لکھا اور کہا جائے گا۔

ساتھ ہی مغربی دنیا کی طرف سے اسلام کے نظام تعلیم و تربیت اور اس کے وسائل کو بدل کر رکھ دینے پر سخت اصرار اور دباؤ پایا جاتا ہے اور اس کو مغربی نظام تعلیم و تربیت کے مطابق وضع کرنے کی کوششیں نہایت شد و مد سے جاری ہیں، تاکہ عالم اسلامی کے مدارس اور جامعات میں ایک نئے نصاب تعلیم کو تشکیل دے کر اسے بلاتا خیر جاری کر دیا جائے، اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے مغرب نے بہت پہلے سے اسلامی معاشروں اور سوسائٹیوں میں فکری حملے کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے تاکہ ان کو اصل شاہراہ سے ہٹا کر انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات کے بیج بوئے جاسکیں اور یہ ثابت کیا جاسکے کہ اسلامی نظام حیات اپنی صلاحیت کھو چکا ہے، فکری حملوں کا یہ طریقہ نہایت جارحانہ انداز میں وہاں کے تمام تعلیمی اداروں پر لازم قرار دیدیا گیا ہے۔

لیکن ہمیں از سر نو اسلام کے عادلانہ اور متوازن نظام زندگی کا جائزہ لینا چاہئے کیونکہ وہ علم و عقیدہ اور اعمال و اخلاق پر مبنی ہے اور وہ دائمی طریقے سے انسان کو قیادت کا اہل بناتا ہے اور ہر طرح کی خود غرضی اور مصلحت بینی سے دور ہے، پھر یہیں سے وہ امت وسط تیار ہوتی ہے جس کو پوری دنیا کیلئے شہادت و قیادت کی ذمہ داری عطا کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :  
وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ، وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا. (بقرہ: ۱۴۳)

**ترجمہ:** اور اسی طرح ہم نے تمہیں بنادیا ایک امت عادل تاکہ تم گواہ رہو لوگوں پر اور رسول گواہ رہیں تم پر۔

یہی توازن اور وسطیت اسلامی تہذیب کا امتیاز ہے اور امت وسط (امت مسلمہ) اس کی علمبردار ہے اور اسی امتیاز کی بناء پر امت مسلمہ نے تمام قوموں اور دیگر امتوں پر زندگی کے تمام میدانوں میں اپنی فوقیت کو باقی رکھا اور گم کردہ راہ انسانیت کو صراط مستقیم کی نعمت عطا کی، جب کہ مادی تمدن کے فلسفے عالمی حیثیت سے انسانی ذہن کو مسموم کر چکے تھے اور محض وقتی مفاد کو زندگی کا بنیادی مقصد باور کرانے میں کامیاب ہو چکے تھے اور سوسائٹی کی تعمیر اور انسان کے قائدانہ مستقبل

کو روشن کرنے میں اس کا کوئی کردار باقی نہیں رہ گیا تھا اور اس کے نتیجے میں نوع انسانی کے مقام کا تعین مشکل ہو گیا کہ کس طرح وہ علوم فنون، اجتماعیت اور معاشرتی انصاف اور مساوات کی نمائندگی کرے اور صرف مادی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں اپنی تمام طاقت کو صرف کرے اور اسی کو عزت و ذلت کا معیار قرار دے، بالکل یہی صورت اسلام سے پہلے مشرق و مغرب کی مادی تہذیبوں میں قائم تھی اور اس میں ایسے واقعات پیش آئے جو تاریخ کے صفحات میں سیاہ کارناموں کی حیثیت سے درج ہیں۔ اور ان کو پڑھ کر انسان کی پیشانی شرم سے جھک جاتی ہے۔

اسلام نے علم اور تعلیم و تربیت کے تمام گوشوں اور اس کے شعبوں کو ایک نہایت پختہ بنیاد کا درجہ عطا کیا ہے، اور اسی پر اسلامی زندگی کی عمارت تعمیر ہوتی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلی وحی میں جس بات کا حکم دیا گیا وہ پڑھنے کا حکم تھا، اس کے باوجود کہ آپ امی تھے، جس کی صراحت اللہ تعالیٰ نے سورہ جمعہ کی اس آیت میں فرمادی ہے: **هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ.** (جمعہ: ۲)

**ترجمہ:** وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

جب آپ غار حراء میں عبادت گزاری میں مشغول تھے جبرئیل امین آپ کے پاس آئے اور آپ سے پڑھنے کی فرمائش کی، آپ نے فرمایا: میں پڑھنا نہیں جانتا، پھر انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینہ سے لگا کر پوری طاقت سے دبا دیا پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھئے، آپ نے فرمایا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا پھر انہوں نے دوبارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری طاقت سے سینہ سے لگایا پھر چھوڑ دیا، پھر کہا: پڑھئے۔ تو میں نے کہا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا، انہوں نے تیسری بار یہی عمل کیا، اور کہا کہ پڑھئے اپنے اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھئے، آپ کا رب بڑا کریم والا ہے جس نے قلم کے

ذریعہ تعلیم دی، جس نے انسان کو وہ سکھایا، جسے وہ نہیں جانتا۔

یہی وہ ہدایت یاب پڑھنا تھا جس کا حکم بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا اور یہی پڑھنا علم کا وعظیم سرچشمہ بنا، جو زندگی اور کائنات کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے اور تمام علوم و معارف کی بنیاد ہے، اسی کے ذریعہ اللہ کی ذات تک پہنچنا اور زندگی کی تمام سرگرمیوں میں ان سے تعلق پیدا کرنا اور انسان کے کاندھے پر جو ذمہ داریاں رکھی گئیں ہیں ان کو ادا کرنے کا راستہ عمل اور قیادت کے میدان میں ہموار ہوتا ہے، عالم اسلامی اور مسلم اقلیتوں کے مختلف ملکوں میں موجود تمام مدارس و جامعات کیلئے ماہرین تعلیم نے جو نصاب تعلیم و تربیت وضع کیا تھا وہ اسی صاف ستھری اور مضبوط بنیاد پر قائم ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مدرسہ اپنی ذات کے اعتبار سے بجائے خود چھوٹا موٹا معاشرہ ہے، جیسا کہ عطیہ محمد الابراشی نے اپنی کتاب ”فلسفہ تعلیم و تربیت“ میں مدرسہ کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے لکھا ہے: ”مدرسہ سے بہتر طلباء کی اجتماعی تربیت کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہو سکتا، مدرسہ کی زندگی وہ سچی زندگی ہے جو گھر اور سوسائٹی کو ایک بناتی ہے، اور افراد اور سوسائٹی کا مفید عنصر بناتی ہے، خواہ طبقات اور ماحول کا کتنا اور کیسا ہی اختلاف کیوں نہ ہو، وہ لکھتے ہیں: ”مدرسہ کی زندگی ہر روز طلباء کو ایسے وسائل فراہم کرتی ہے کہ وہ اجتماعی خوبیوں اور تقاضوں سے بہرہ مند ہوں، انہی خوبیوں کا اخلاق اور حسن معاملت پر گہرا اثر پڑتا ہے، اپنی عادات و خصائل کے اعتبار سے طلباء ہمیشہ اس کے محتاج رہتے ہیں کہ ان کی باقاعدہ نگہداشت اور نگہبانی کی جائے“، اس مقصد کو ہمہ گیر اور آسان بنانے کیلئے جن کتابوں اور لازمی مضامین کا انتخاب مسلم ماہرین تعلیم کی جانب سے عمل میں آیا، وہ اسلامی تشخص کی تعمیر کی ضمانت دیتا ہے، اور امت مسلمہ کے افراد کو عالم بشری کی قیادت و ہدایت کی ذمہ داری کے لئے تیار کرتا ہے، چنانچہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس نصاب کی تشکیل میں بنیادی کردار ہے، اور اس میں کسی کمی اور زیادتی کی گنجائش نہیں، خواہ سیاسی و اجتماعی مصالح اس میں رد و بدل کے متقاضی ہوں۔

نصابی مضامین میں تبدیلی سے متعلق موجودہ حقائق اس بات کے شاہد ہیں کہ اب نئی بنیادوں پر اعتماد کر کے عالم اسلامی کے تعلیمی مراکز میں اس کو بروئے کار لایا جا رہا ہے، اور نیا

نصاب تعلیم وضع کرنے کے لئے جو کمیٹیاں بنائی گئی ہیں وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ کتاب و سنت سے ان تمام آیتوں اور عبارتوں کو نکال دیا جائے، جن کا تعلق یہود و نصاریٰ اور جہاد کی اہمیت اور اس کے فضائل سے ہے، اسی طرح جن آیتوں اور عبارتوں میں باغی جماعتوں اور مشرکین کے خلاف جنگ کرنے کی دعوت دی گئی ہے، ان کو کالعدم کر دیا جائے، اور جن باتوں سے جہاد فی سبیل اللہ کی ہمت افزائی ہوتی ہو، ان سے صرف نظر کیا جائے، اور جہاں کہیں مسلمانوں کی زندگی میں اخلاقی بلندی اور اس کے حدود و اربعہ کو پھیلانے کا ذکر ہو، جس سے زندگی کے تمام معاملات میں اسلام کی عملی نمائندگی کا ثبوت ملتا ہو، ان کو نصاب کے مضامین سے پوری طرح خارج کر دیا جائے، نصابی تبدیلی کے اس عمل کو قابل اعتنا سمجھنا اور اس پر اطمینان کا اظہار کرنا ایمانی عقائد سے دست بردار ہونے کے مرادف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مصلحت پسندانہ سیاسی اسلام کو رواج دیا جائے، جس میں زمانہ اور حالات کے ساتھ ساتھ چلنے کی دعوت دی جاتی ہو، اس موقع پر اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور کا واقعہ ہماری نظروں کے سامنے پھر جاتا ہے کہ جب مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی تعداد ہاتھ کی انگلیوں سے زیادہ نہیں تھی، ان پر ہر طرح سے ظلم و عذاب کی بارش ہو رہی تھی اور وہ ظالموں کے رحم و کرم پر زندگی گزار رہے تھے، لیکن ان کو یقین تھا کہ اللہ پر وہ ایمان لائے ہیں، وہ کبھی ان کو رسوا نہیں کرے گا اور اللہ کی طرف سے مدد آ کر رہے گی، اس کے باوجود جن حالات نے ان کو گھیر رکھا تھا وہ آخری درجہ کے ظلم و قسوت تک پہنچ گئے تھے، اور دعوت کی مصلحت کا تقاضہ یہ تھا کہ سردست مسلمان کفار کو اسلام کی دعوت نہ دیں، اور ان کے تمام مشرکانہ انداز کو خاموشی کے ساتھ دیکھتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے نجات اور رحم کی درخواست کرتے رہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ توحید کی دعوت پر کبھی خاموشی اختیار نہ کریں، اور شرک و وثیث کو انجام کی پرواہ کئے بغیر مسترد کرتے رہیں، حالانکہ شرک اور بت پرستی کے داعی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے متبعین پر ہر طرح کے ظلم و زیادتی جاری رکھنے پر تلے ہوئے تھے، اسی دوران وحی نازل ہوتی ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ کفار کو مخاطب کر کے صاف صاف اور نہایت تاکید کے ساتھ یہ بتا دیا جائے کہ وہ بتوں کی عبادت کبھی نہیں کریں گے، صرف

اللہ واحد قہار کی عبادت کریں گے، سورہ کافرون نازل ہوئی اور اس نے اصنام پرست اور وثنیت کی دعوت دینے والوں کو چیلنج کرتے ہوئے نہایت صراحت کے ساتھ اعلان کیا کہ مسلمانوں کا دین ان کے دین کی طرح نہیں ہے، جس کو انہوں بزم خود دین سمجھ لیا ہے، اس وقت آپ سورہ کافرون کی تلاوت کریں اور اس کے مفہوم و معنی کو بغور سمجھنے کی کوشش کریں، قل یا ایہا الکافرون! لا أعبد ما تعبدون، ولا أنتم عابدون ما أعبد، ولا أنا عابد ما عبدتم، ولا أنتم عابدون ما أعبد، لکم دینکم ولی دین،

**ترجمہ:** کہہ دیجئے کہ اے کافرو! نہ میں عبادت کرتا ہوں اس کی جس کی تم عبادت کرتے ہو، نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ میں عبادت کروں گا جس کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کر رہا ہوں، تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔

تنہا یہی آیتیں اللہ تعالیٰ کے دین اسلام سے کسی حد تک بھی دستبردار ہونے کی براءت کا اعلان نہیں کرتیں، بلکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں، کسی فرد اور جماعت کو جو اہل ایمان اور صحیح عقیدہ رکھنے والے ہوں اس بات کی اجازت نہیں دیتیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ میں کسی قسم کا اختیار استعمال کریں، اس لئے کہ حالات اس کے متقاضی ہیں، یہ حقیقت ہے کہ کسی کو اللہ کے فیصلہ میں تصرف کرنے کا حق حاصل نہیں ہے، بلکہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اسلام کے ہر حکم کو بے خوف و خطر تسلیم کیا جائے، اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے تمام معاملات کی تابعداری کلی طور پر اختیار کی جائے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب ایک ایماندار اپنی زندگی اور معاشرہ کے تمام معاملات میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے سامنے سرنگوں ہے، اور اس میں اس کو کسی تصرف کا اختیار نہیں ہے، تو ایمان و عقیدہ کے معاملات میں دستبردار ہونا اور اس میں کسی قسم کی کمی و زیادتی کرنا کس طرح ممکن ہے۔

آج اسلامی ملکوں کے مدارس و جامعات کے نصاب تعلیم میں ایک محسوس تبدیلی کا مطالبہ

کیا جا رہا ہے، اور کتاب و سنت کی آیتوں اور عبارتوں میں تصرف کرنے کا حق دیا جا رہا ہے، اور مغربی نئی ہدایات کی روشنی میں نصاب تعلیم و تربیت تیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، مگر یہ مطالبہ اسلام کی بنیادی تعلیمات سے کسی حال میں ہم آہنگ نہیں ہے، اور سچی بات تو یہ ہے کہ اصل بنیاد سے دستبردار ہونے کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اسلامی تہذیب کی عمارت سطح زمین پر قائم ہے، اور اس کی کوئی مضبوط بنیاد نہیں ہے، اور کسی بھی ادنیٰ واقعہ سے متاثر ہو کر وہ روئے زمین پر ڈھیر ہو سکتی ہے۔

دین کے معاملات میں کسی بھی دستبرداری کا سرچشمہ ایمان کی کمزوری کی علامت ہے یا عقیدہ کو پامال کرنے کے مرادف ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جس امانت کو اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تھا، اور انہوں نے اس کا بار اٹھانے سے انکار کیا تھا، اس امانت کی ذمہ داری انسان نے قبول کی تھی، لیکن اب وہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے سے انکار کر رہا ہے، حالانکہ عقیدہ کے مطالبات کو نظر انداز کرنے اور مصلحت کو پیش نظر رکھنے سے قرآن کریم سے بہت سی سورتوں اور آیتوں کو حذف کرنے اور کتاب و سنت کے احکام و ادا امر سے صرف نظر کا راستہ ہموار ہوتا ہے، اور اس بات کا جواز فراہم ہوتا ہے کہ قرآن کریم اور حدیث شریف کے مختصر ایڈیشن تیار کر کے پیش کر دیے جائیں، تاکہ ان کو اسلامی اور غیر اسلامی معاشروں کے درمیان پہنچانا آسان ہو، اور مکمل اسلام لوگوں کے گھروں اور ان کی زندگیوں سے غائب ہو جائے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو حکم دیتے ہیں اور فرماتے ہیں: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً، وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ، إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ.** (بقرہ: ۲۰۸)

**ترجمہ:** اے ایمان والو! اسلام میں سارے کے سارے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، کیونکہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

**اب کچھ ندوۃ العلماء کے بارے میں:**

ندوۃ العلماء نے اپنے قیام کے روزِ اول ہی سے نصاب تعلیم میں حسبِ ضرورت اصلاح و ترمیم کو اپنے مقاصد میں شامل رکھا، اور جن لوگوں نے اس مقصد سے اتفاق کیا، انہوں نے اس کو

بظہر استخسان دیکھا، اور زمانے کے تقاضوں کے پیش نظر اس اقدام کو سراہا اور اس کی پرزور تائید کی اور بہت سے مدارس نے اس سے روشنی حاصل کی، اور اپنے نصاب میں اصلاح و ترمیم کے متعلق غور کیا، بعض مدارس نے ندوہ کے نصاب کو حرف بحرف قبول کر کے اس کو اپنے یہاں رائج کیا، ہمیں اس بات کا اظہار کرنے میں مسرت ہے کہ دارالعلوم کی نصابی کتب کی مانگ مدارس عربیہ میں الحمد للہ ادھر بہت بڑھ گئی ہے، اور اہل مدارس اور علماء اس کو بڑی تعداد میں طلب کر رہے ہیں۔

اگر حقائق سے چشم پوشی نہ کی جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت زمانہ کو ایک ایسے نظام تعلیم کی ضرورت ہے جو ہر طرح سے جامع و مانع ہو، اور جس میں فراخ دلی سے نئی چیزوں کو لیا گیا ہو، اور ان قدیم چیزوں کو نکالا گیا ہو جن کی ضرورت اس زمانے میں باقی نہیں رہی، اور اب ان کی جگہ دوسری چیزوں نے لے لی ہے، یہ اتنا ضروری اقدام ہے کہ اگر جلد اس پر عمل درآمد شروع نہیں ہوا تو وہ دن دور نہ ہوگا جب تیزی کے ساتھ پھیلتی ہوئی بے دینی اور الحاد کی راہ سے آنے والے نت نئے فتنوں کا مقابلہ کرنے اور اسلام کی طرف سے ممانعت کا فرض انجام دینے والے نہ صرف یہ کہ کم بلکہ مفقود ہو جائیں گے، اور اگر ایسا ہو گیا تو خدا نخواستہ اس ملک میں بھی اسلام اور مسلمانوں کا وہی حشر ہو سکتا ہے جو اندلس کی خوں چکاں داستان میں پوشیدہ ہے۔

پوری دنیائے اسلام اور خصوصاً اس ملک کے موجودہ حالات نے اس ضرورت کا احساس اور تیز کر دیا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے تشخص اور ملی وجود اور دینی شعائر کے بقاء کیلئے علمائے دین کی ایک ایسی جماعت تیار کرنی ہے جو بیک وقت فقیہ و مجاہد دونوں ہوں، وہ ایک طرف دلوں کو قرآن وحدیث کے پیغام سے گرماسکتے ہوں، دوسری طرف ان کو خودداری وشجاعت کا وہ درس بھی دے سکتے ہوں، جس سے وہ ایک زندہ قوم بن کر دنیا سے اپنی برتری اور بالادستی تسلیم کر سکتے ہوں، اور بوقت ضرورت بڑی سے بڑی طاقت کو اپنے سامنے سرنگوں ہوئے پر مجبور کر سکتے ہوں۔

یہ کام اسی وقت انجام پا سکتا ہے جب ہمارے مدارس اور ہماری تربیت گاہیں اپنے یہاں تعلیم و تربیت کا اعلیٰ نمونہ پیش کریں، وہ قوم کیلئے ایسے بلند نگاہ علماء اور سرفروش قائد مہیا کر سکیں جو وقت کی ضرورت کو کسی طرح نظر انداز کر کے ملک و ملت کو پیچھے رہنے پر مجبور نہ کریں، ان میں وہ



جو ہر اور قابلیت موجود ہو کہ وہ بڑے سے بڑے سیلاب کو روکنے کی پوری استطاعت رکھتے ہوں، وہ دنیا کے معاملات سے پوری طرح باخبر، بین الاقوامی حالات سے اچھی طرح واقف ہوتے ہوئے، دین کی باتوں اور دینی تقاضوں اور اس کے شعائر کا پورا پورا علم رکھتے ہوں۔

ندوة العلماء نے اسی تقاضے اور ضرورت کے پیش نظر ہمیشہ اپنے نصاب میں ترمیم و اصلاح کو روا رکھا، اور زمانہ کے رخ کو دیکھ کر تعلیم و تربیت کا نظام اس نے مرتب کیا، موجودہ ترمیم شدہ نصاب بھی اسی روح کا حامل ہے، اس وقت جن باتوں پر سب سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ خصوصیت سے دو چیزیں ہیں۔

(۱) عربی زبان کی تعلیم کا انتظام دین کے بنیادی مضامین کی زبان کی حیثیت سے، اور اس کے لئے ان تمام پہلوؤں کی رعایت جو زبان کو صحیح طور سے سیکھنے کیلئے ضروری ہیں، عربی انشاء پر دازی، عربی خطابت اور عربی میں بے تکلف بول چال اور مافی الضمیر کی ادائیگی، یہ وہ تین بنیادی پہلو ہیں جن کے لئے ندوہ نے شروع سے اپنے یہاں انتظام کرنے کی کوشش کی ہے، عربی زبان کی وسعت اور پھیلاؤ کی وجہ سے روز بروز ان پہلوؤں کے لئے وسائل و اسباب کی فراہمی کے لئے ندوہ ہی نے دراصل تہا وہ کام انجام دیا ہے جو اب تک کسی دوسرے ادارہ نے انجام دینے کی کوشش نہیں کی، عربی زبان کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے سیکھے بغیر قرآن فہمی کی وہ صلاحیت پیدا ہونا مشکل ہے جو اس کے لئے ضروری ہے، قرآن کا فہم پیدا کر لینا ایک اتنی بڑی نعمت ہے جس کا اندازہ کسی ایسے شخص کو ہرگز نہیں ہو سکتا جو عربی سے ناواقف اور قرآن کے اسرار و رموز اور اس کے نکات کے بلا واسطہ سمجھنے سے محروم ہو۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے طلبہ کے ایک افتتاحی جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

”فہم قرآن اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر اس پر کوئی شخص خوشی سے دیوانہ ہو جائے اور گریاں چاک کر کے مجنونانہ کیفیت اختیار کر لے تو کوئی تعجب خیز بات نہیں“

حضرت مولاناؒ نے طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ:

”اگر اس دارالعلوم میں ہم کو کچھ نہ ملے اور صرف اتنا مل جائے کہ ہم خدا کا کلام سمجھنے اور اس کے مخاطب ہونے کے اہل ہو جائیں تو دنیا کی ساری لذت و آسائش اس ایک نعمت پر قربان ہو سکتی ہے۔“ یہی وہ جذبہ ہے جس کے تحت ندوہ نے عربی زبان و ادب کی تعلیم کے لئے بہتر سے بہتر انتظام کیا اور اس کو دین کا ایک اہم فریضہ سمجھ کر اس کے لئے وسائل فراہم کرنے میں کوئی دریغ نہیں کیا، اس کا یہ عمل قابل تقلید ہے۔

(۲) دوسرا نمایاں پہلو جو موجودہ نصاب کی نمایاں خصوصیت ہونی چاہئے وہ ہے انگریزی زبان اور دیگر عصری علوم کی تعلیم، اس مقدار میں کہ طالب علم ان کے مضمرات سے محفوظ رہتے ہوئے ان کے ذریعہ دین کی خدمت انجام دے سکے، عصری زبانوں میں دین کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اور اسلام پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کو بخوبی سمجھ کر وہ اس کے متعلق اپنے ذہن کو دین کی طرف سے مدافعت اور تبلیغ کے لئے تیار کر سکے۔

اگر غور کیا جائے تو انگریزی زبان و ادب اور دوسرے جدید علوم و فنون کی تعلیم موجودہ دور میں دین کی خدمت کرنے اور صحیح معنوں میں اسلام کا پیغام دوسری قوموں تک پہنچانے کے لئے بے حد ضروری ہے، صورت حال یہ ہے کہ ہمارے مدارس سے فارغ ہونے والے طلبہ دین کے علم سے واقف ہوتے ہوئے بھی اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کی صلاحیت نہیں رکھتے، زمانہ جس نئے اسلوب اور طرز کا عادی ہو چکا ہے ضرورت ہے کہ اسی طرز و اسلوب کے ساتھ اس کے سامنے اپنا پیغام پیش کیا جائے۔

مولانا محمد علی مونگیریؒ بانی ندوۃ العلماء کو اس ضرورت کا آج سے بہت پہلے احساس ہو گیا تھا اور انہوں نے اپنی روشن ضمیری سے یہ بات پہلے ہی سمجھ لی تھی کہ اسلام کی خدمت کا حقہ انجام دینے کے لئے بقدر ضرورت انگریزی زبان اور جدید علوم کا سیکھنا بہت ضروری ہے، انہوں نے بہت صفائی کے ساتھ علماء کو انگریزی میں عبور حاصل کرنے کی دعوت دی، اور تاریخ و جغرافیہ اور دوسرے ضروری علوم کی اہمیت بتائی، وہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

”اس زمانہ میں دینی و دنیاوی ضرورتیں ایسی درپیش ہیں کہ انگریزی زبان کا سیکھنا ضروری ہے،

اگر ہمارے چند علماء اس قدر انگریزی سے واقف ہوں کہ یورپ میں جا کر اسلام کے فضائل ان کی زبان میں بیان کریں تو بہت کچھ اسلام کی اشاعت ہو، اسی طرح اگر انگریزی میں رسائل لکھ کر مشہر کرائے جائیں تو بھی بہت نفع ہو، غرض اس وقت دنیا میں بہت بڑا فرقہ جو اپنی سلطنت کے اعتبار سے اکثر روئے زمین پر حاوی ہے اس کی زبان انگریزی ہے، لہذا تبلیغ اسلام کے لئے ضروری ہے کہ انگریزی زبان سیکھی جائے، کیونکہ اب ان کو غلبہ ہے، اور مسلمان مغلوب ہیں، اور غالب مغلوب کی زبان سیکھنے پر مجبور نہیں ہو سکتا، لہذا اگر مغلوب کو ان سے ضرورت پیش آئے تو بالضرور اسے غالب کی زبان سیکھنی ہوگی، یہ تو دینی ضرورت تھی، اور دنیاوی ضرورتیں تو ہر کہ و مہ پر ظاہر ہیں، پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ سب تارک الدنیا ہو جائیں، کسی قسم کا برتاؤ اہل دنیا سے نہ رکھیں!“۔

یہ ایک صدی پیشتر کی بات ہے، آج یہ ضرورت کس قدر بڑھ چکی ہے اس کا اندازہ کرنا کسی کے لئے بھی دشوار نہیں ہے، خاص طور سے اس علمی سیمینار میں شرکت کرنے والے سبھی حضرات اس کو بخوبی سمجھتے ہیں، اس لئے ندوۃ العلماء کے نقطہ نظر کے مطابق مدارس اسلامیہ کے لئے جدید نصاب تعلیم تیار کرنے کی ضرورت اب بہت زیادہ بڑھ چکی ہے، اس حقیقت سے چشم پوشی کرنے کا وبال ہماری نسلوں پر کس بھیا تک شکل میں آ سکتا ہے اس تلخ سوال کا صحیح جواب آنے والا مؤرخ ہی دے سکتا ہے۔

\* \* \*



## دعوت دین وقت کی ضرورت

اللہ تبارک و تعالیٰ کا خاص فضل اور عظیم احسان ہے کہ انہوں نے ہمیں اسلام کی نعمت سے سرفراز فرمایا اور آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کے ذریعہ دین عطا فرمایا، اور اس کو کمال اور ہمہ گیریت کی صفت کے ساتھ دیگر تمام مذاہب کے مقابلہ میں شانِ امتیاز عطا کیا، اور اس حقیقت کو نہایت صراحت اور وضاحت کے ساتھ قرآن کریم کی سورہ مائدہ کی اس آیت میں بیان فرمادیا: ”الیوم اکملت لکم دینکم وأتمت علیکم نعمتی ورضیت لکم الإسلام دیناً“ (مائدہ: ۳)

**ترجمہ:** آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھر پور کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔

لفظ اکمال سے یہ حقیقت پوری طرح آشکارا ہو جاتی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مذہب اسلام کو ہر اعتبار سے کائنات اور زندگی کے لئے اس انداز سے مکمل فرمادیا ہے کہ کوئی گوشہ کسی حالت میں تشنہ باقی نہیں رکھا۔

اسلام اسی مکمل طریقہ زندگی کا نام ہے جس میں ہر طرح کی ہدایت اور ہر سوال کا جواب اور ہر مسئلہ کا حل پوری طرح موجود ہے، اس آخری اور مکمل دین کے ماننے والوں کو خیر امت کا خوبصورت لقب عطا کیا گیا ہے، تاکہ وہ عام ہدایت کا فریضہ کتاب و سنت کی تعلیمات کے مطابق انجام دینے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرے اور دنیا کے تمام انسانوں کو اس تابناک اور زریں طریقہ زندگی سے روشناس کرائے۔ ان کو تنگ نظری اور غلط فہمیوں کی فضا سے نکال کر صراطِ مستقیم

کی وسعتوں اور اس کی روشنی میں منتقل کرے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بنیادی ذمہ داری ادا کر کے مشرق و مغرب میں بسنے والے تمام انسانوں کے لئے سچی رہنمائی کا فرض انجام دے سکے۔

اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو زمان و مکان کے حدود سے بالاتر بنایا ہے، اس کا نعرہ ایک ہے کہ اللہ کی طرف رجوع کرو، اس کا عقیدہ ایک ہے کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے، وہ مافوق التصور وہ عظیم طاقت ہے جس نے کون و مکان اور ساری مخلوقات کو صرف ایک لفظ ”کن“ سے پیدا کر دیا، وہ نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کو ہر فرد بشر کے لئے لازم قرار دیتی ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو زندگی کی تمام کامیابیوں اور خوش بختیوں کے دروازہ کی شاہ کلید قرار دیتی ہے، اس کا یہ امتیاز رہتی دنیا تک کے لئے قائم ہے اور اسلامی دعوت کی عظیم ذمہ داری اس کا فرض منصبی ہے۔

اس تسلیم شدہ حقیقت کے بعد اگر امت مسلمہ کے کسی طبقہ یا کسی گروہ اور کسی خاص معاشرہ میں اس دین کو محدود کرنے یا اس کا ناقص تصور پیش کرنے اور اس کو پھیلانے کی کوشش کی جاتی ہو تو اس پر نظر ثانی کرنے اور اس کو کتاب و سنت کی ہدایت کے مطابق بنانے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دین کو فطرت کے تقاضوں کے مطابق نازل فرمایا ہے اور اس میں انسانی مزاج کے ہر گوشہ کی پوری طرح رعایت رکھی گئی ہے، اس فطری نظام میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی یا مصلحت بنی اور وقتی تقاضوں اور حالات کے مطابق ذرہ برابر کسی نوع کی کوئی ترمیم ہرگز قابل قبول نہیں ہے، یہ نظام الہی ہے اسکو آخری بار کمال کے زیور سے آراستہ کر کے اللہ تبارک و تعالیٰ نے دنیا کے تمام انسانوں کے لئے قیامت تک کے لئے بلکہ کائنات، زندگی اور انسان، سب کے لئے ایک آسمانی تحفہ کے طور پر عطا کیا ہے۔ اس کائنات میں بسنے والے تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا علیہما السلام کے ذریعہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلایا ہے اور حکم دیا ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ہر حال میں اسی کا لحاظ رکھو۔

اس بنا پر یہ دین پوری انسانیت کا دین ہے اور جب تک یہ عالم انسانی قائم ہے اس کی

رہنمائی اس دین کے ذریعے سے ہوتی رہے گی اور امت مسلمہ دعوت و ہدایت کا فریضہ انجام دیتی رہے گی، اور صراطِ مستقیم کی نشاندہی کرتی رہے گی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”وَأَنْ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السَّبِيلَ فَتَنُفِرَ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ“ (أنعام: ۱۵۳)

**ترجمہ:** اور بیشک یہی میرا سیدھا راستہ ہے، لہذا اس کی اتباع کرو اور دوسرے راستوں کی طرف نہ جاؤ کہ وہ تم کو سیدھے راستے سے غلط راستوں کی طرف بہکا دیں، یہی وہ بات ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے تم کو ہدایت کی ہے، تاکہ اس کا پورا لحاظ رکھو۔

اس صاف اور صریح آیت کے بعد اب کسی حال میں کسی زمان و مکان میں کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ دعوتِ دین کی راہ میں غلط فہمیاں پھیلائی جائیں۔ اور حقائق کو نظر انداز کر کے اپنی پسند کے مطابق دعوتِ دین کی تشریح کی جائے۔ یہ دین ایک ابدی حقیقت ہے، اس کا پیغام دائمی ہے، اس کا طریقہ زندگی فطری ہے اور اس کی روشنی پورے عالم اور انسانیت کے لئے مشعلِ راہ ہے، جو لوگ اپنی ناقص فہم یا پسند کے مطابق دعوت کے اس لامحدود تصور کو محدود کرنے یا کسی ایک طبقہ کے مفاد سے اس کو وابستہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ دعوتِ دین کا فریضہ انجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے، بلکہ وہ اپنے اس عمل سے امت مسلمہ کا ایک ناپسندیدہ عنصر قرار دیئے جانے کے لائق ہیں۔ اور وہ کسی حال میں بھی اسلام کی نمائندگی کرنے کا حق نہیں رکھتے۔

یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں ارشادِ نبوی ہے: **يَقَاتِلُكُمْ الْيَهُودُ، فَتَسْلُطُونَ عَلَيْهِمْ، حَتَّى يَقُولَ الْحَجَرُ: يَا مُسْلِمُ! هَذَا يَهُودِيٌّ وَرَائِي، فَاقْتُلْهُ** (بخاری: کتاب المناقب: ۳۵۹۳)

**ترجمہ:** یہودی تم سے برسرِ پیکار ہوں گے، پس تمہیں ان پر غلبہ حاصل ہوگا، یہاں تک کہ پتھر کہے گا، اے مسلم! یہودی یہاں میرے پیچھے چھپا ہوا ہے، اس کو مارو۔

\* \* \*





## مزید تیاری کی ضرورت \*

موجودہ اسلامی دنیا اور ان تمام ممالک میں جہاں مسلم اقلیت موجود ہے، دین کے خلاف ایک نیا رجحان پایا جاتا ہے، اس رجحان کو ہم چاہیں تو ”مارکزم“ سے تعبیر کر سکتے ہیں، یہ اسلام کے خلاف ایک زبردست سازش ہے، اور مسلمانوں کو دینی، عقائدی اور اخلاقی لحاظ سے بالکل تباہ و برباد کر دینے کی وہ ناپاک کوشش ہے جس کی سرپرستی مارکسی ممالک اور خالص مادہ پرست نظریات رکھنے والی جماعتیں کر رہی ہیں، اور ایسی حکمت عملی سے اس نظریے کی تبلیغ و اشاعت کا کام ہو رہا ہے کہ بہت سے سادہ لوح مسلمان اس کے خطرات سے واقف ہی نہیں ہو پاتے اور اس کو محض ایک اقتصادی یا سیاسی پروگرام سمجھ کر اس کے دام فریب میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

اس وقت یہ کام زیادہ تر اشتراکیت کے نام سے انجام پا رہا ہے، چنانچہ بہت سے اسلامی عرب ممالک میں اس نقطہ نظر کو حکومتوں نے اپنایا ہے اور اشتراکیت کی بنیاد پر وہ ملک کا سیاسی، سماجی اور اقتصادی ڈھانچہ تیار کر رہے ہیں، بعض اسلامی ممالک میں اس نظریہ کو بہت معصومیت کے ساتھ یہ کہہ کر پھیلانے کی کوشش ہو رہی ہے کہ اس کا اسلام کے اصول و قواعد سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے اور یہ محض ایک اقتصادی پروگرام ہے، جو طبقاتی مساوات کی بنیاد پر قائم ہے اور جس کی وجہ سے امیری غریبی کے فرق کو مٹایا جاسکتا ہے اور دولت چند ہاتھوں میں جمع نہیں ہو پاتی، بعض جگہوں میں اشتراکیت کو خاص اسلامی نقطہ نظر بنا کر پیش کرنے کی کوشش ہو رہی ہے اور اسکو اسلامی اشتراکیت کہہ کر عوام کو فریب میں مبتلا کرنے کی جدوجہد کی جا رہی ہے، یہاں یہ بات

\* یہ مضمون آج سے تقریباً ۳۸ سال پہلے لکھا گیا، یعنی سویت یونین کے زوال سے قبل، شاید انکی اشاعت کسی درجہ میں مفید ہو۔

قابل ذکر ہے کہ یہ جماعتیں خواہ سرمایہ دارانہ نظام کی داعی ہوں یا اشتراکیت کی علمبردار ہوں، یہ وہ نقطہ اشتراک ہے جہاں تمام باطل طاقتیں متحد ہو جاتی ہیں۔

یہ بات ہمیشہ سے تسلیم شدہ ہے کہ باطل آپس میں خواہ کتنا ہی دست و گریباں ہوں، لیکن اسلام کے مقابلہ میں وہ ہر وقت ایک متحدہ محاذ ہے، اس محاذ سے وہ اسلام کے قلب و جگر پر حملہ آور ہونے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے، اسلئے یہ خیال کرنا کہ اس راہ سے آنے والی کوئی چیز ہمیں فائدہ پہنچا سکتی ہے یا اس سے ہم کو تقویت حاصل ہو سکتی ہے، محض فریب خوردگی ہے اور ناواقفیت و بھولے پن کی دلیل ہے۔

ہمیں جو بات عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ ان باطل نقطہ ہائے نظر اور فلسفوں کے داعی اپنی دعوت کو پھیلانے اور اس کو عوام کی نظروں میں محبوب و مقبول بنانے کے لئے جن نئے تہذیبی وسائل اور نشر و اشاعت کے جدید، مؤثر اور تیز رفتار طریقوں کو اپناتے ہیں، وہ صرف انھیں کے ساتھ مخصوص نہیں ہونا چاہئے، یعنی تخریبی دعوتوں کے علمبردار اپنی بات پہونچانے اور اپنی دعوت پھیلانے میں اس قدر خفیہ و سرگرم ہوں اور ذہنوں کو اپیل کرنے، عوام کی توجہ مبذول کرانے اور رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے ہر اس طریقہ کو اختیار کرنے سے دریغ نہ کریں جو موجودہ علم و سائنس نے دنیا کے سامنے پیش کئے ہیں، تو ہم حق و انصاف کے علمبردار کیوں اس سے محروم ہیں اور ان ”تیز رفتار“ ذرائع کو اپنی دعوت پھیلانے اور اپنا فرض ادا کرنے کے لئے کیوں نہ استعمال کریں، جبکہ ہمارے پیش نظر یہ مشہور آیت قرآنی بھی ہے: ”واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل، ترہبون بہ عدوا للہ و عدوکم و آخرین من دونہم“ (أنفال: ۶۰)

توجہ: تم ان سے مقابلہ کے لئے طاقت بھر قوت کی تیاری کرو اور گھوڑوں کو تیار رکھنے کی، کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو، اور ان کے سوا دوسرے لوگوں کو۔  
علم و تہذیب کسی کی ملکیت نہیں ہے اور نہ اس کے ثمرات و نتائج کسی کے ساتھ مخصوص ہیں، بلکہ جو بھی ان وسائل و ایجادات کو اپنے مصالح کی خدمت میں استعمال کرے گا وہ اس کا ساتھ

دیں گے اور اس کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائیں گے۔ مسلمان اور داعیان اسلام خاص طور سے اس عطیہ قدرت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، انھیں چاہئے کہ وہ اپنے مقدس کام کی تبلیغ و اشاعت میں زیادہ سے زیادہ ان وسائل و ایجادات سے کام لیں، اور ان کو صرف برے کاموں کی تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ نہ بننے دیں۔

یہ بزمِ مے ہے، یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی  
جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے





باب چہارم:

مسلم معاشرہ کے کمزور ترین پہلو



## مبالغہ آرائی اور رنگ آمیزی

بے اصل اور لالچینی باتوں کو اکثر لوگ خرافات سے تعبیر کرتے ہیں، اس لفظ کا قصہ یوں بتایا جاتا ہے کہ عرب میں قبیلہ جہینہ کے ایک شخص کا نام ”خرافہ“ تھا، جسکو جنوں کی ایک جماعت اچک لے گئی تھی اور وہ ان کے پاس ایک عرصہ تک مقیم رہا، پھر جب اس کو رہائی حاصل ہوئی اور اپنی قوم میں واپس آیا تو وہ بے شمار ایسی ایسی باتیں اور قصے بیان کرنے لگا کہ بالآخر لوگ اس کی صداقت پر شبہ کرنے لگے، اور کچھ ہی دنوں بعد وہ اپنی دروغ بیانی اور مبالغہ آمیزی میں ایسا مشہور ہوا کہ خرافات ہر بے اصل اور لالچینی بات کا نام پڑ گیا، اور اسی وقت سے خرافات کی اصطلاح چل پڑی۔

یہ قصہ تاریخی حیثیت سے چاہے جیسا کچھ بھی ہو، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کذب بیانی اور مبالغہ آمیزی میں بڑی لذت ہے، مثلاً ایک باتونی شخص کو آپ لے لیجئے، اس کو جتنی دلچسپی مجلس آرائی اور مبالغہ آمیز گفتگو سے ہوگی اتنی شاید کسی اور چیز سے نہ ہو، چنانچہ وہ اپنی اس ہوس کو پوری کرنے کے لئے بے حقیقت واقعات کو اصل بنا کر پیش کرنے اور اس میں رنگ آمیزی کرنے کے لئے اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرتا ہے، وہ لوگوں کو ہنساتا ہے اور ان کو متاثر ہوتے ہوئے دیکھ کر بے حد خوش ہوتا ہے۔

ہمارے معاشرہ میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی موجود ہے جن کا مزاج ہی یہ ہے کہ وہ ہر بات میں رنگ بھر کر اور اس کو مبالغہ کے ساتھ بیان کریں، اس طرح کے لوگ اکثر دوسروں سے سنی ہوئی بات یا کسی واقعہ کو ایسے زاویے سے نقل کرتے ہیں کہ اگر وہ معمولی اور ناقابل اعتنا ہو تب بھی بہت زیادہ ہیبت ناک اور قابل توجہ بن جائے، وہ ایک بات میں کئی بات اور ایک پہلو میں

متعدد پہلو ملا کر کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ سامعین پر اثر پڑنا ضروری ہوتا ہے۔

یہ ایک عادت یا معمول ہے جس میں علم و جہل، افراد و جماعت اور چھوٹے بڑے کا کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ ایک واقعہ پیش آتا ہے، جو اپنی عمومیت کے لحاظ سے سب پر عیاں ہے، مجالس و محافل میں اس کا چرچا ہے، اخبارات میں اس کی خبریں شائع ہو رہی ہیں۔ لیکن آپ دیکھیں گے کہ جتنی مختلف مجالس ہیں اتنی ہی مختلف باتیں ہو رہی ہیں، وجہ بالکل ظاہر ہے کہ ہر شخص اس خبر یا واقعہ کو زیادہ سے زیادہ اہم بنا کر پیش کرنا چاہتا ہے، تاکہ اسی کے مطابق اس کی اہمیت کا اظہار ہو سکے، اور کسی نہ کسی پہلو سے وہ لوگوں کی نگاہوں میں ممتاز نظر آئے۔

کسی بات کو پھیلا کر اس کو اہم بنانے میں لاشعور کا وہ جذبہ کام کرتا ہے جس میں انسان کو اپنی شخصیت کا احساس ہوتا ہے، یہی احساس بعض وقت بہت زیادہ مبالغہ آمیزی پر مجبور کرتا ہے، جہاں سے ایک معمولی حیثیت کا انسان تھوڑی دیر کے لئے بڑی شخصیت کی شکل میں اپنے آئینے میں دکھائی پڑتا ہے۔

مبالغہ آمیزی یا کذب بیانی ایک ہی جنس کی دو چیزیں ہیں، اس جنس میں چونکہ نفس کو بے حد لذت اور خوشی محسوس ہوتی ہے، اس لئے اس کی طرف میلان ہونا ایک فطری بات ہے، نفس کے اس میلان کو اگر کوئی چیز روک سکتی ہے تو وہ صرف دینی بیداری یا خدا کا خوف ہی ہو سکتا ہے، سچ بولنے میں بعض اوقات بظاہر خسارہ اور جھوٹ میں نفع نظر آتا ہے، لیکن اس کے باوجود جھوٹ کا باطنی خسارہ اس قدر بھیانک ہے کہ اس کی مثال معاشرہ میں قدم قدم پر ملتی ہے، چور اپنی چوری میں ماخوذ ہو جاتا ہے تو وہ مختلف طریقوں اور جھوٹ کے ذریعہ اپنی بے گناہی کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن جوں ہی کوئی فوری اور تکلیف دہ سزا اس کو ملی وہ فوراً اپنی غلطی کا اقرار کر لیتا ہے، حالانکہ اگر وہ صحیح بولتا اور اپنی چوری پر ندامت کا اظہار کر لیتا تو شاید اس کو یہ سزا بھی نہ بھگتنی پڑتی، نفس کے اسی رجحان کو بد لئے کئے لئے شریعت نے بار بار معاشرہ کی اس خطرناک بیماری کی طرف توجہ دلائی ہے اور اس سے باز رہنے کی ترغیب دی ہے۔

اس کے برعکس دنیا کے کسی بھی معاشرہ کو آپ لے لیجئے، کہیں بھی جھوٹ، مبالغہ آمیزی اور



دروغ بیانی سے روکنے کے لئے کسی قانون یا جھوٹ بولنے پر کسی خاص قانونی سزا کا وجود نہیں ہے، اگر ہم غور کریں تو یہ بات بالکل صاف طور سے نظر آتی ہے کہ جس معاشرہ کے افراد آپس میں کذب بیانی روا رکھتے ہوں وہ ہرگز کامیاب اور مؤثر سوسائٹی قائم کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے، اور نہ وہ دنیا میں کوئی ذہنی یا فکری انقلاب برپا کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں۔

اسلامی معاشرہ اپنے پہلے دور میں جن خصوصیات کا حامل تھا، ان میں حق گوئی اور بے باکی کو بڑی اہمیت حاصل ہے، تاریخ میں اس کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں، بڑے بڑے بادشاہوں کے سامنے حق گوئی و راست بازی کا وہ معیار اس معاشرہ کے افراد نے قائم کیا جس کی مثال اب مفقود ہے، یہی وجہ تھی کہ وہ سوسائٹی نہایت پاک و صاف اور اخلاقی اقدار کا ایک اعلیٰ نمونہ تھی، وہاں کذب و افتراء، اور ریا کاری و مصلحت بینی کا کہیں وجود نہ تھا۔

لیکن زمانہ جوں جوں گزرتا گیا، اخلاقی انحطاط بھی رونما ہوتا گیا اور اب اسلامی معاشرہ میرا وہ ساری خوبیاں اور وہ تمام خطرناک بیماریاں داخل ہو چکی ہیں جو نہ صرف چند افراد یا کسی جماعت کے لئے خسارہ و ہلاکت کا باعث ہیں، بلکہ پوری سوسائٹی اس خطرہ سے دوچار ہے، قدم قدم پر ایسی مثالیں ملتی ہیں جن میں سراسر اخلاقی انحطاط اور ذہنی گراؤ کی کار فرمائی ہوتی ہے۔ معاشرہ کا ایک شخص کبھی اپنے دوسرے ساتھی کے لئے کسی عزت، بڑائی اور بلندی کو نہ صرف یہ کہ گوارا نہیں کر سکتا، بلکہ اس کی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ عزت و بڑائی اس شخص سے منتقل ہو کر اس کی طرف آجائے، اگر صرف اتنا ہی ہوتا کہ کسی کی عزت و بلندی کو دیکھ کر یہ تمنا ابھرتی کہ وہ اس کے اندر باقی رہتے ہوئے اپنے اندر بھی پیدا ہو جائے تو زیادہ نقصان دہ نہ تھا، لیکن نفس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ

• دوسرے کو نقصان پہنچا کر خود فائدہ حاصل کرنا۔

• دوسرے کو ذلیل کر کے خود عزت و وقار پانا۔

• دوسرے کو محتاج بنا کر خود صاحب دولت ہونا۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان خرابیوں کی ایک ہی وجہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ کذب کے ساتھ حسد بھی

پوری طرح اپنا کام کرتا ہے، ذہن کے اس رجحان کو بدلنے کیلئے پہلے انہیں چھوٹی چھوٹی بیماریوں کا خاتمہ کرنا ہوگا، اور اس کے لئے اجتماعی کوشش سے پہلے انفرادی کوشش کی ضرورت ہے، اس کے بغیر ساری کوششیں بے سود اور تمام تگ و دو بے کار ہے۔



## بدگمانی اور اس کے خطرناک اثرات

انسانی معاشرہ کے لئے جہاں اور بہت سی باتیں مضر ہیں، وہیں بدگمانی یا سوء ظن کے نتائج بھی بہت سنگین اور خطرناک ہیں، یہ معاشرہ کا پیچیدہ مرض ہے جس کی دوا کسی طبیب کے پاس نہیں، جس ماحول میں یہ بیماری پھیل جائے وہ انتہائی بدنصیب اور زندگی کے لطف و مسرت سے محروم ماحول ہے، یہی وہ گھن ہے جو رفتہ رفتہ سوسائٹی کی بنیاد کو کھوکھلا کر کے رکھ دیتا ہے اور ہوا کا ایک خفیف جھونکا بھی اس کے وجود کو ختم کر دینے کے لئے کافی ہوتا ہے، اجتماعی زندگی کا شیرازہ منتشر کرنے میں بدگمانی کا کردار ایک مسلمہ حقیقت ہے، اسی کی بدولت کتنے ملے ہوئے دل متفرق اور کتنے متحد اجتماعی معاملات، انتشار اور شکست و ریخت کے انجام سے دوچار ہو کر رہے۔ اگر ہم اپنی اجتماعی زندگی کا تجزیہ کریں تو بدگمانی کی کارفرمایاں ہم کو قدم قدم پر نظر آئیں گی، دو بھائیوں کا اختلاف ہو یا دو جماعتوں کا، ہر اختلاف کی تہ میں بدگمانی کا کردار سب سے زیادہ نمایاں دکھائی دے گا، شوہر کو بیوی سے یا بیوی کو شوہر سے بدگمانی کا انجام قتل یا کم از کم جدائی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے، بعض مثالیں تو ایسی ہیں کہ شوہر کو اپنی بیوی سے بدگمانی ہو گئی جو محض غلط فہمی پر مبنی تھی، مگر اس کا انجام یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ یہ بدگمانی اس کے دل میں اس قدر راسخ ہو گئی کہ شوہر نے اس قتل اور درد سہری سے نجات حاصل کرنے کے لئے اپنی بیوی کو جس پر کسی زمانے میں سب سے زیادہ اس کو اعتماد تھا، قتل کر دیا، اور نہ صرف یہ کہ بیوی کو قتل کر کے اس کو اطمینان ہوا، بلکہ یکے بعد دیگرے اس نے اپنے ۸ بچوں کو قتل کر کے اس درد سہری سے نجات حاصل کی، بعد میں معلوم ہوا کہ جس بنا پر اس نے اتنے عظیم گناہ کا ارتکاب کیا وہ محض غلط فہمی تھی، حقیقت سے اس کا دور کا بھی علاقہ

نہیں تھا۔

تاریخ کے اوراق اٹھائے تو آپ کو سیکڑوں ایسی مثالیں ملیں گی جو غلط فہمی اور بدگمانی کے باعث بڑی بڑی لڑائیوں کا پیش خیمہ بنیں، اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ دو قریبی اور بے حد تعلق رکھنے والے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے، جس کا سبب محض کوئی بدگمانی تھی، یہ دن رات دیکھنے میں آتا ہے کہ اہل تعلق اور ایک خاندان کے افراد بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کا شکار ہو کر ایک دوسرے کے مخالف ہو جاتے ہیں۔ ابتداءً یہ مخالفت اندر چھپی ہوتی ہے، لیکن نتیجہً وہ ایک بھیانک شکل اختیار کر لیتی ہے، کبھی قتل و خونریزی کی شکل میں، اور کبھی مقدمہ بازی یا ایک دوسرے کو ذلیل کر کے انتقام لینے کی صورت میں، بہر حال بدگمانی اپنا کام کسی نہ کسی طرح پورا کر کے رہتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدگمانی سے بچو، اس لئے کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے، جھوٹ تو یوں بھی گناہ کبیرہ ہے، لیکن سب سے زیادہ جھوٹی بات بلاشبہ گناہ کبیرہ سے خارج نہیں ہو سکتی، گویا بدگمانی بھی اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے تاکید کی کلمات ارشاد فرمائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تھے، آپ کوئی بات بغیر حکم الہی کے نہیں بیان فرماتے تھے۔ لہذا بدگمانی کے متعلق آپ کا یہ ارشاد اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ اس میں بہت سی خرابیاں مضمر ہیں، اور اس کے نتائج ہیچ خطرناک اور سنگین ہوتے ہیں، معاشرہ میں بدگمانی کا اثر ایک بہت بڑی تخریب کے مرادف ہے جس کا نتیجہ برابر ہماری نگاہوں کے سامنے آتا رہتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد الہی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ. (سورہ حجرات-۱۲)

**ترجمہ:** اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو، بلاشبہ بعض گمان گناہ ہیں۔

اس آیت میں مفسرین نے ظن سے مراد سوء ظن بتایا ہے، بدگمانی سے بچنے کی تاکید پر نظر ڈالیں اور اس کی شاعت کو مزید مؤکد کرنے اور اس سے نفرت دلانے کے لئے یہ بھی فرمایا گیا کہ بہت سے گمان ایسے ہوتے ہیں جو گناہ کا باعث ہیں۔

آج اسلامی معاشرہ کا اگر جائزہ لیا جائے تو شاید ہی کوئی ایسی جگہ مل سکے گی جہاں یہ مرض نہ موجود ہو، اور بحال تمام کچھ ایسے افراد ہم کو مل سکیں گے جو بدگمانی کو اپنے دل میں جگہ نہ دیتے ہوں، ورنہ عام طور سے ہمارا معاشرہ اس کی زد میں ہے۔ اس کے برعکس دوسرے غیر مسلم ماحول یا معاشرہ میں ہم کو یہ چیز نسبتاً بہت کم نظر آئے گی، بعض وہ ممالک جو ترقی اور عروج کی آخری منزل پر پہنچ رہے ہیں، ان کو اپنی مادی دوڑ کے سامنے اس کی فرصت ہی نہیں ہے کہ وہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف توجہ کریں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس بیماری کی گرفت سے آزاد ہیں، بلکہ وہ عالمی پیمانے پر اس میں پوری طرح جکڑے ہوئے ہیں۔

اس کا علاج یہ ہے کہ جب بھی ہمارے دل میں کسی طرح کی بدگمانی پیدا ہو، پہلے ہم اس کی تاویل کرنے کی کوشش کریں، لیکن اگر اس سے کام نہ چل سکے تو صاحب معاملہ سے رجوع کر کے اس گمان کو ظاہر کریں، تاکہ اگر بات کسی حد تک صحیح بھی ہو تو وہیں سے وہ ختم ہو جائے، ہر ایسی صورت میں جس میں ہمارے سامنے بدگمانی کے مواقع موجود ہوں اطمینان اور سنجیدگی سے کام لینا سید مفید ہے، اور عداوت و نفرت کے جذبہ کی پرورش کرنے کے بجائے اس کو ظاہر کر کے اس سے نجات حاصل کرنا ظاہری و باطنی دونوں حیثیتوں سے فائدہ بخش ہے۔

ہماری کمزوریوں اور اخلاقی زوال کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے دل، ایک دوسرے کے لئے روشن نہیں ہیں جس میں ہر شخص اپنی تصویر دیکھ سکتا ہو۔

حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ المؤمن مرآة المؤمن: کہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہے۔





## غیبت معاشرہ کا ایک کمزور ترین پہلو

اجتماعی حیثیت سے ہمارے معاشرہ کو جس چیز نے سب سے زیادہ نقصان پہنچایا وہ غیبت ہے، یہی دراصل وہ روگ ہے جو ہماری اجتماعی شیرازہ بندی اور ملی وحدت کی راہ میں ایک سنگ گراں ہے۔ لیکن ہم غور کریں تو سوسائٹی کے ہر طبقہ اور زندگی کے ہر شعبہ میں غیبت کی کارفرمائیاں قدم قدم پر نظر آئیں گی، اور ایسا معلوم ہوگا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی زندگی کو اس سے نجات حاصل نہیں ہے، کام وہ بن کو اس گناہ سے جو لذت حاصل ہوتی ہے اس کا بدل اتنی آسانی کے ساتھ شاید کسی چیز میں نہ مل سکے، حکومت کے ایوانوں سے لے کر جھوپڑی کی تنگ و تاریک فضا تک اور محراب و مبر کی بلندیوں سے میکدوں کی پستیوں تک ہر جگہ غیبت اپنا تسلط جمائے ہوئے نظر آتی ہے

روزمرہ کی زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ کس طرح دانستہ اور نادانستہ طور پر ہم اس گناہ عظیم کا ارتکاب کرتے ہیں اور کس کس بہانے سے ہم اس سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں، حالانکہ یہی وہ گناہ ہے جس کی حرمت قرآن وحدیث دونوں میں خاصی تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، اس تفصیل کی وجہ بھی غالباً یہی ہے کہ غیبت ایک لذیذ اور سہل گناہ ہے، اس سے نفس امارہ کو فرحت حاصل ہوتی ہے اور کبر کے جذبہ کو سکون ملتا ہے، اگر بات صرف اتنی ہی ہوتی اور اس کے مضراثرات ذاتی حد تک محدود رہتے تو شاید اس کی اتنی اہمیت نہ ہوتی، لیکن معاشرہ کو اس سے جو انتشار لاحق ہوتا ہے اور دلوں میں اس کی وجہ سے نفرت وعداوت کا جو جذبہ پیدا ہوتا ہے وہ بے حد سنگین اور وحدت کے مزاج کے لئے انتہائی ضرور رساں ہے۔

غیبت نام ہے ہر اس بات کا جس کا تعلق کسی کی ذات سے ہو، اور اس کی عدم موجودگی میں

ہم اس بات کو اس طرح بیان کریں کہ اگر وہ سنے تو اس کو تکلیف پہنچے، یا وہ اس کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھے، خواہ وہ بات یا عیب اس شخص کے اندر موجود ہی کیوں نہ ہو، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جانتے ہو غیبت کس چیز کا نام ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے، آپ نے فرمایا کہ تم اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرو کہ وہ اس کو ناپسند کرے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ حضور اگر وہ بات اس کے اندر موجود ہو تب بھی وہ غیبت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ بات اس کے اندر موجود ہے تو غیبت ہے، لیکن موجود نہ ہونے کی صورت میں تو بہتان ہے۔ (مسلم شریف)

ہم کو سوچنا چاہئے کہ ہم روزمرہ کی زندگی میں اس صورت حال سے کتنی دفعہ دوچار ہوتے ہیں اور یہ واقعہ روزانہ کتنی بار ہمارے ساتھ پیش آتا ہے، بات صرف یہی نہیں ہے کہ غیبت ہوئی، بلکہ دراصل اس کے ساتھ ساتھ ایک مسلمان کے دل میں نفاق، نفرت و حسد اور بغض و عداوت کے جذبات کو جگہ ملی، یہی وہ جذبات ہیں جو اجتماعیت اور معاشرتی زندگی کے لئے سم قاتل ہیں، ان کی وجہ سے ہماری زندگیوں میں ایسی بے برکتی، بے رونقی اور اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے کہ ملت کی ذمہ داریوں سے قطع نظر ہم اپنی ذاتی ذمہ داریوں کے ادا کرنے اور ان کا بار اٹھانے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے۔

اگر آپ غیبت کی سنگینی اور اس کی شاعت کا اندازہ کرنا چاہیں تو مندرجہ ذیل آیت کو بغور پڑھئے:

وَلَا يَغْتَب بَعْضُكُم بَعْضًا يُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا  
فَكَرَهُتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ . (حجرات: ۱۲)

اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے، اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے (تو غیبت نہ کرو) اور خدا کا ڈر رکھو، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔



مرے ہوئے بھائی کے گوشت کھانے اور غیبت کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے، لیکن ہم نہ جانے روزانہ کتنی بار اس گوشت کو کھاتے اور اپنے نفس کے جذبہ کو تسکین دیتے ہیں، حالانکہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ دونوں سے لوگ (مسلمان) محفوظ رہیں، زبان کا گناہ عمل کے گناہ سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔ اس کی زندہ مثال غیبت، جھوٹ، چغلی، وغیرہ میں بالکل ظاہر ہے، غیبت یہی وہ جرم ہے جس کی وجہ سے روزہ جیسی بابرکت اور افضل عبادت میں بھی خلل واقع ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے روزہ کے فوائد سے روزہ دار محروم کر دیا جاتا ہے اور اس کی بھوک پیاس کا کوئی حاصل نہیں ہوتا۔

حدیث میں مذکور ہے کہ ”روزہ اک ڈھال ہے“، لیکن غیبت اس ڈھال کو پھاڑ دیتی ہے، گویا روزہ جو انسان کو ہر طرح کے گناہ سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کے لئے ڈھال کا کام دیتا ہے، غیبت اس کو پھاڑ دیتی ہے اور اس کے لئے ہر گناہ کا دروازہ کھول دیتی ہے۔

غیبت کے متعلق عام طور پر یہ تصور ہے کہ غلط بات کو کسی کی طرف منسوب کر کے بیان کرنے اور اس پر الزام لگانے کو غیبت کہتے ہیں۔ حالانکہ کسی کے عیب کو مطلق بیان کرنے ہی کو غیبت کہتے ہیں اور اگر وہ عیب اس کے اندر موجود نہ ہو تو وہ بہتان تراشی ہے نہ کہ غیبت، اس سلسلہ میں حدیث کی روایت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ وہ جھگنی ہیں، آپ نے اس بات پر خفگی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ عائشہ! تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اس کو سمندر کے پانی میں بھی ملا دیا جائے تو وہ بھی بدبودار ہو جائے۔

یہ روایت غیبت کی حقیقت اور اس کی سنگینی کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے، اور اس میں عبرت و نصیحت کا ایک نہایت اہم تر پہلو ہے۔ کاش ہمارے سامنے صرف یہی حدیث ہو تو ہم غیبت کے تصور سے بھی لرز جائیں اور ہمارے دل میں کبھی اس کا تصور بھی پیدا نہ ہو، مگر افسوس کہ ہم جہاں اور بہت سے اجتماعی اہم معاملات کو نظر انداز کر کے زندگی بسر کرنے کے عادی ہو گئے ہیں، وہیں غیبت سے بھی ہم نے آنکھیں بند کر لی ہیں، اور اس کے انجام و عواقب سے بے خبر ہو کر ہم

نے اس کو اپنی زندگی اور معاشرہ کا ایک جزء لاینفک بنالیا۔

اسلامی معاشرہ میں غیبت کرنا اور اس کا سننا دونوں حرام ہے، اگر کوئی شخص اس کا ارتکاب کرے تو دوسرے کو چاہئے کہ وہ اس کو متنبہ کر دے اور اس کی تردید کرے، اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرے، اور وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے تو احتجاجاً مجلس سے اٹھ جانا زیادہ بہتر اور مناسب ہے۔ علمائے اسلام نے خالص شرعی اور دینی مصالح میں جو بغیر غیبت کے ممکن نہ ہوں اس کی اجازت دی ہے، جس کی تفصیل فقہ وحدیث کی کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔



## ہماری سوسائٹی کی بیماریاں اور ان کے علاج کی ضرورت

آج کے مسلمانوں کی عمومی زندگی کا ایک سرسری مطالعہ اس بات کے ثبوت کے لئے بالکل کافی ہے کہ ہماری زندگی میں بہت زیادہ بگاڑ پیدا ہو چکا ہے اور معاشرہ میں ایسی ایسی خرابیاں جاگزیں ہو چکی ہیں، جن کا علاج بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ ہم اپنے معاشرہ کو از سر نو تشکیل دیں اور زندگی کو اسی پرانی راہ پر واپس لے چلیں جہاں سے ہمارے اسلاف اور امت کے رہنماؤں نے اپنا سفر شروع کیا تھا۔

ہماری اجتماعی زندگی میں جو بیماریاں داخل ہو چکی ہیں، وہ گھن کی طرح زندگی کی بنیاد کو کھوکھلی کر رہی ہیں اور اس کے سارے بنیادی عقائد کو منہ کر کے ایک ایسا مخلوط معاشرہ جنم دینا چاہتی ہیں جس کا ظاہر اسلام اور باطن شرک و بدعت اور کفر و نفاق ہوگا، بلکہ میں ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کہہ دوں تو کوئی حرج نہیں کہ یہ معاشرہ ظاہری اسلامی سے بھی محروم ہوگا اور وہ ایک خالص غیر اسلامی سوسائٹی ہوگی جس پر اسلام کا لیبل لگا کر سادہ لوح مسلمانوں اور ناخواندہ طبقے کو دھوکا دیا جائے گا۔

معاشرہ کو تبدیل کرنے کی یہ خفیہ مہم آج سے بہت پہلے شروع ہو چکی ہے، لیکن اب اس کا دھارا اس قدر تیز ہے کہ عام مسلمانوں کی زندگی اسلامی اصولوں سے کٹ کر اور عقائد و ایمانیات سے نا آشنا ہو کر رہ گئی ہے، اسلام صرف اس بات میں محدود ہو کر رہ گیا ہے کہ رسوم کی پرستش کی

جائے، قبروں پر سجدہ کیا جائے، عرس کے مخلوط میلے لگائے جائیں، شرک اور بدعت کے تمام کاموں کو اتنے دھوم اور اہتمام کے ساتھ انجام دیا جائے کہ دوسرے لوگ اسی کو اسلامی شعار اور ایمان و عقیدہ کا اہم جز سمجھنے لگیں اور ہر دیکھنے والے کو اس کا یقین ہو جائے کہ اسلام میں یہ سب باتیں بے حد ضروری ہیں اور اس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔

آج کے عام مسلمان کی زندگی میں شرک و بدعت، رسوم پرستی، قبروں کی عبادت، نذر و نیاز اور اس طرح کی اور بہت سی بیماریاں شعار کی حیثیت سے داخل ہو چکی ہیں جن کے بغیر وہ اپنی ”اسلامی زندگی“ کو ناقص، اور اپنے ایمان کو غیر معتبر تصور کرتا ہے، اس کے نزدیک یہی وہ اہم اور بنیادی باتیں ہیں جو ہر مسلمان کے لئے بہ حیثیت مسلمان ہونے کے ضروری ہیں۔ وہ یقین رکھتا ہے کہ آخرت میں اس کی نجات اسی پر منحصر ہے، اور اگر نذر و نیاز، فاتحہ و عرس اور ادائیگی رسوم وغیرہ میں کوئی کمی رہ گئی تو اس سے مواخذہ ہوگا اور وہ سچا اور صاحب عقیدہ مسلمان کہلانے کا کسی حال میں مستحق نہیں ہو سکتا ہے۔

ایک ایسا شخص جو اپنے آپ کو اس کے بغیر مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں سمجھتا، اور ان غیر شرعی امور کو جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے انجام دینے کے لئے اپنی آخری کوشش صرف کر دیتا ہے، اگر عبادات و معاملات کے پہلو سے ہم اس کی زندگی کا مطالعہ کریں تو وہ نہ صرف اس سے غافل بلکہ نا آشنا اور اس سے بالکل ناواقف ہوگا، اس کو دن رات کی نمازوں کی صحیح تعداد تک نہیں معلوم ہوگی، وہ فرض اور سنت سے قطعاً بے خبر ہوگا، بلکہ حد تو یہ ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی کلمہ سے بھی بالکل ہی نا آشنا ہوگا، اسی طرح معاملات میں وہ اتنا ناقص ہوگا کہ لوگ اس سے اجتناب کریں گے، وہ شراب بھی پیتا ہوگا، جو ابھی کھیلتا ہوگا اور چوری کو بھی جائز سمجھتا ہوگا، لیکن وہی شخص ہر جمعرات کو کسی بزرگ کی قبر پر سجدہ کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ شبِ برأت کے موقع پر آتش بازی کے لئے جس طرح بھی رقم مل سکے اس کو جمع کرنا فرض عین خیال کرتا ہے، قبروں پر چڑھاوا چڑھانے کے لئے اور اس پر گھی کا چراغ روشن کرنے کے لئے ہر طریقہ سے پیسہ حاصل کرنا اس کے نزدیک ثواب کا کام ہے۔ یہ سب محض اس لئے کرتا ہے کہ اس کے نزدیک اس کے بغیر اسلام

کالحق ادا نہیں ہو سکتا، اور وہ صحیح معنوں میں مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں۔

یہی وہ گھن ہے جو ہماری سوسائٹی میں ہر طرف پھیلا ہوا ہے، ہر شہر، گاؤں اور قصبہ میں اس بیماری نے اپنا تسلط جما رکھا ہے، اور عام مسلمانوں کو اس مرض سے کسی طرح نجات نہیں حاصل ہے، اگر ہم غور کریں تو دراصل اس بیماری کا منبع ہمارے پڑھے لکھے طبقے کا ایک ایسا گروہ ہے جو اپنی غرض پوری کرنے اور اپنی ذاتی منفعت کے لئے جاہلوں کو دھوکا دیتا ہے اور ان سے دین کے نام پر ایسے کام کراتا ہے جس کا دین سے کسی حال میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ دین کو لہو و لعب اور نفس کی تسلی کا ایک ذریعہ بنا کر یہ لوگ سادہ لوح عوام کو دھوکا دیتے ہیں جو ظاہری باتوں کے دلدادہ ہوتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر یہ لوگ اسی کو اسلام، ایمان اور عقیدہ سب کچھ سمجھنے لگتے ہیں اور اگر کوئی ان کو ان طفلانہ حرکتوں پر متنبہ کرتا ہے تو اس کو دین کے دائرہ سے خارج، وہابی اور کافر تک کہہ دینے سے نہیں چوکتے۔

یہ رسوم پرستی اور شرک و بدعت صرف قبروں اور نذر و نیاز، عرس اور میلوں میں ہر جگہ منحصر نہیں، بلکہ بہت سی جگہوں میں اس کی شکلیں بدلی ہوئی ہیں، کہیں قبر پرستی کا رواج کم ہے، لیکن شادی بیاہ کے موقع پر غالی قسم کی رسوم پرستی کی لعنت اس طرح پھیلی ہوئی ہے کہ اس سے سرمو انحراف دین کے کسی بڑے رکن سے انحراف کے مرادف تصور کیا جاتا ہے، کہیں معاملات میں لوگ اس طرح بے لگام ہیں کہ ان کے نزدیک منافع خوری، چور بازاری اور اجارہ داری پر فخر ہوتا ہے اور اس میں ریس اور مقابلہ شروع ہوتا ہے کہ کون زیادہ نفع کما سکتا ہے۔ کون پہلے بینک میں حساب کھول سکتا ہے اور کس کو جلد بہترین مکان بنوانے کا چانس حاصل ہوتا ہے، اسی طرح کہیں مہر گراں کرنے کا رواج عام ہے تو کہیں بارات کے جلوس میں زیادہ سے زیادہ آتش بازی، کاروں کی قطار، ہاتھی اور گھوڑے کی صفیں، انگریزی باجے کے نغمے، پھولوں اور پیسوں کی بارش، ملاؤں کا سیلاب اور زیادہ سے زیادہ ظاہر داری کا مظاہرہ کرنے کی رسم ہے، اور اس کو فخریہ انداز میں ہر جگہ بیان کرنے کا طریقہ ہے۔

یہ سب کچھ ہمارے اسی معاشرہ میں ہوتا ہے جس کو بد قسمتی سے ہم اسلامی معاشرہ کہتے ہیں،

حالانکہ اسلامی معاشرہ میں پہلے یہ چیزیں موجود نہیں تھیں، اور نہ تاریخ میں کہیں اس طرح کی باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ اسلامی معاشرہ ایسے افراد سے بنتا ہے جو صحیح معنوں میں مسلمان ہوں، شرک و بدعت سے جو بالکل نا آشنا ہوں اور رسوم پرستی، قبر نوازی، اور ان تمام لعنتوں سے پاک ہوں جن کا شریعت میں کوئی وجود نہیں ہے۔

آج کے اسلام کا تعلق پہلے کے اسلام سے بالکل نہیں ہے، اگر آج کا اسلام رسم و رواج، شرک و بدعت اور غیر اللہ کی پرستش کو جائز قرار دیتا ہے تو کل کا اسلام اس سے بالکل منزہ تھا، وہاں ایمان کا تقاضا یہ تھا کہ اللہ کے بتائے ہوئے سارے احکام پر عمل ہو، عبادات و معاملات میں ہر مسلمان اسلامی اصول کے مطابق اپنی زندگی گزارے اور اسلامی تعلیمات سے ذرہ کے برابر انحراف کو قابل عتاب تصور کرے۔

لیکن جب ہماری عمومی زندگی کا حال یہ ہو کہ اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال کر اور اسلامی تعلیمات سے منہ موڑ کر غیر اللہ کے الہام کئے ہوئے خرافات کو ہم اسلام کا جزء سمجھنے لگیں اور بنیادی عقائد و ایمانیات سے بیگانہ ہو کر ہر طرح کی برائیوں میں مبتلا ہو جائیں تو بلاشبہ ہمیں اپنے اوپر نازل ہونے والی مصیبتوں اور آئے دن آنے والے عذاب کا شکوہ بھی نہیں کرنا چاہئے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا نہیں کر سکتے اور اس کے شعائر کی مدافعت نہیں کر سکتے تو کس منہ سے ہم یہ امید رکھیں کہ وہ ہماری حفاظت کرے گا اور مصیبتوں کے وقت وہ ہمارا ساتھ دے گا۔

گزشتہ دنوں ملک کے مختلف حصوں میں مسلمانوں پر جو قیامت نازل ہوئی۔ وہاں کے مسلمانوں کی عمومی زندگی کا حب جائزہ لیا گیا تو پتہ یہ چلا کہ وہ لوگ اپنی خاص و عام زندگی میں اسلامی تعلیمات سے بہت پیچھے ہٹ چکے تھے اور معاشرہ کی ہر برائی اور گناہ میں وہ آگے آگے تھے۔ کتنے مسلمان ان میں ایسے تھے جو شراب کی بھٹیوں کے ٹھیکے دار تھے اور شراب نوشی عام کرنے کے لئے وہ باقاعدہ مہم چلاتے تھے، کتنے لوگ سینماؤں کے مالک تھے اور اس کی برائیوں کو شہ دیتے تھے، اور اس طرح وہاں کے مسلمانوں کی عام زندگی دین سے بیگانہ ہو چکی تھی۔ طرح طرح کی برائیاں ان کے گھروں میں داخل ہو چکی تھیں، کسی شرکاء استقبال کرنے اور اس کو سینے سے لگا لینے

میں ان کو کوئی عار نہیں تھا، بعض دوستوں سے یہاں تک معلوم ہوا کہ ان میں اور دوسرے غیر مسلم لوگوں میں کوئی فرق نہیں تھا، بلکہ یہ برائیوں میں ان سے بھی دو قدم آگے تھے، بے پردگی، زنا کاری، شراب نوشی، سود خوری، آزادی اور غفلت، یہ سب کچھ ان کے معاشرہ کا خاص وصف تھا۔

اس کے بعد بھی ہم پر مصیبتیں کیوں نہ نازل ہوں، قیامت کیوں نہ ہمارے سروں پر ٹوٹے، اور ہر طرح کی بے انصافیوں کا نشانہ کیوں نہ ہم بنیں؟ جب تک ہماری زندگی کا یہ حال رہے گا یہ سب کچھ ہوتا رہے گا اور برابر مصائب و آلام نازل ہوتے رہیں گے۔ اس لئے ہر طرح کے اقدام سے پہلے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی زندگی کا مطالعہ کرے اور اس کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بنائے، عبادات و معاملات میں ہم خود اپنی اصلاح کریں اور افراد کی اصلاح کے لئے کوشش کریں، اس لئے کہ عوام کی اصلاح خود نہیں ہو سکتی، اس کے لئے کوشش ضروری ہے۔ لیکن اس کے ساتھ شرط ہے کہ ہماری زندگی ایسا نمونہ ہو جس کو دیکھ کر وہ متاثر ہوں اور اس سے سبق حاصل کریں۔

ملک میں بعض دینی جماعتیں افرادی اصلاح کا کام پوری تندی سے کر رہی ہیں اور اس کے فوائد بھی ہماری نظروں کے سامنے ہیں، لیکن اس وقت جس طرح یہ مرض پھیل چکا ہے اور یہ بیماری جتنی عام ہے چکی ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے آپ کو اپنی اور دوسروں کی اصلاح کا ذمہ دار سمجھے، اور معاشرہ میں گھس کر وہ لوگوں کے سامنے صحیح اسلامی زندگی کا نقشہ رکھے۔ جب تک ہماری دینی حالت بہتر نہ ہوگی، اور ہم اپنی نجی زندگی میں سچے مسلمان نہ بنیں گے، اس وقت تک کوئی علاج کارگر نہیں ہو سکتا۔ اتحاد بین المسلمین کا خواب، سیاسی بیداری کی کوشش سب کچھ اسی وقت مکمل ہو سکتا ہے، جب مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان ہوں، اور وہ دنیا کے ساتھ ساتھ دین کے شیدائی بھی ہوں۔ بغیر دینی بیداری کے سیاسی بیداری کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

مسلمان اسی وقت ایک زندہ، متحرک، فعال اور گرم جوش عنصر ہو سکتا ہے جب اس میں دینی روح پوری طرح موجود ہو، اسی وقت وہ قوموں کی تقدیریں بدل سکتا ہے اور مقصد و کسرتی کے ایوان

میں زلزلہ پیدا کر سکتا ہے لیکن مسلمان اس کے بغیر راگھ کا ایک ڈھیر ہے اور مٹی کی ایک تصویر ہے جو پیروں سے روندی جاسکتی ہے، اور بے دردی کے ساتھ اسکو ٹکڑے ٹکڑے کیا جاسکتا ہے۔

اگر ہم کو اپنی حالت کے بدلنے اور غفلت کی نیند سے بیدار ہونے کی فکر نہیں ہے تو ہم کو ہر طرح کی ذلت، رسوائی، اور غلامی کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

اقبال نے شاید اسی موقع کے لئے کہا تھا ۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا





## اسلام اس کا نام نہیں

ادھر کچھ دنوں سے یہ بات دیکھنے میں آرہی ہے کہ خالص مادی اور گھٹیا مقاصد کی تکمیل کے لئے اسلامی اصطلاحات کا غلط استعمال کیا جا رہا ہے اور زندگی کے وہ مسائل و معاملات جن کا اسلام سے ادنیٰ درجہ کا بھی تعلق نہیں ہے، ان کی تائید کے لئے ان اصطلاحات سے ناجائز فائدہ اٹھایا جانے لگا ہے۔

اس وقت عالمی حلقوں اور مجلسوں میں جو مختلف تعبیرات استعمال کی جا رہی ہیں اور جن کا مقصد صرف فساد و گمراہی پھیلانا اور مکرو فریب میں مبتلا کرنا ہے۔ ان میں ”اسلامی انقلاب“ کی اصطلاح بھی ہے جو ہماری تاریخ کے اس آخری دور میں بہت عام ہو گئی ہے اور اس کا ایک خاص مفہوم ذہنوں میں بیٹھ گیا ہے، جس کی تشریح کچھ ایسے لوگوں نے شروع کر دی ہے جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح ”اسلامی قیادت“ ”اسلامی حل“ ”اسلامی کانفرنس“ ”اسلامی قطعی نتائج“ اور بھی بہت سی تعبیرات ہیں جن میں اسلام کا نام آگیا ہے،<sup>(۱)</sup> لیکن اس عمل سے کوئی اسلامی خدمت، دعوت اسلامی کی ترویج و اشاعت یا کوئی اور بہتر مقصد مطلوب نہیں ہے۔ آج اسلام کے بارے میں ہمارا نظریہ بالکل مادی و سیاسی نظریات کے مثل ہو گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہماری زبانیں ہر موقع پر اسلام کا کلمہ رٹنے کی عادی ہو گئی ہیں، اور ہم اسلامی حکومتوں اور انجمنوں کے ہر عمل کو اسلامی عمل کے نام سے یاد کرنے لگے ہیں، جس کی وجہ سے اسلام کا مفہوم اب بہت ہی محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ اور زبان و کلام کے دائرہ سے باہر اس کی رسائی

(۱) ابھی ماضی قریب میں ”اسلامی ہم“ کی نامناسب اصطلاح بھی مغرب نے ایجاد کی ہے (نعوذ باللہ من ذلک)

ممکن نہیں، دن بدن مادی مسائل و معاملات میں اس کا غلط استعمال بڑھتا جا رہا ہے، جہاں تک اسلام کے وسیع و عمیق مفہوم کا تعلق ہے تو وہ خالص ایمانی زندگی، اللہ و رسول کی اطاعت کاملہ، ان کی تعلیمات پر عمل، ان کے لئے دل و جان کی بازی لگا دینے کا آئینہ دار ہے، مگر اب یہ باتیں غفلت و نادانی اور بے عملی کی نذر ہو رہی ہیں۔

گویا کہ اسلام کی حیثیت ایک نظریاتی فیشن یا دینی فلسفہ کی ہو گئی جو اسلام کو ایک پیچیدہ فلسفیانہ رنگ میں پیش کرتا ہے اور اس کو بھی عام رسوم و عادات کے درجہ میں لا کھڑا کرتا ہے، چہ جائیکہ اس سے ایمان کی حقیقت اور عمل صالح کی واقعیت کا علم حاصل کیا جائے اور جو انسانی زندگی کو پاک و طہارت، عفت و پاکدامنی کے زیور سے آراستہ کرے، اور مسلمانوں کے لئے حقیقی و دائمی سعادت کا راستہ ہموار کرنے کی کوشش ہو، اس لئے کہ ہر انسان اس کا خواہشمند نظر آتا ہے، خواہ اس کا دین و ایمان، انکی سیرت و زندگی اور اس کا نظریہ کیسا ہی ہو، بلاشبہ سعادت انسانیت کی گمشدہ متاع ہے، اس کے گم ہو جانے سے وہ ہر قسم کی لذت و راحت، سکون و اطمینان، انفرادی ہو یا اجتماعی، سے محروم ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”من عمل صالحا من ذکر أو أنسیٰ و هو مؤمن فلنحییہ حیة طیبة ولنجزینہم أجرہم بأحسن ما کانوا یعملون“۔ (نحل: ۹۷)

جس نے نیک عمل کیا ایمان کی حالت میں، مرد ہو یا عورت تو ہم اس کو ضرور پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور اس کو اس کے عمل کے بدلے میں بہتر اجر دیں گے۔

جو لوگ آج اپنے نفع کی خاطر لفظ ”اسلام“ کے کلمہ کا ناجائز استعمال کرتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہیں ان میں کوئی دینی اور ایمانی شعور اور عملی زندگی نہیں پائی جاتی، جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ کسی اور کو نہیں، بلکہ خود اپنے آپ کو، اپنی قوم کو، اپنی جماعت اور اپنے ملک و حکومت کے مفاد کو نقصان پہنچاتے ہیں، بھلا وہ دین اسلام، اور اس کے زندہ جاوید و لافانی پیغام کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں جس کی حفاظت و ترقی، قوت و عظمت اور ہمہ گیری کی ذمہ داری ہر طرح کے مکروفریب کے باوجود اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے۔

اسلام خالص ایسی دعوت ہے جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے خاتم النبیین کے واسطے سے

اس آخری امت کو عطا فرمایا اور اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو تاریکی سے روشنی میں لاکھڑا کرے، باطل سے حق کی راہ دکھلائے، بدبختی و شقاوت کے سمندر سے نکال کر سعادت و خوش بختی کے ساحل پر پہنچا دے، لہذا یہ گوش گزار ہے کہ ہر وہ شخص جو اسلام کو اپنی انسانی خواہشات، اپنے مصالح و مفاد کے حصول کا ذریعہ بنائے گا اس کا شمار شیطانوں کے ہمنواؤں اور اس کے دوستوں میں ہوگا اور پھر یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ یہودی یا نصرانی، کمیونسٹ یا مارکسی ہو کر مرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قل هل ننبئكم بالأخسرين أعمالاً، الذين ضل سعيهم في الحياة الدنيا، وهم يحسبون أنهم يحسنون صنعا، أولئك الذين كفروا بآيات ربهم ولقاءه فحبطت أعمالهم، فلا نقيم لهم يوم القيامة وزناً، ذلك جزاؤهم جهنم بما كفروا، واتخذوا آياتي ورسلي هزواً. (کہف ۱۰۳، ۱۰۶)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم ان لوگوں کا پتہ بتائیں جو اعمال کے لحاظ سے بالکل ہی گھائٹے میں ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری کوششیں دنیا ہی کی زندگی میں صرف (غارت) ہو کر رہیں، اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ وہ بڑے اچھے کام کر رہے ہیں، یہ تو وہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی نشانیوں اور اس کے سامنے حاضری کا انکار کرتے ہیں، سو ان کے سارے کام غارت ہو گئے، سو ہم قیامت کے دن ان کے اعمال کا ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے۔ ان کی سزا وہی ہے یعنی دوزخ، اس سبب سے کہ انہوں نے کفر کیا تھا اور میری نشانیوں اور میرے پیغمبروں کی ہنسی اڑائی تھی۔





## اسلام سے بیزاری کیوں؟

### اسلام غلط فہمیوں کے سائے میں

آج کل کچھ لوگ محض اس بنا پر اسلام سے نفرت کرتے ہیں کہ انہیں اسلام کو اپنانے میں اپنا اقتدار اور بالادستی، اپنے مادی اغراض اور ذاتی مفادات کو خطرہ محسوس ہوتا ہے، حالانکہ یہ خیال نہایت ہی غلط ہے، اور یہ لوگ سخت دھوکہ میں ہیں، اسلام ہرگز ہرگز انسانی حقوق پر ظلم نہیں کرتا اور نہ اسکی صلاحیتوں پر کوئی بند لگاتا ہے، اسلام ہر انسان کو اس کا پورا پورا حق دیتا ہے، اس کے مقام و مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے توازن و اعتدال کے ساتھ اخلاقی اور اجتماعی تعلیمات کی روشنی میں اسے اس کا حق فراہم کرتا ہے، اسلام ان خود ساختہ نظاموں اور انسانی قوانین سے بالکل مختلف ہے، کچھ لوگ انسان کی طاقت اور اس کی زندگی کا نہایت غلط استعمال کرتے ہیں، اور اس کا اس قدر استحصال کرتے ہیں کہ وہ مصیبت زدہ رہ کر دنیا سے چلا جاتا ہے، لیکن آقاؤں کے گھروں میں دولت کے چشمے بہہ رہے ہوتے ہیں، جس نظام میں کسی مخصوص طبقہ کے ایک فرد کو حکمرانی سونپ دی جاتی ہے اور اسے پورا اختیار فراہم کر دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی خواہش اور مرضی لوگوں پر تھوپتا رہے، خواہ وہ منتخب حاکم، بدنام زمانہ ہی کیوں نہ ہو اور اپنے سیاہ کارناموں کے ساتھ شہرت رکھتا ہو، وہ نہایت بے باکی کے ساتھ ملک کی ساری دولت کے دہانے اپنی خواہش کی جانب پھیر لیتا ہے، اور دلچسپ بات تو یہ ہے کہ یہ سب جمہوریت کے خوشنام سے کیا جاتا ہے۔

یہ دور حاضر کی جمہوریتیں، آمریتیں اور سیکولر ازم کیا ہیں؟ قدرت سے بغاوت کرنے والے انسانی گھر وندے، جن کا انجام بالآخر تباہی ہے، جو ایسے ڈھانچے ہیں جن کا ظاہر تو خوشنام

لیکن اندرون چنگیز سے تاریک تر، ان تمام انسانی نظاموں کے دوزخ نہایت ہی خوشنما، روشن اور چمکدار ہوتے ہیں، سادہ لوح عوام اور بھولے بھالے انسان ان ظاہری چمک دمک کو دیکھ کر فریب کھا جاتے ہیں اور اس کے گردیدہ وحامی بن جاتے ہیں۔ دوسرا رخ نہایت بد نما اور تاریک ہوتا ہے، اس پر ظاہر داریوں کا پردہ پڑا ہوتا ہے، اور خفیہ مواقع پر وہ اپنا کام کرتا ہے، یہ دوسرا رخ ہی اس کا حقیقی چہرہ ہے، اسی کے ارادوں کا وہ پابند ہوتا ہے، یہ چہرہ کیسا ہے؟ ناجائز نفع اندوزی کا چہرہ، ظلم کا چہرہ اور ہر قسم کے جرم کا چہرہ، لیکن یہ چہرہ نمایاں نہیں ہوتا، لوگ اس چہرہ سے واقف نہیں ہو پاتے اور بیشتر اوقات تو اس کی شناخت بھی مشکل ہوتی ہے۔

اسلام اس موقع پر سامنے آتا ہے، اس بد نما، تاریک اور مجرمانہ چہرہ سے نقاب اٹھا دیتا ہے، پھر دنیا دیکھ لیتی ہے کہ اس چہرہ کا کیا حال ہے، اس پر انسانیت، ناجائز کمائی اور نفع اندوزی و جرائم کے کتنے داغ لگے ہوئے ہیں، اسلام انسان کی حقیقی تصویر اور اس کا اصلی روپ نظروں کے سامنے پیش کر دیتا ہے، وہ اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تو وہ مقام بلند عطا کیا ہے جس میں کوئی دوسری مخلوق اس کی شریک نہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا“۔ (بنی اسرائیل: ۷۰)

**ترجمہ:** یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی، اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔

اسلام تمام انسانوں کو ایک صف میں کھڑا کرتا ہے اور ان کے دلوں میں یہ حقیقت نقش کر دیتا ہے کہ ساری انسانیت ایک آدم کی اولاد ہے، اور حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت مٹی سے ہوئی تھی، یہ حقیقت بھی ان کے دلوں میں بٹھا دیتا ہے کہ فضیلت و برتری کا معیار صرف تقویٰ ہے، اگر تقویٰ اور خدا کا خوف کسی کے مرتبہ کو اونچا کرنے کا ذریعہ نہ بن سکے تو پھر کسی عربی کو عجی پر یا عجی کو عربی پر، اسی طرح کسی کا لے کو گورے پر یا کسی گورے کو کالے پر کسی قسم کی فوقیت حاصل نہیں، خدائے ذوالجلال نے اپنی لافانی کتاب مقدس میں یہ حقیقت واضح گف کر دی ہے، فرمایا: ”یا ایہا

الناس إنا خلقناكم من ذكر وأنثى وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا إنا أكرمكم عند الله أتقاكم إن الله عليم خبير“۔ (حجرات: ۱۳)

**ترجمہ:** اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے، اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے اور قبیلے بنادئے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو، یقیناً مانو کہ اللہ داننا اور باخبر ہے۔

اس اسلامی مساوات کے نتیجے میں جب تمام انسان ایک مقام و مرتبہ پر کھڑے نظر آتے ہیں اور معیار فضیلت محض تقویٰ قرار پا جاتا ہے تو اسلام ہر فرد و بشر کو عقیدہ و کردار کی بنیاد پر اپنی سیرت کی تعمیر کے مکمل مواقع فراہم کرتا ہے، اور یہی نہیں بلکہ اپنی قبائے کردار کو آراستہ کرنے کے لئے فضائل و محاسن کے زریں تکے بھی مہیا کرتا ہے، اور اس سیرت کو داغدار بنا دینے والی چھوٹی بڑی تمام چیزوں سے متنبہ کر دیتا ہے، قرآن حکیم اس قیمتی ہدایت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے ”وما آتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا“ (حشر: ۷)

**ترجمہ:** اور تمہیں جو کچھ رسول وے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ۔

گویا اسلام نے پیغمبر اسلام کی مبارک زندگی کی صورت میں ایک مکمل آئینہ ذیل فراہم کر دیا ہے، آپ کی جامع حیات طیبہ کے ہر گوشہ میں رہنمائیاں بکھری ہوئی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، اخلاق، اعمال و اقوال، ارشادات اور احکامات غرض مختلف سورتوں میں نہایت وضاحت اور تفصیل کے ساتھ تعلیمات و ہدایات دی گئی ہیں، قرآن کا ارشاد ہے: ”لقد کان لکم فی رسول اللہ أسوة حسنة لمن کان یرجو اللہ والیوم الآخر و ذکر اللہ کثیرا“ (احزاب: ۲۱)

**ترجمہ:** یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ کی یاد کرتا ہے۔

اس پاکیزہ سیرت کے سانچے میں ڈھلنے اور اس اسوہ و نمونہ کو زندگی کے ہر گوشہ میں اپنا لینے کے بعد چکی کامیابی اور سعادت یقینی ہے، اس نمونہ زندگی اور پیکر حیات کے سامنے آنے کے بعد کوئی بھی

انسان اسلام سے نفرت نہیں کر سکتا، اس کے حاشیہ خیال میں بھی اسلام بیزاری کا کوئی نقش نہیں ابھرے گا، کیونکہ اسلام کی یہ عملی تصویر اور اس کا سچا روپ انسانی فطرت کی متاع گمشدہ ہے، انسان اپنی طبیعت و فطرت کے عین تقاضوں کو پا کر ایک کیف و لذت محسوس کرتا ہے، ایک روحانی سرور جس کا اظہار الفاظ میں نہیں کیا جاسکتا، اس جو ہر نایاب کو پالینے کے بعد کیوں کسی انسان کو کوئی ڈر اور خوف محسوس ہوگا اور کیوں اسے دور رخ پن اختیار کرنے کی ضرورت پیش آئے گی، وہ منافقانہ رویہ کہ موقع و منفعت کے لحاظ سے ایک چہرہ کو ظاہر کرے اور دوسرے کو چھپالے، اسے چند کھٹکھٹانے سکے اور عہدہ و کرسی اپنا اسیر نہیں بناتا، وہ اپنی معمولی اغراض کی خاطر جمہوریت، اشتراکیت اور سیکولر ازم کے جھوٹے نعروں کے ہتھیار استعمال کرنے کی کوئی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

واقعہ ہے کہ اسلام کے سایہ تلے انسان کو سکون و مسرت اور قلبی شادمانی کی عجیب اور عظیم دولت نصیب ہوتی ہے، ایک اندرونی فرحت و اطمینان اسے بے خود کئے رہتا ہے، اس کے شب و روز اسن و عافیت کے سائے میں بسر ہوتے ہیں، ان خوشیوں میں نہال ہو کر وہ عہدہ و کرسی اور مال و دولت کو بھلا دیتا ہے، بلکہ اگر یہ چیزیں اس کے قدموں پر آ کر گر گئی ہیں تو وہ انہیں کمال بے نیازی سے ٹھکرا دیتا ہے، زندگی کی الجھنوں میں الجھ کر وہ اپنی پرسکون زندگی کی مسرتوں کو بے مزہ نہیں کرنا چاہتا، اگر کچھ قبول کرتا بھی ہے تو محض رب کو خوش کرنے اور ضمیر مطمئن کرنے کی خاطر، اپنی دینی اور ایمانی ذمہ داریوں کو انجام دینے کی غرض سے اور اپنے فرائض کو ادا کرنے کے مقصد سے۔ اے کاش! آج لوگوں نے ان تعلیمات اور ان بے مثال ہدایات کی روشنی میں اسلام کو سمجھا ہوتا، اسلام کے خلاف پھیلانے جانے والے جھوٹے پروپیگنڈوں، افواہوں اور بے جا خوف کے دبیز پردوں کو اپنے ذہن و دماغ سے نوچ کر پھینک دیا، ہوتا اور پھر بصیرت کی بے داغ روشنی میں وہ حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرتے۔





## داخلی دشمن، خارجی دشمن سے زیادہ خطرناک

عموماً انسان کی یہ عادت اور خصلت رہی ہے کہ وہ اپنے دشمن کو اپنے وجود سے باہر کی دنیا میں تلاش کرتا ہے اور اسے اپنے اندرون میں موجود اور اپنے سر پر سوار رہنے والا خطرناک دشمن نظر نہیں آتا۔ یقیناً شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً، وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ، إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ.** (بقرہ: ۱۶۸)

**ترجمہ:** اے ایمان والو! اسلام میں سارے کے سارے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، کیونکہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

”إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُبِينٌ“۔ (یوسف: ۵)

**ترجمہ:** شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے۔

چونکہ شیطان غیر مرمی مخلوق ہے، اسلئے حقیقتاً اس کا کوئی ظاہری اور محسوس وجود نہیں ہے، بلکہ وہ تو اس قدر لطیف ہے کہ انسان کے خون میں دوڑتا ہے اور اس کے ہر طرح کے برے اعمال کو بنا سنوار کر اس کے سامنے پیش کرتا ہے، اور کفر و شرک اور آداب انسانی کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے پر آمادہ کرتا ہے، جب بے چارہ انسان اس کے حکم کا اتباع کر لیتا ہے اور گناہوں و منکرات میں گرفتار ہو جاتا ہے تو وہی شیطان انسان سے دستبردار ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تم سے بری الذمہ ہوں، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں، ارشاد باری ہے: **كَمْ مَثَلُ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ، فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِنْكَ، إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ**

العالمین۔ (حشر: ۱۶)

**ترجمہ:** شیطان کی طرح کہ اس نے انسان سے کہا کہ کفر کر، جب وہ کفر کر چکا تو کہنے لگائیں تو تجھ سے بری ہوں، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان تو انسان کے رگ و ریشہ میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ (بخاری: ۲۵۳۵)

بس یہی ہے معاملہ ابلیس کا انسان کے ساتھ جو اسے نافرمانیوں پر ابھارتا ہے، مال و زر اور جاہ و منصب کا لالچ دلاتا ہے، پھر انھیں جادۂ حق سے پھسلا دیتا ہے اور جب وہ اس کی دسیسہ کاریوں اور پرفریب وعدوں پر اعتماد کر بیٹھتا ہے تو اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے۔ یہی چیز اس میں صبر و ثبات، ایمان و یقین اور صراطِ مستقیم اختیار کرنے کے خلاف شدید ردِ عمل پیدا کر دیتی ہے، ایسے موقع پر وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ جانوروں جیسی عادتوں کو اختیار کر لے، چنانچہ وہ جانوروں کی طرح کھاتا پیتا ہے، شیطانوں کی مانند خوشی سے اتراتا پھرتا ہے اور ان کفار و مشرکین کی طرح گدلے پانی میں اللہ کے بندوں کا شکار کرتا ہے جنھوں نے ان پر زمین کو تنگ کر دیا تھا اور انسانی قدروں کو یکسر فراموش کر کے ہر طرح کے کذب و افتراء کے تیروں سے ان کو نشانہ بنایا تھا، یہاں تک کہ ان کا انجام بہت برا ہوا اور ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول منطبق ہوتا ہے:

لہم قلوب لا یفقیہون بہا، ولہم أعین لا یبصرون بہا، ولہم آذان لا یسمعون بہا، أولئک کالأنعام بل هم اضل، أولئک هم الغافلون۔ (أعراف: ۱۷۹)

**ترجمہ:** ان کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے، اور ان کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے، اور ان کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، یہی لوگ غافل ہیں۔

بنی نوع انسان کی اس جماعت پر، جو تاریخ کے ہر دور میں رہی ہے، ساتویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم اور عارف باللہ شیخ جلال الدین رومی کا یہ مقولہ صادق آتا ہے جو انھوں نے پستی

میں جاگرے انسان کے تعلق سے فرمایا تھا: ”وہ انسانوں کی سی شکل و شباهت رکھنے والے ہیں، وہ انسان نہیں بلکہ نفس کے غلام اور شہوتوں کے پجاری ہیں، وہ شکم سیری، سیرابی اور شہوت جیسی بہیمانہ خصلت کے رسیا ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن پر روٹی کی حکمرانی چلتی ہے اور شہوتوں نے ان کے ضمیر کو مردہ کر دیا ہے۔“

مولانا رومی نے اپنے دیوان میں اسی تعلق سے ایک لطیف واقعہ نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ”گذشتہ رات میں نے ایک عمر دراز شخص کو مشعل لئے شہر کا چکر لگاتے ہوئے دیکھا، جیسے اسے کسی چیز کی تلاش ہو، میں نے دریافت کیا: جناب والا! آپ کیا ڈھونڈ رہے ہیں؟ اس نے کہا: میں درندوں اور چوپایوں کی زندگی سے اکتا گیا ہوں اور بالکل تنگ آچکا ہوں، میں ایک عظیم انسان اور جری و دلیر شیر کی تلاش میں نکلا ہوں، میرا دل ان کالوں اور بونوں سے تنگ آ گیا ہے جنہیں میں اپنے ارد گرد پاتا ہوں، میں نے کہا: جس کو آپ تلاش کر رہے ہیں اسے پانا مشکل ہے، کیونکہ میں نے خود اسے ایک عرصہ تک تلاش کیا لیکن کامیاب نہ ہو سکا، اس نے کہا: میں ایسی ہی چیز کے تلاش کرنے کا شیدائی ہوں جو آسانی سے حاصل نہ ہوتی ہو۔“

اس واقعہ سے اگر ساتویں صدی ہجری کی انسانی صورتحال کی تصویر کشی ہوتی ہے تو پندرہویں صدی ہجری کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، جبکہ انسان نے اخلاقی قدروں کو فراموش کر دیا ہے اور شیطان اپنی تمام تر فریب کاریوں کے ساتھ اس کے دل و دماغ پر چھا گیا ہے، اور خیر و بھلائی، اطاعت و فرمانبرداری اور احسان شناسی کے ان تمام راستوں کو بند کر دیا ہے جن سے اسلام نے ہم کو روشناس کرایا اور ہمیں فکری آلودگیوں اور اخلاقی بیماریوں سے نکالا، اور ہمیں ان لوگوں کی صف میں لاکھڑا کیا، جنہوں نے ایمان و عقیدہ اور اطاعت و فرمانبرداری کی ایک عمدہ مثال قائم کی، اور عالم انسانیت کو زندگی کے انسانی طریقہ سے نوازا اور ان کو احترام نفس، سعادت انسانیت اور اس عظیم الشان امانت کے اعلیٰ مقاصد کی ایک نئی دنیا تشکیل دینے کی توفیق ملی، جس کو اللہ نے آسمان و زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا لیکن انھوں نے اس کی عظمت کی وجہ سے یہ ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا اور معذرت پیش کر دی، انسان ہی اس امانت کو

اٹھانے کا زیادہ سزاوار تھا، لہذا اس نے اللہ تعالیٰ کے محض ایک اشارہ پر اس امانت کی ذمہ داری کو اپنے سر لے لیا اور اس کی وجہ سے مستقبل سے غافل اور انجام سے بے خبر رہا، گویا وہ اس ذمہ داری کی عظمت سے ناواقف تھا اور اسے قبول کر کے اس نے خود پر ظلم کیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ، فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا، وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ، إِنَّهُ كَاظِمًا جَهُولًا**۔ (احزاب: ۷۲)

**ترجمہ:** ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں پر، زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا، لیکن سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے، مگر انسان نے اسے اٹھا لیا، وہ بڑا ہی ظالم و جاہل ہے۔

یہیں سے دو قسم کے انسانوں کی تصویر نظر آتی ہے، ایک شخص وہ ہے جو اپنے اندر کے دشمن کی پرورش کرتا ہے، اسے اچھی غذا فراہم کرتا ہے، توانا و طاقت ور بناتا ہے، اور اسے اس کا احساس تک نہیں ہوتا کہ اس کا دشمن خود اس کے اندر جاگزیں ہے جہاں سے وہ اس کے تمام اعصاب پر غالب آجاتا ہے۔ لہذا اس سے صادر ہونے والا ہر عمل اسی دشمن کے وسوسہ کا نتیجہ ہوا کرتا ہے، اور دوسرا شخص وہ ہے جو جانتا ہے کہ شیطان کو اپنی سرگرمیوں میں بڑی چابکدستی اور مہارت حاصل ہے، وہی بنیادی فرائض اور اسلام کی مقرر کردہ حدود و قیود کی پامالی کے راستہ کو ہموار کرتا ہے، اس کا نتیجہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی، اکرام مسلم سے لاپرواہی، حقوق کی پامالی کی شکل میں نظر آتا ہے اور انسان کو ہر طرح کی برائی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جس سے انسان کا راستہ ایمان و عقیدہ، طاعت و فرمانبرداری اور خیر و بھلائی کے مقابلہ میں خواہشات نفس سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے، لہذا لوگ اس کے شرور و فتن سے محفوظ نہیں رہتے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **حقیقی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اور حقیقی مہاجر وہ ہے جو منہیات سے گریزاں رہے، اور فرمایا: جو دنیا میں دورِ خاہوگا، قیامت میں اس کی آگ کی دوزبانیں ہوں گی، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک نحیم و شمیم آدمی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزر ہوا، آپ نے فرمایا کہ یہ انہیں میں ہے، اور ایک دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے: منافق کی تین علامتیں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، اور جب وعدہ کرے**

تو وعدہ خلافی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، مزید ایک چوتھی علامت ہے کہ جب جھگڑا کرے تو گالی دے۔

مسلمانوں کی زندگی اور معاشرہ کا سرسری طور پر جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ کن برائیوں، بغض و حسد اور دوسرے کے حقوق سے غفلت کی حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں، یہ صرف عوام کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہمارے اصحاب علم و فضل اور ان جماعتوں کے کارکنان بھی اس کی زد میں ہیں جو خود کو دعوت و ارشاد اور اللہ کے راستہ کا سپاہی تصور کرتے ہیں، اس بیماری کے نتیجہ میں ان کے اندر بہت سے اخلاقی امراض پیدا ہو گئے ہیں، آج مسلمان جس اختلاف و عداوت اور گروہ بندی کا شکار ہیں وہی بہت ہے، لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ایمانی اخوت بھی باقی نہیں رہی، ہر شخص ایک دوسرے سے بلا کسی شرعی جواز کے محض بغض و حسد کی بنیاد پر اختلاف کرتا ہے اور یہ اختلاف اتنا شدید ہوتا ہے کہ پہلے تو رنجش اور کشاکش کا باعث بنتا ہے پھر دونوں کے درمیان ایک گہری خلیج پیدا کر دیتا ہے اور یہ تفریق آخری درجہ کو پہنچ جاتی ہے اور لامتناہی امراض کو جنم دیتی ہے اور ہمارے معاشرہ میں یہ سب کچھ پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے امت مسلمہ کو آج طرح طرح کی ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

ہماری بڑی تمنا ہے کہ مسلمانوں کے خواص کے درمیان ایک پختہ اور مضبوط وحدت پیدا ہو جائے، پھر اس کا اثر عام مسلمانوں کی طرف منتقل ہو، اس کے بعد ان لوگوں تک پہنچے جو اسلام کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور صورتحال کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم اپنے تمام اقوال و افعال کا ایک بلند و بہترین نمونہ پیش کریں جسے دیکھنے کے لئے لوگ بے صبری سے انتظار کر رہے ہیں: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ، كَبِيرٌ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ (صف: ۳)**

**ترجمہ:** اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں، اور تم جو کرتے نہیں، اس کا کہنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔

طبقہ خواص میں بعض ایسے بھی ہیں جن کی اخلاقی تربیت نہیں ہو سکی، اور جنہیں دینی تعلیم کا

وافر حصہ نہیں ملا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی پرورش اور نشوونما آزادانہ طور پر ہوئی اور اخلاقی قدروں میں پختگی حاصل نہ ہو سکی اور زندگی میں ایک مسلمان کی ذمہ داریوں کو وہ نہ سمجھ سکے، لہذا یہ طبقہ بلا کسی وجہ جواز کے غیظ و غضب کی آگ میں جل رہا ہے، اسلامی آداب و اخلاق پر مشتمل ہے اور اعلیٰ اقدار و روایات کو ملیا میٹ کر رہا ہے اور معاشرہ میں فساد کا باعث اور اس کا تخریبی عنصر بن گیا ہے جیسا کہ بہت سی جگہوں پر دیکھا جا رہا ہے کہ وہاں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے والا کوئی عمل نہیں ہوتا، درحقیقت ان کے ضمیر مرچکے ہیں یا انھوں نے چند سکوں اور ٹھیکروں کے عوض اسے بیچ دیا ہے اور آخرت کی فکر اور اللہ کے سامنے حساب و کتاب کا تصور ان کے دلوں سے ختم ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَهُمْ يَحْسِبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (کہف: ۱۰۳) وہ سمجھتے ہیں کہ بہت اچھا کر رہے ہیں اور فرمایا: وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةً فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ (أنفال: ۷۳) کافر آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ملک میں فتنہ ہوگا اور زبردست فساد برپا ہو جائے گا۔

تو کیا اس مہلک مرض کا کوئی علاج ہے یا پھر اسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے کہ پورا انسانی معاشرہ اس کا شکار ہو جائے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَى فَبَرَّاهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا (احزاب: ۶۹) اے ایمان والو! ان لوگوں جیسے نہ بن جاؤ جنھوں نے موسیٰ کو تکلیف دی، پس جو بات انہوں نے کہی تھی (یعنی جو عیب نکالا تھا) اللہ نے انہیں اس سے بری فرما دیا اور وہ اللہ کے نزدیک باعزت تھے۔

\* \* \*

## کیا بھولے، کیا یاد رکھا، اخلاقی قدروں سے؟

انسانی زندگی کا امتیاز دراصل ان اخلاقی قدروں سے ہے جن کی بدولت انسان کو اشرف المخلوقات کے خطاب سے نوازا گیا اور فرشتوں کے مقابل میں بھی اسے عالی مقام بنایا گیا، آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنی زندگی کو اخلاق کے بے مثال جوہر سے الگ کر دیجئے اور دیکھئے کہ آپ میں اور عام جانور میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے، فرض کیجئے کہ آپ لوگوں کی عزت پر حملہ کرنے لگیں اور ان کے جان و مال کے لئے خطرہ بن جائیں اور لوگ آپ سے ڈرنے اور دور بھاگنے لگیں تو آپ کو دنیا کن الفاظ سے یاد کرے گی۔ اور آپ میں اور ایک بلند اخلاق انسان میں کیا نسبت باقی رہ جائے گی۔

اخلاقی قدروں ہی کے طفیل انسان ایک عظیم شخصیت بنتا ہے اور عظمت و بلندی کا تاج اس کے سر پر جلوہ آرا ہوتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ جس ذات نے انسان کو پیدا کیا ہے، اسی نے اخلاقی قدروں کو بھی انسانیت کی سر بلندی کا زیور بنا کر نازل کیا ہے اور انسان روز اول سے اخلاقی قدروں کے ساتھ وابستہ ہے اور دونوں میں لازم و ملزوم کا رشتہ ہے، نبی اسلام کا امتیازی وصف سب سے بڑی آسمانی کتاب قرآن میں بتایا گیا ہے کہ **وَإِنكَ لَعَلَىٰ خَلْقٍ عَظِيمٍ (قلم: ۴)** **تو جہمہ: اے نبی! آپ اخلاق کے عظیم الشان مرتبہ پر فائز ہیں۔**

انسان پر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ اپنے مقام سے واقف نہیں تھا، اخلاق کی روشنی سے وہ محروم تھا، اس میں اور جنگل کے درندوں میں کوئی فرق نہ تھا، طاقتور انسان کمزور انسان کا خون بہاتا تھا، انکی جان، اس کا مال ہر چیز کی وہ بے حرمتی کرتا تھا، بالکل اسی طرح جس طرح جنگل کا بڑا جانور

چھوٹے کو کھا جاتا ہے اور طاقتور کمزور کو دبا دیتا اور مار ڈالتا ہے، لیکن زندگی کا یہ طریقہ بالکل غیر فطری تھا اور زیادہ دنوں تک اس کا برقرار رہنا قانون فطرت کے خلاف تھا۔

یہیں سے اخلاقی قدروں کا دور شروع ہوا، انسان کی عظمت دوبالا ہوئی، انسانیت کو سربلندی نصیب ہوئی، اور چھوٹے کے ساتھ بڑے کو شفقت کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا، چھوٹے کو بڑے کے ساتھ عزت و تعظیم کا معاملہ کرنے کو کہا گیا، انسانوں کے باہمی حقوق کا تعین کیا گیا، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے الگ الگ حقوق بتائے گئے، والدین کے حقوق اولاد پر اور اولاد کے حقوق والدین پر، بیوی کا شوہر پر اور شوہر کا بیوی پر، پڑوسی کے حقوق پڑوسی پر، دوست کا حق دوست پر، گھر کے اندر کی زندگی میں حقوق کی حدیں مقرر ہوئیں، باہر کی زندگی میں معاملات کی تفصیلات واضح کی گئیں، اسی کے ساتھ زبان کی برائیوں، دل کی بدگمانیوں، نظر کی کوتاہیوں اور دورنگی کی مصیبتوں سے آشنا کیا گیا، جھوٹ، غیبت، حسد، بدگمانی، دل کے کھوٹ اور دوسروں کو حقیر سمجھنے اور غرور و گھمنڈ کی نعمتوں سے روکا گیا۔

نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال تک محنت کرنے اور زندگی و سماج کی برائیوں کا خاتمہ کر دینے کے بعد ایک نمونہ کی سوسائٹی قائم فرما کر دنیا کو اخلاقی قدروں کی اہمیت سے آشنا کر دیا تھا، لیکن انہوں نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو عظیم الشان تقریر فرمائی اس میں بار بار ان اخلاقی قدروں پر کاربند رہنے اور ان کو زندگی میں نافذ کرنے پر زور دیا ہے۔

”اے لوگو! جس طرح آج کے دن کی، اس مہینہ اور اس شہر کی عزت کرتے ہو اسی طرح ایک دوسرے کے جان و مال کی عزت کرو اور اس کو اپنے اوپر حرام سمجھو، دوسروں پر ظلم نہ کرو، خبردار! میرے بعد تم لوگ سچائی کے راستے سے بھٹک نہ جانا، آپس میں خون خرابہ نہ کرنا، عورتوں کے ساتھ شفقت و نرمی سے پیش آنا، غلاموں سے اچھا سلوک کرنا، غذا و لباس میں ان کے ساتھ کسی قسم کی تفریق نہ برتنا، ان سے کوئی غلطی ہو جائے تو معاف کر دینا، اے لوگو! جو کام کرو، سچے دل سے کرو، آپس میں خیر خواہی کا جذبہ رکھو، اور ایکٹا و اتحاد کی راہ سے ہرگز نہ بھٹکو۔“

دیکھنے میں تو یہ ایک مختصر سی نصیحت ہے، لیکن اس میں اخلاقی تعلیمات کا ایک سمندر موجزن



ہے اور دنیا نے بارہا تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے کہ ان اخلاقی تعلیمات میں زندگی کی خوشیوں، اور دنیا میں امن و خوشحالی کا راز مضمر ہے، جب بھی انسانوں نے ان تعلیمات کو سینے سے لگایا اور اندر و باہر کی زندگی میں، انفرادی اور اجتماعی میدانوں میں ان پر عمل درآمد شروع ہوا تو انسانی معاشرہ امن و خوشحالی کی نعمتوں سے سرفراز ہوا، آدم کی اولاد نے سکون و مسرت کی عظیم وسعتوں میں زندگی بسر کی، اور دنیا کو جنت نشان بنایا۔

اخلاقی قدریں جب بھی انسانی زندگی پر اثر انداز ہوئیں اور انسانوں نے اخلاقی اصولوں کو اغراض اور ذاتی مفاد پر مقدم رکھا، اس وقت ایک نمونے کا معاشرہ وجود میں آیا، یا کم از کم اس معاشرہ کے افراد کو زندگی میں امن و استحکام نصیب ہوا، اگر آج کے معاشرے میں بھی ہم اپنے آپ کو بھول کر دوسروں کو یاد رکھیں، یا بالفاظ دیگر کچھ باتوں کو بھول کر کچھ باتوں کو یاد رکھیں تو بڑی حد تک معاشرہ اصلاح پذیر ہو سکتا ہے اور زندگی میں بے چینی اور بے یقینی کی کیفیت کا ازالہ ہو سکتا ہے۔

اگر ہم بھول جائیں کہ ہمارا حق دوسروں پر کتنا ہے اور ہم کس حد تک دوسروں کے احترام و تعظیم کے مستحق ہیں، اور ہمیں یہ یاد رہے کہ دوسروں کے کتنے حقوق ہمارے اوپر عائد ہوتے ہیں تو نمونے کی سوسائٹی قائم کرنے میں ہم بہت بڑا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

عمر کی بڑائی، علم و فضل کی بلندی، آباء و اجداد کی عزت اور خاندان کی عظمت و اہمیت کو بھول کر اگر ہم یاد رکھیں کہ تکبر انسان کو ذلیل کرتا ہے، خاندان اور اپنے بزرگوں کی عظمت پر بھروسہ کرنے والا انسان کبھی کامیابی کی منزل تک نہیں پہنچ پاتا، تو سماج کی اکثر برائیوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے، اسی طرح اگر ہم یہ بھول جائیں کہ ہم بہت کچھ ہیں اور یہ یاد رکھیں کہ ہم کچھ نہیں تھے تو بہت سی انفرادی اور اجتماعی خرابیاں معاشرہ کے اندر سے دور ہو سکتی ہیں۔

ہم کو یاد رکھنا چاہئے کہ حسد ایک لعنت ہے، ظلم ایک گھناؤنی شکل ہے، طاقت اور برتری کا ہمہ دم احساس اور غیبت معاشرہ کا سب سے بڑا روگ ہے، اسی کے ساتھ ہم کو ان برائیوں کے ختم کرنے کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری کو بھی یاد رکھنا چاہئے، تاکہ ظلم کو ہر قیمت پر روک سکیں، جھوٹ پر ہر حال میں پابندی لگا سکیں، حسد، غیبت، بدزبانی، سخت خوئی، اور دورنگی کی پالیسی کو

ہر طرح سے مٹا سکیں۔

ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ پڑوسی کا ہمارے اوپر کیا حق ہے، اگر وہ کمزور ہے تو اسے تقویت پہنچانے کے لئے ہم کو کس طرح کے کردار کا مظاہرہ کرنا ہوگا، اگر وہ غریب ہے تو اسکی کس طرح مدد کرنی ہوگی، اگر وہ بیمار ہے تو ہم کو اس کی کتنی فکر کی ضرورت ہوگی، اگر وہ مصیبت زدہ ہے تو اسکی مصیبت میں کس طرح ہاتھ بٹانا ہوگا اور اگر وہ طاقتور اور مالدار ہے تو ہمیں کس طرح اس سے معاملہ کرنا ضروری ہوگا، اسی طرح ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ اپنی ذاتی مصروفیات اور مادی مشاغل سے وقت نکال کر ہم اپنے خدا کی طرف بھی متوجہ ہوں اور اس کے حقوق ادا کرنے کے لئے اپنی جان اور اپنے مال کی کسی حد تک قربانی دیں، ہمیں نہ بھولنا چاہئے کہ اس کی دی ہوئی دولت میں اس کے کمزور اور غریب بندوں کا بھی حق ہے اور اس کی بخشی ہوئی صحت و طاقت سے کمزوروں کو سہارا دینے اور اس کی راہ میں کچھ تھکنے اور وقت نکالنے کی بھی ذمہ داری ہم پر ہے۔

اگر حقیقت میں نظروں سے آج کے بگڑے ہوئے معاشرہ کا جائزہ لیا جائے تو اس بگاڑ کا اصل سبب ہم کو یہی نظر آئے گا کہ اخلاقیات کے فطری عمل کو ہم نے روک دیا ہے، اور ان قدروں کو جو زندگی کو امن و خوشحالی کی ضمانت دیتی ہیں، ہم نے ان کو اغراض اور نفع اندوزی کے محدود دائرے میں محصور کر دیا ہے، جہاں ہماری اپنی غرض ہو اور اپنا مفاد پیش نظر ہو وہاں ہم دوسروں کو ان اخلاقی قدروں کا سختی سے پابند دیکھنا چاہتے ہیں، اور جب دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے ان پر خود عمل درآمد کا وقت آئے تو ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم کہاں تک حسنِ اخلاق کے پابند ہیں اور زندگی میں کس حد تک اخلاقی قدروں کو نافذ کرتے ہیں۔



## کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت

امتِ اسلامیہ آج جس نازک دور سے گزر رہی ہے وہ اس امت کی تاریخ میں بہت اہم اور تشویشناک مرحلہ ہے، مسلمان جہاں بھی پائے جاتے ہیں خواہ وہ عالمِ اسلام ہو یا غیر اسلامی ممالک، ہر جگہ وہ من حیث القوم کمزور، پس ماندہ، مظلوم اور زخم خوردہ ہیں، ان کی حالت اس شکست خوردہ کی سی ہے جو میدانِ جنگ سے پسپا ہو کر لوٹے اور ہمیشہ کیلئے اس پر ذلت و کمتری کا احساس مسلط ہو جائے، جس ملک کو آپ چاہیں دیکھ لیں اور جس علاقہ پر چاہیں نظر دوڑالیں سب سے زیادہ کمزور اور مغلوب صرف مسلمانوں کا طبقہ ملے گا، شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک جہاں چاہئے مسلمانوں کی مغلوبیت، ان کی مظلومیت، ان کے احساسِ کمتری کی داستانِ تازہ سن اور پڑھ لیجئے۔

اگرچہ بعض مسلم ممالک ایسے بھی ہیں جہاں مسلمان بظاہر خوشحال، غالب اور طاقتور ہیں، لیکن اندرونی طور پر وہ بھی ذہنی غلامی اور احساسِ کمتری میں مبتلا ہیں، وہ باطنی حیثیت سے بالکل شکست خوردہ اور مرعوب ہیں، ان پر دوسری ترقی یافتہ قوموں کے افکار و نظریات کا ایسا غلبہ ہے کہ وہ زبانِ حال سے اسلام کو ایک بوسیدہ مذہب، ایک رجعت پسندانہ نظریہ، اور ایک کرم خوردہ نظام تصور کرتے ہیں۔

یہ وہ صورتِ حال ہے جو مسلمانوں کے لئے نہ صرف تشویشناک بلکہ ملت کے شیرازہ کو بالکل منتشر اور امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دینے کے لئے کافی ہے، اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے اگرچہ بہت سے نغمہسارِ انِ ملت اور ہمدردانِ امت اپنی اپنی حیثیت کے مطابق

کام کر رہے ہیں اور تمام اسلامی اور دینی جماعتیں ان ناخوشگوار حالات کو محسوس کر رہی ہیں اور ان کو بدلنے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس امت کی تاریخ کا وہ نازک ترین مرحلہ ہے جس سے گزرنے کے لئے ہماری یہ تمام کوششیں اس وقت بار آور ہو سکتی ہیں جب ہم کمتری، مغلوبیت اور مظلومیت کا احساس ختم کر کے اپنے آپ کو اس منصب امامت و قیادت کا اہل بنالیں جو ہمارے اور صرف ہمارے لئے مخصوص ہے اور جب ہم صحیح معنوں میں جانشین خاتم الانبیاء بن کر خلافت ارضی کی ذمہ داری سنبھالیں جو صرف ہمارا حصہ ہے۔

لیکن آج اس ترقی یافتہ دنیا میں ہم نے اپنا مقام سب سے پیچھے رکھا ہے، ہم مادہ پرست قوموں کے غلام بن کر زندگی گزارنے میں فخر محسوس کرنے لگے ہیں، ہم اس خالص مادہ پرست تہذیب کی تقلید اور خوشہ چینی کو ترقی اور تمدن کی علامت سمجھنے لگے ہیں، ہم نے یہ طے کر لیا ہے کہ اس دنیا میں زندہ رہنے کے لئے ان قوموں کی اتباع و تقلید وقت کا ایک اہم ترین فریضہ ہے اور مصلحت کا تقاضہ ہے۔

تعلیم یافتہ مسلمانوں کا ایک طبقہ وہ بھی ہے جو اپنے مذہب کی غیرت اور اس کا احترام اپنے دل میں رکھتے ہوئے موجودہ دور میں اسلامی نظام حیات کو ناکافی اور اسکی تمام تعلیمات کو ناقابل عمل تصور کرتا ہے، اس کا خیال ہے کہ اسلامی نظام کو برپا کرنے کیلئے ہمیں بہت پیچھے لوٹنا چاہئے، اور اس معاشرہ کو بروئے کار لانا چاہئے جو اس نظام کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور جو واقعی اور عملی زندگی میں اس سے مستفید ہونے کے جذبات سے معمور ہو، ان کے نزدیک موجودہ تہذیب اور عصر حاضر کی ثقافت و علوم کا سیلاب بلاخیز اپنے گرداب سے نکلنے کی کوئی گنجائش نہیں رکھتا، وہ کہتے ہیں کہ اس گریز پارتی کے دور میں صرف اتنا کر لینا کافی ہے کہ نظریاتی طور پر آپ مذہب کو مانیں اور اس کی قابل عمل تعلیمات پر عمل کر لیں، ان کے نزدیک ایسے زمانہ میں نماز و روزہ اور دیگر فرائض کا پورا کر لینا ہی بہت بڑا دینی کام ہے، بلکہ عصر حاضر کا سب سے بڑا جہاد ہے۔

یہی وہ شکست خوردہ ذہنیت ہے جو مغرب کی تہذیب، اس کی ترقیوں اور اس کی مادی پیش قدمیوں سے مرعوب ہے، جو کسی حال میں اس کے بالمقابل آنے کی روادار نہیں، وہ مغرب کو ترقی

کے اس نقطہ عروج پر تصور کرتی ہے جس کے بعد کوئی منزل نہیں، اور جو صرف قیادت کی منزل ہو سکتی ہے جس کے سامنے ساری مذہبی، اخلاقی اور انسانی قدریں باز میچہ اطفال بن کر رہ جاتی ہیں۔ دوسرا طبقہ جو تمام اسلامی اور غیر اسلامی ملکوں میں جہاں بھی مسلمان موجود ہیں وہ ہے، جس نے حالات کے سامنے سپر ڈال دی ہے، اور اس کا خیال ہے کہ موجودہ دور میں مادیت، الحاد، اور تمام شیطانی طاقتیں اس قدر طاقتور ہو چکی ہیں کہ ان کے سامنے مذہب ایک کمزور ضعیف اور مغلوب الحال نظر یہ بن کر رہ گیا ہے، اور جس کے لئے مسجد کے گوشوں، یا اذان کے مناروں یا خطبہ جمعہ کے منبروں یا بعض مذہبی رسمی تقریبات سے آگے نکلنے کی اجازت نہیں ہے، وہ مذہب کو زندگی کیلئے لازم، اس کی تعلیمات کو انسانیت کا نجات دہندہ، اور اس کی برتری و افضلیت کا اعتراف کرتے ہوئے حالات کے سامنے اپنے آپ کو مجبور تصور کرتا ہے، اور اپنی ذاتی زندگی تک اسلام کے محدود رکھنے کو بہت کافی سمجھتا ہے۔

لیکن اس بگڑی ہوئی دنیا اور ترقی کے آخری نقطہ تک پہنچی ہوئی اس تہذیب کے دھاروں میں ایک طبقہ وہ بھی موجود ہے جو ہر حال میں اسلامی نظام کو قابل عمل اور اسی کو انسانیت کے سارے دکھ درد کا علاج تصور کرتا ہے، وہ حالات سے نبرد آزما ہونے کیلئے ان تمام تدبیروں اور وسائل کو بروئے کار لاتا ہے جن کی اسلام اجازت دیتا ہے اور اس کے لئے ہمت افزائی کرتا ہے۔

یہ ان داعیوں اور داعیانہ جذبہ رکھنے والے ان افراد کا طبقہ ہے جو اسلام کی صحیح فہم اور اس کے صحیح منشا و مراد سے واقف ہے، وہ یقین رکھتا ہے کہ دنیا کا سارا باگاڑ، ساری خرابیاں اور ہر طرح کی برائیوں، اور فسادات کا سرچشمہ مذہب سے بے تعلقی ہے اور اس خدا بیزار تہذیب کا نتیجہ ہے جو آج ساری دنیا پر مسلط ہے۔

یہی وہ طبقہ ہے جو مادہ پرست حکومتوں، اور ان کے پیچھے چلنے والی تمام حکومتوں کی نظر میں انتہائی مبغوض اور قابل گردن زدنی ہیں، یہ پر جوش اور ایمان و عمل کے جذبہ سے لبریز وہ افراد ہیں جو اسلام کی حقانیت، اس کی ابدیت، اسکی ہمہ گیریت اور اس کے بلند تصورات پر پختہ ایمان رکھتے ہیں، جو منکر کو دیکھ کر خوش نہیں رہ سکتے، جو گناہوں کو فروغ پاتے ہوئے دیکھ کر تغافل نہیں

برت سکتے، جن کی آخری تمنا اسلام کی سر بلندی ہے، جو ایمان کی زندگی اور خدا اور رسول کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے والے حلقہ کو وسیع کر کے زندگی میں اللہ کے قانون کو نافذ ہوتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں اور وہ ہر مرض کا علاج اسلام اور صرف اسلام کو سمجھتے ہیں۔

اس طبقہ کا وجود آج کی ہر حکومت اور ہر اقتدار کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کو کچلنے اور آوازہ حق کو خاموش کر دینے کیلئے تمام حکومتیں متحد ہیں، خواہ وہ مسلم ممالک کی حکومتیں ہوں یا غیر اسلامی ملکوں کی حکومتیں، حد تو یہ ہے کہ اس طبقہ کو پسپا کرنے کے لئے ان حکومتوں نے صرف آتش و آہن کی مدد پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنے رعایا کے تمام مسلمان افراد کو ان کی مخالفت کرنے اور ان کا خاتمہ کرنے پر آمادہ کیا۔

گویا اسلام کو مسلمانوں ہی کے ہاتھوں کمزور کرنے اور اس کے تناور درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے انہیں کے افراد کو استعمال کیا گیا اور دین کی مخالفت نام نہاد دین سے، اسلام کی مخالفت مصنوعی اسلام سے، اور اسلامی قدروں کی مخالفت مصنوعی مذہبی قدروں سے کی جانے لگی، ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کو، ایک جماعت دوسری جماعت کو، ایک شخص دوسرے بزرگ کو نقصان پہنچانے کیلئے اس طرح آمادہ ہو گیا کہ گویا وہ کوئی بہت مقدس اور کوئی بہت عظیم اسلامی مہم انجام دے رہا ہے، جس سے غفلت برتنے پر آخرت میں اسکو جوابدہ ہونا ہوگا۔

یہ ہے وہ تلخ حقیقت، جو آج مسلمانوں کے معاشرہ میں ہر جگہ موجود اور محسوس ہے، کہیں بڑے پیمانے پر، کہیں حکومتوں کی سرپرستی میں اور کہیں جماعتوں کی سرپرستی میں، کہیں ذاتی بغض و عناد کے جذبات کام کر رہے ہیں تو کہیں جاہ و منصب کی حرص و ہوس اپنی کندیں پھیلا رہی ہے۔ اس افسوس ناک حقیقت سے بھی انکار کی کوئی گنجائش نہیں کہ اسلام دشمن طاقتوں اور اس کے مخالفین کو اس طرز عمل سے بہت شہ ملی، انہوں نے خواہ اس موقع کو غنیمت سمجھا ہو، یا کوشش کر کے یہ موقع پیدا کیا ہو، جو صورت حال بھی ہو، بہر حال وہ مسلمانوں کو کمزور اور مغلوب، ذلیل و خوار، کمزور و ناتواں اور شکست خوردہ بنانے کیلئے بہت کافی تھی، چنانچہ اس کا رد عمل یہ ہوا اور برابر ہوتا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کی یہ عظیم اور غالب امت صرف کمزور اور مغلوب ہی نہیں ہے، بلکہ احساس

ذلت و رسوائی کے ایسے بوجھ کے نیچے دبی ہوئی ہے جس نے اس کو ہر بلندی اور پیش قدمی سے محروم کر رکھا ہے، اور جس سے بظاہر (جب تک یہ صورت حال اور طرز عمل قائم رہے) نجات کی کوئی توقع بھی نہیں۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

میں نہیں سمجھتا کہ امت اسلامیہ کی موجودہ مغلوبیت و مظلومیت کسی اور طرز عمل کا نتیجہ ہے، اسی طرز عمل نے اس کو اس انجام تک پہنچا دیا کہ دس کروڑ مسلمانوں کی ۲۲ بڑی بڑی حکومتوں نے مل کر بھی تنہا ایک معمولی تعداد رکھنے والی ذلیل قوم یہود کو جو ان کے ملک میں دخیل اور جارح قوم تھی جو ہر چہار جانب سے انہیں حکومتوں سے گھری ہوئی تھی، صرف اس کو بھی یہ ساری حکومتیں ایک آواز اور ایک جسم ہو کر زیر نہ کر سکیں، بلکہ شکست کھا کر اور جان و مال اور رقبہ حتیٰ کہ مسجد اقصیٰ جیسی مقدس یادگاروں تک کا عظیم تر خسارہ برداشت کر کے واپس آ گئیں۔

اسی طرز عمل کا انجام ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی تعلیمات و شعائر، اور اس کی روح سے بالکل کٹ چکا ہے، اور اس نے وہ کردار ادا کرنا شروع کر دیا ہے جو وقت کی سب سے ذلیل و کمزور اور پست ہمت قوم ادا کرتی ہے، اور جو قوم قیادت و امامت کا خدا داد منصب لے کر آئی تھی وہی آج اپنے زمانہ کی پیرو اور مقلد ہے۔

اقبال نے پہلے ہی کہا تھا ۔

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت  
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو







## خانہ ساز شریعت یا آئینہ کتاب و سنت

آج جس دور میں ہم زندگی گزار رہے ہیں وہ اس حیثیت سے بہت ممتاز ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا دائرہ تصور سے بھی زیادہ وسعت پذیر ہے، ترقی کے اس دور میں اس قدر حساس اور Sensitive آلات تیار ہو گئے ہیں کہ بغیر کسی خاص محنت اور کوشش کے انسانی زندگی میں برقی جانے والی چیزوں کی نقل اتار لینا اور بہت سی مصنوعات کو اپنی اصلی صورت سے بھی زیادہ صاف و شفاف انداز میں انسانی سوسائٹی کے کسی ماحول میں پیش کر دینا بالکل آسان ہو گیا ہے، اور اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ یہ نقلی مصنوعات اس قدر اپنی اصل کے مطابق ہوتی ہیں کہ اصل اور نقل کے درمیان تمیز کرنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔

ٹھیک اسی طرح اسلامی زندگی کا معاملہ بھی نظر آتا ہے اور اکثر اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ ہر اعتبار سے انسان کی زندگی اسلام کے قالب میں پوری طرح ڈھلی ہوئی ہے، بلکہ وہ اسلامی زندگی کی نمائندگی کا زیادہ حق رکھتی ہے، مگر بہت زیادہ باریک بینی کے ساتھ اس کا جائزہ لیا جاتا ہے اور اس کے خط و خال کو نہایت حساس آلات کے ذریعہ دیکھنے کی کوشش کی جاتی ہے تو وہ صحیح اسلامی زندگی کی نقل معلوم ہوتی ہے اور اصل بنیاد سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

اس مختصر تمہید سے میری غرض یہ ہے کہ اس زمانے میں جس طرح اشیاء کا تعلق اصل اور نقل سے ہوتا ہے، اسی طرح دین کا تعلق بھی اصل اور نقل سے ہونے لگا ہے، چنانچہ صحیح اور اصل اسلامی زندگی پختہ دینی عقیدہ کے ساتھ نہایت مضبوطی سے جڑی ہوتی ہے، اس میں عقیدہ توحید کو عظیم بنیادی اہمیت حاصل ہے اور شریعت کے جملہ احکام و تعلیمات پر عقیدہ کی پختگی کے ساتھ عمل کرنا

اسلامی زندگی کی اصل کسوٹی ہے اور یہیں سے یہ فرق واضح ہو جاتا ہے کہ ایک مسلمان کا پختہ عقیدہ کے ساتھ اسلام کی عملی نمائندگی کرنا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و محبت کے پختہ رنگ کو اپنی زندگی کے تمام معاملات میں چڑھالینا ایمان و یقین کا سب سے بڑا سودا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ، تُوْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ، ذَلِكَ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ، يَغْفِرُ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلُكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ، وَمَسَاكِنُ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ، ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ، (صف: ۱۰-۱۲)**

**ترجمہ:** اے ایمان والو! کیا میں تمہیں وہ تجارت نہ بتا دوں، جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے؟ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم میں علم ہو، اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور تمہیں ان جنتوں میں پہنچائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور صاف ستھرے گھروں میں جو جنت عدن میں ہوں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

دوسری طرف بھی ایک ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے نہایت شاندار اسلامی زندگی کا نمونہ ہماری نظروں کے سامنے موجود ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ اسلامی زندگی نہیں بلکہ اس کی نقل ہے، اگرچہ برملا اور متعین طریقہ سے اس کا اظہار کرنا دعوت کی حکمت کے خلاف ہے، تاہم اس واقعہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آج کے انحطاط پذیر دینی ماحول میں یہی سکہ رائج الوقت ہے، اس نقل اور اس کی اصل کے درمیان تمیز کرنا ہر کس و نا کس کی قدرت سے باہر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **قُلْ أَتَعْلَمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ** بکل شئی علیم، (حجرات: ۱۶)

**ترجمہ:** کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی دینداری سے آگاہ کر رہے ہو، اللہ ہر اس چیز سے جو آسمانوں اور زمین میں ہے بخوبی آگاہ ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

آج کے بازار میں اصلی سکے کے ساتھ کچھ نقلی سکے بھی داخل ہو گئے ہیں، اور بظاہر ان میں کوئی فرق نظر نہیں آتا، لیکن اس میدان کے ماہرین جب اپنے نہایت حساس آلات کے ذریعہ اس کو جانچتے اور پرکھتے ہیں تو نقلی سکے اختیار کرنے والا سخت سزا کا مستوجب ہوتا ہے اور اس کا واحد علاج یہ ہے کہ وہ عہد کرے کہ اسے اب ہر طرح کی نقل سے دستبردار ہونا ہے اور اصل کو اختیار کر کے سرخرو ہونا اس کی زندگی کا مقصد بن چکا ہے۔

آج شریعت اسلامی کے پاکیزہ ماحول میں اسلام کے بنیادی عقیدہ کے ساتھ کچھ ایسے عقیدے اور خیالات در آئے ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ سحر سامری کی طرح ایک شیطانی اثر ہے، اس کی وجہ سے ایک خانہ ساز شریعت وجود پذیر ہو گئی ہے، ضرورت ہے کہ اس سے احتیاط برتی جائے اور اسلامی شریعت کو زندگی کے ہر گوشہ میں نافذ کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔



www.KitaboSunnat.com



## وقت یا تلوار.....!

اس عالم فانی میں انسان کے لئے وقت ایک ایسی متاع بیش بہا ہے جو ہاتھ سے نکل جانے کے بعد کسی قیمت کے عوض واپس نہیں لائی جاسکتی، دنیا کی نایاب سے نایاب شئی کے ملنے کی توقع ہر وقت کی جاسکتی ہے اور بڑے سے بڑے نقصان کی تلافی کا امکان موجود ہے، لیکن وقت انسان کی وہ کنجی ہے جو کھوجانے پر پھر واپس نہیں مل سکی، اور زندگی کا قفل پھر ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتا ہے، اسی لئے وقت کو انسان کی سب سے اہم ترین اور قیمتی متاع بتایا گیا ہے اور ہر دور کے عقلمند انسانوں نے اس کی قدر کی ہے اور اسکی حفاظت کا مکمل انتظام کیا ہے۔

آپ اپنی زندگی کی تاریخ پر نظر ڈالئے، اور اس وقت کا احساس کیجئے جب سے آپ نے زندگی کا سفر شروع کیا ہے اور دنوں پھر مہینوں کو شمار کرنا شروع کیجئے، تو آپ کو اپنے وقت کا حساب لگانے میں ذرا بھی دقت نہیں پیش آئے گی اور ایسا معلوم ہوگا جیسے ابھی ابھی کل ہی کی بات تو ہے، دنیا کی زندگی میں جس طرح یہ احساس پیدا ہوتا ہے، بالکل قیامت کے دن بھی حساب کے موقع پر اسی احساس سے دوچار ہونا پڑے گا، قرآن مجید نے اسی حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

و یوم یحشر ہم کان لم یلبثوا الا ساعة من النہار یتعارفون بینہم  
(سورہ یونس: ۴۵)

ترجمہ: اور جس دن خدا ان کو جمع کرے گا تو وہ دنیا کی نسبت ایسا خیال کریں گے کہ گویا وہاں گھڑی بھر دن سے زیادہ رہے ہی نہیں تھے۔

لیکن دنیا کے لوگوں کی حالت کتنی عجیب ہے کہ قضا و قدر ان کو متنبہ کر رہی ہے، اور وہ

اس سے غافل ہیں، ان کی زندگی کی قیمتی ساعت پوری برق رفتاری کے ساتھ گزر رہی ہے، لیکن وہ اس حقیقت سے چشم پوشی کر رہے ہیں۔

اسلام دین رحمت ہے، وہ زندگی کی تنظیم کرتا ہے اور اس کو خوشگوار بنانے کے لئے وہ ایسا نظام مرتب کرتا ہے جو ایک ایسے مثالی معاشرہ کو وجود میں لائے جس کی بنیاد اعلیٰ انسانی قدروں پر قائم ہو، لیکن مثالی معاشرہ اسی وقت برپا ہو سکتا ہے جب اس کا ہر فرد اپنے وقت کی قیمت اور اپنے لمحات کی اہمیت کو بھی سمجھتا ہو، وہ اس اصول سے پوری طرح واقف ہو کہ ”الوقت کالیسف، ان لم تقطعه قطعک“ (وقت ایک تلوار ہے اگر تم اس سے کاٹنے کا کام نہیں کرو گے تو کسی دن وہ تم کو کاٹ دے گی)۔

انسان اپنے وقت کی قیمت پہچانے اور اس سے کام لے، یہ بھی ایمان اور تقویٰ کی علامت ہے، زمانے کے الٹ پھیر اور لیل و نہار کی گردش سے سبق حاصل کرنا اہل تقویٰ کا شعار ہے، وہ اس سے سبق لے کر اپنے قیمتی وقت کو اس کام میں لگاتے ہیں جو آنے والی زندگی میں ان کی مدد کر سکے۔

اسلام نے عبادات کے اندر بھی وقت کی اہمیت اور ترتیب کا پوری طرح لحاظ رکھا ہے، ہجگانہ نمازوں میں وقت کی ترتیب کس قدر نمایاں ہے، سال میں مقررہ وقت پر روزہ کی عبادت، زکوٰۃ اور حج کی عبادت یہ سب کچھ اس بات کا مظہر ہے کہ اسلام وقت کی قیمت کا کس قدر قائل ہے۔ زندگی کو منظم اور با مقصد بنانے میں وقت کی ترتیب اور اسکے نظام کو بڑا دخل ہے، اسی لئے ایک مسلمان کے نزدیک ہر کام کا ایک وقت اور ہر عمل کی ایک ترتیب ہے۔

انسان اپنی ذمہ داری کو اسی وقت امانتداری کے ساتھ ادا کر سکتا ہے جب وہ وقت کی اہمیت کا پورا احساس رکھتا ہو، وہ سمجھتا ہو کہ کام کو اس کے مقررہ وقت میں انجام دینا خوشگوار زندگی حاصل کرنے اور مثالی معاشرہ قائم کرنے میں سب سے زیادہ معاون ہے۔

وقت کی قیمت کو سمجھنے والے اور اس کی اہمیت کا احساس رکھنے والے ہر زمانہ میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، خالص مادی نقطہ نظر سے وقت کی قیمت کو سمجھنے والے بھی مادی حیثیت سے دوسروں کے مقابلہ میں کم ہیں، مادہ پرست قوموں نے بھی جب وقت کی قدر کی اور اس سے پورا

فائدہ حاصل کیا تو زندگی کے میدان میں وہ آگے بڑھ کر رہیں، اور اپنی حریف قوموں کے مقابل میں وہ مادی ترقیوں میں اتنی آگے نکل گئیں کہ کوئی ان کے مد مقابل آنے کی ہمت نہ کر سکا۔

آج بھی دنیا کی جن قوموں نے وقت کی قیمت کو محسوس کر لیا، وہ تیزی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگیں، اور انہوں نے ایسے حیرت ناک کارنامے انجام دئے جو اہل زمانہ کی نگاہوں کو خیرہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔

مسلمان کا ہر لمحہ اس کے لئے خیر و برکت کا پیغام ہے اور خوشگواہی و مسرت کا انعام ہے، بشرطیکہ وہ اس سے مستفید ہو، اور صحیح معنوں میں اس کی قیمت سمجھ سکے، اس لئے کہ گزرا ہوا وقت کبھی واپس نہیں آ سکتا، اور نہ اس کی تلافی کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دن کے شروع ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی یہ اعلان کرتا ہے کہ اے ابن آدم! میں ایک مخلوق ہوں اور تمہارے اعمال پر گواہ ہوں، اس لئے کہ جو عمل صالح کرنا ہو کرلو، ورنہ یاد رکھو میں واپس نہیں آ سکتا، قرآن مجید نے بھی اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وهو الذي جعل الليل والنهار خلفة لمن أراد أن يذكر أو أراد شكورا.

(سورہ فرقان: ۲۵)

**ترجمہ:** ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا نظام اللہ تعالیٰ نے بنایا، ہر اس شخص کے لئے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے اور شکر گزار بننا چاہے۔

قوموں کی ترقی کا راز وقت کی ترتیب و تنظیم میں جس حد تک مضمر ہے کسی اور چیز میں نہیں، تاریخ کی کتنی بڑی بڑی شخصیتیں وقت کی قیمت پہچاننے کے بعد اس منزل پر پہنچیں جہاں سے انہوں نے ایسے کارہائے نمایاں انجام دئے جو تاریخ کے صفحات پر نقش ہیں۔

آج بھی اور ہر زمانہ میں تاریخ کا ہیرو، قوموں کا قائد اور مثالی شخص وہی بن سکتا ہے جو اپنے وقت کی قدر پہچان کر اس سے پوری طرح مستفید ہو سکے۔

انسان کی عمر اس کا سب سے عظیم سرمایہ ہے، قیامت کے دن جن چار باتوں کے متعلق اللہ

تعالیٰ سوال کرے گا، ان میں سب سے مقدم یہی سوال ہوگا کہ اس نے اپنی عمر کس چیز میں گزاری، حدیث شریف میں وارد ہے کہ قیامت کے دن کسی بندہ کا قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتا جب تک کہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال نہ کر لیا جائے، عمر کے بارے میں، کہ کس مشغلہ میں گزاری، جوانی کے بارے میں کہ اس کو کس کام میں لگایا، مال کے بارے میں کہ اس کو کہاں سے کمایا اور کس جگہ صرف کیا، علم کے بارے میں کہ اس کے مطابق کہاں تک عمل کیا۔





## مسلم خواتین اور عالمی سیاست

تہذیبی ترقیات میں آج مسلم خواتین کا عنوان نمایاں حیثیت کا حامل ہے، عالمی سیاست میں بھی ان کی بڑی اہمیت ہو گئی ہے، اسلامی تاریخ کے آغاز ہی سے دنیا کی سپر طاقتوں کے قائدین کی تحریری کارروائیاں راز اور سر پنہاں نہیں ہیں، بلکہ واشگاف انداز میں طشت از بام ہو چکی ہیں، انہوں نے پہلے مرحلہ میں قرآن کریم کو تحریف کا نشانہ بنایا اور پوری مہارت اور باریک بینی سے اس کی آیات میں اپنے افکار و خیالات کو خلط ملط کر کے پیش کیا، تاکہ عوام و خواص غیر شعوری طور پر ان کے دام فریب میں آجائیں، یہ قائدین قوم، یہودی طبقہ کے وہ افراد ہیں جنہوں نے استشراتی اسکولوں اور کالجوں میں تربیت حاصل کی ہے اور قرآن وحدیث کا بنظر غائر مطالعہ کیا، صرف اس لئے کہ عقیدہ اسلامی کے حاملین میں شکوک وشبہات کی تخم ریزی کر کے اس کی جڑوں کو کمزور کر دیں اور اسلام کی صداقت و حقانیت اور دنیاوی مسائل پر اسکی ہمہ گیریت کو مشتبہ کر کے پیش کر سکیں۔

مسلم خواتین صالح معاشرہ کی تعمیر میں صرف بنیادی عنصر کا درجہ نہیں رکھتیں بلکہ اسلام کے تہذیبی قلعہ کی خشت اول کی حیثیت رکھتی ہیں، قائدین یورپ نے طویل مطالعہ کے بعد اس حقیقت کا ادراک کیا، اور موضوع کی نزاکت اور حساسیت کے پیش نظر اس صنف نازک کو اپنی منفی کارروائیوں کا نشانہ بنایا، مسلم خواتین کے لئے اس انداز سے منصوبہ بندی کی جس سے اسلام کے قائم کردہ اصول و خطوط پر ان کی رگ حمیت پھڑکے اور غیرت و خودداری کا عملی مظاہرہ ہو، خواہ ان اصول کا تعلق مرد و عورت کے مساویانہ حقوق سے ہو یا حجاب اور پردہ کو زیب تن کرنے سے ہو،

گھروں میں رہ کر زندگی گزارنے سے مربوط ہو، یا عورت کے حصہ کو مرد کے حصہ سے کم باور کرا کے ہو، انہوں نے ان تخیلات کی خفیہ اشاعت کی اور نام نہاد مسلم ایجنسیوں کے ذریعہ اندرون خانہ معاشرہ میں ان کو عام کیا۔

ایک طرف ہم ان مسلم خواتین کی زریں تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں جنہوں نے اسلامی علوم میں خاصی مہارت پیدا کی اور تفسیر و حدیث میں امامت کے درجہ پر فائز ہو کر تاریخ میں اہم ترین کارنامہ انجام دیا تو دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں مسلم خواتین کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو مادی تہذیب سے متاثر ہو کر معاشرہ اور زندگی کے جملہ شعبہ جات میں مغربی خاتون کی ہو بہو نقل اتارنے پر آمادہ ہے اور شوہروں کی اطاعت سے دستبردار ہو کر حجاب جیسے سامان تحفظ کو دور پھینک چکی ہے، اور مردوں کے شانہ بشانہ دنیا کے تمام کام میں شریک و سہم بننے کے لئے کوشاں ہے، لیکن فرنگیت کے تلخ تجربات نے اس نقطہ نظر میں کافی حد تک تبدیلی پیدا کی اور مرد و عورت کے درمیان مساوات کی پکار کو نارمل کیا، البتہ جن خاندانوں نے مغرب سے متاثر ہو کر ذاتی آزادی اور عمومی ثقافت کے نام سے فرنگی بے اعتدالیوں کو جگہ دی وہ اس کو حرز جاں بنائے ہوئے ہیں، اگرچہ اس کے لئے انہیں کافی جتن کرنے پڑتے ہیں، شریک و سہم بننے پرست سیاست دانوں کی طرف سے ظلم و محرومی سے دوچار، گھر کے گھروندوں میں بند مسلم خواتین پر شفقت و مہربانی اور خیر و خواہی کے جذبہ کا مظاہرہ اور ان کی حریت کا نعرہ خیر و صلاح کو عام کرنے کی غرض سے نہیں، بلکہ اس عنوان سے ہیں کہ اسلام مسلم خواتین پر ظلم و زیادتی کو روکھتا ہے، اور ان کو تاریخ کے اس تاریک دور میں لاکھڑا کرتا ہے جہاں جانوروں کی طرح عورتوں کو بیچا اور خریدا جاتا تھا، اور نہایت گھٹیا کاموں میں ان کو استعمال کیا جاتا تھا، اور ان کو معاشرہ کا ایک ذلیل عنصر تصور کیا جاتا تھا، انہیں جیسی لغو باتوں کے ذریعہ انہوں نے اسلام کو مورد الزام ٹھہرایا۔

عالمی قیادتوں کے سربراہان کا نظریہ یہ ہے کہ آج مسلم خواتین مظلوم و مجبورہ کر معاشرہ میں قدامت پرستوں کا آئینہ کار بنی ہوئی ہیں، اس لئے ان کی زندگی سے ظلم اور دھوکہ دہی کو دور کرنا اور خارجی دنیا میں ایک ایسے محترم حصہ کی حیثیت سے ان کو نمایاں کرنا از حد ضروری ہے جو سیاسی

امور میں شراکت داری کا معاملہ اختیار کر کے مردوں کے تجربات سے فائدہ اٹھائے اور تمام میدانوں میں اپنی کشتی حیات کو آگے بڑھائے، اگر ان ”بہی خواہان مسلم خواتین“ کا مقصد یہ ہے کہ وہ اسی طرح بے شرمی اور بے حیائی کی زندگی گزاریں جس طرح ایک مغربی خاتون اپنے شب و روز گزارتی ہے تو ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارا زندہ جاوید نظام حیات اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا، اور نہ مرد و عورت کی فطرت اس کو تسلیم کرتی ہے، مغرب میں آزادی نسواں کا پر فریب نعرہ بلند کیا گیا، اور اس کے نتائج بڑے خطرناک اور ناقابل بیان انداز میں ظاہر ہوئے، کویت سے شائع ہونے والے ہفت روزہ جریدہ ”الجمع“ نے ”جنسی ہوس پروری کے نتائج“ کے عنوان سے اس پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امریکہ میں بیس سال سے کم عمر والی ۸۰٪ لڑکیاں زنا کی مرتکب ہوتی ہیں اور دس لاکھ نو جوان لڑکیاں ہر سال ناجائز طریقہ سے حاملہ ہوتی ہیں، جن میں سے ۵۶٪ فطری طور پر بچوں کی ولادت کا سبب بنتی ہیں، اور ۳۰٪ حمل کو ضائع کر دیتی ہیں اور ۱۲٪ اسقاط حمل کراتی ہیں، قریب البلوغ لڑکیوں کے اکثر حمل ناجائز طریقے سے دوسرے لوگوں کے ہوتے ہیں، اسقاط کے اس عمل میں ستر کروڑ الٹرا کا سالانہ صرفہ ہوتا ہے، برطانیہ میں ساٹھ ہزار قریب البلوغ لڑکیاں حاملہ ہوتی ہیں جن میں ۳۵٪ اسقاط حمل کراتی ہیں، اور ایک لاکھ نوے ہزار خواتین سال میں جنسی جارحیت کا نشانہ بنتی ہیں، سال میں طلاق کا تناسب ۵۱٪ ہے جبکہ اس سے متاثر ہونے والے بچے ایک لاکھ سینتالیس ہزار ہیں۔

یہ صرف ایک مختصر اشارہ ہے، ورنہ مغرب میں جنسی جرائم کا گراف اس تیزی سے بڑھ رہا ہے کہ اس کو صفحات، کیا جلدوں میں لکھا نہیں جاسکتا، جرائم پیشہ افراد کی دلی خواہش ہے کہ اس متناطم سمندر کی موجیں پاک طینت گھرانوں کو بھی اپنے لپیٹ میں لے لیں اور پوری شدت اور قساوت قلبی کے ساتھ ان کو اپنا قمر تر بنالیں، وہ چاہتے ہیں کہ مسلم خواتین عفت و حیا کی چادر کو تار تار کر کے مارکیٹوں اور پارکوں کی زینت بنیں، آزادی، مساوات اور معاشرہ اور وطن کی تعمیر میں شراکت داری کے نام سے فحاشی اور بے حیائی کے اڈوں میں آئیں اور اپنی جنسی بے راہ روی کا مجرمانہ مظاہرہ کریں، مغربی قائدین ان مسلم خواتین کیلئے بہت فراخ دل ہو گئے ہیں جو دائمی

سعادت سے بہرہ مند ہو کر اندرون خانہ صالح معاشرہ کی تعمیر میں مشغول ہیں تاکہ ایسے جوان مرد افراد اور قوم کے سپاہی تیار ہو کر نکلیں جو انسانیت کو عزت و شرافت کی شاہراہ پر لاکھڑا کریں۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ مختلف جماعتوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے تھے، فضیلت و برتری کا معیار صرف قوت، مال اور جاہ و منصب تھا، عورت بڑی ستم رسیدہ اور بدنصیب تھی، اس کو خدمت گزاری اور پر مشقت کام کے لئے تیار رکھا جاتا تھا، اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا تھا جو جانوروں کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے، جب اسلام کا سورج طلوع ہوا تو اس نے عورت کو انسانیت کے اعلیٰ مراتب پر فائز کیا اور اس کو اس کے وہم و خیال سے بڑھ کر بلند حوصلگی عطا کی، اس کے وجود کو قیمتی آگینہ اور قابل تحفظ ہیرا قرار دیا۔

مسلم خواتین کی حفاظت و صیانت کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے، یہ فرض صرف اس کے قریب ترین اہل خانہ ہی انجام دے سکتے ہیں جو ان کی عزت کو اپنی عزت اور ان کے تقدس کی پامالی کو اپنے لئے بے عزتی اور ذلت تصور کرتے ہیں اور اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتے کہ وہ غیروں کے ہاتھوں کا کھلونا بنے، جو ”حضرات“ مسلم خواتین پر اپنی شفقت کا اظہار کر رہے ہیں، اور گھر اور معاشرہ کی تعمیر میں ان کے احساس ذمہ داری کو ظلم تصور کرتے ہیں وہ درحقیقت احساس کہتری کے شکار ہیں، اس کے ذریعہ وہ فطرت سے بغاوت اور عمیق کھائی میں ان کو گرانے پر تلے ہوئے ہیں، وہ ان کو ان مغربی خواتین کے نقش قدم پر ڈالنا چاہتے ہیں جو گندی جنسی آوارگی سے تو خود محفوظ نہیں چہ جائیکہ محبت اور رحم دلی کے جذبات ان کے دل میں انگڑائی لیں، وہ نو عمر لڑکوں اور نوجوانوں کے پیچھے اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے دوڑ رہی ہیں، اور ایسی خباثتوں اور گندگیوں میں ملوث ہونے پر مصر ہیں جن سے جانور بھی شرماتا ہے۔

آخر کیوں مسلم خواتین کو خاتون خانہ بننے کے بجائے بازاروں کی زینت بننے پر اصرار کیا جا رہا ہے، خاندان اور معاشرہ کی تعمیر میں ان کے بنیادی کردار سے صرف نظر کر کے بے دخل کیا جا رہا ہے اور انہیں پارلیمنٹ، راجیہ سبھا اور نمونہ پٹی کی ممبری کے لئے انتخابی سرگرمیوں کا جز بنایا جا رہا ہے یا کسی علاقہ اور سوسائٹی کی چیئر پرسن کی حیثیت سے نامزد کیا جا رہا ہے تاکہ مرد

اور مرد نما مردوں، سیاہی پارٹیوں کے ممبران و صدور کے ساتھ ان کا اختلاط رہے اور وہ اپنے شوہروں اور بچوں کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی آیت ذیل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا ہے اور مسلم خواتین کی زینت کے حدود کو ظاہر کرتے ہوئے پوری وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے۔

وقل للمؤمنات يغضضن من ابصارهن ويحفظن فروجهن ولا يبدین زینتهن  
الا ما ظهر منها وليضربن بخمرهن علی جیوبهن ولا یبدین زینتهن الا لبعولتهن  
او آبائهن او آباء بعولتهن او ابنائهن او ابناء بعولتهن او اخوانهن او بنی  
اخوانتهن او بنی اخواتهن او نسائهن او ماملکت ایمانهن او التابعین غیر اولی  
الإربة من الرجال أو الطفل الذین لم یتھروا علی عورات النساء ولا یضربن  
بأرجلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن وتوبوا إلى الله جمیعا أیها المؤمنون لعلکم  
تفلحون. (النور: ۳۱)

**ترجمہ:** اور آپ کہہ دیجئے ایمان والیوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا سنگار ظاہر نہ ہونے دیں، مگر ہاں جو اس میں سے ظاہر اور کھلا ہوا رہتا ہے اور دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں، اور اپنی زینت نہ ظاہر ہونے دیں مگر ہاں اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھائیوں کے لڑکوں پر یا اپنی بہنوں کے لڑکوں پر یا اپنی ہم مذہب عورتوں پر یا اپنی باندیوں پر یا ان مردوں پر جو خدمتی ہوں اور عورت کی طرف انہیں ذرا توجہ بھی نہ ہو، یا ان لڑکوں پر جو ابھی عورتوں کے پردہ کی بات سے واقف نہیں ہوئے ہیں، اور عورتیں اپنے پیر زمین پر زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے، اور تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو اے ایمان والو! تاکہ تم فلاح پاؤ۔





## تمباکو نوشی اور اسلام

تمباکو نوشی ہمارے انسانی معاشرے کی ایک بڑی کمزوری ہے، اسکے جسمانی و ذہنی نقصانات سے قطع نظر ایک بڑے طبقہ میں اس کا استعمال مدتوں سے مختلف شکلوں میں جاری ہے، تمباکو نوشی کے رجحان کو کم کرنے اور اس پر قابو پانے کیلئے بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، انسانی صحت پر اس کے گہرے اثرات، اجتماعی اور اقتصادی حیثیت سے اس کے بڑے نقصانات کا تذکرہ اور ان پر تفصیلی بحث، واقعات و حقائق اور اعداد و شمار کی روشنی میں اس کے منفی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لئے، مختلف ذرائع اختیار کئے گئے اور اس کے نقصانات کا جائزہ لینے کے لئے اور انسانی آبادی کے وسیع رقبے تک اس کی آواز پہنچانے کے لئے نہ جانے کتنی نشستیں اور کانفرنسیں منعقد ہو چکی ہیں، سب سے پہلے اس بری عادت، بلکہ اس ذہنی بیماری کی ابتداء وقتی سکون حاصل کرنے کے لئے ”کولمبس“ کے ایک ساتھی، جہاز کے کیپٹن نے کیا، یہ اپنے جہاز کو پرنگال لیکر آیا تھا اور وہاں اس وباء کو پھیلانے میں اس نے اہم کردار ادا کیا، پھر تمباکو نوشی کی بیماری، پرنگال میں متعین فرانس کے سفیر ”جان نیکو“ نے پھیلائی، اور اسی کے نام سے نیکوٹین (NICOTINE) کا مادہ ایجاد ہوا، جو تمباکو کا بنیادی جزء قرار دیا جاتا ہے، پھر یہیں سے یہ بیماری دنیا کے مختلف ملکوں میں عام ہوئی اور وقتی طور پر ذہنی سکون حاصل کرنے کے لئے لوگوں نے اس کا استعمال شروع کر دیا، پہلی عالمی جنگ ۱۹۱۴ء-۱۹۱۸ء کے دوران باہم دست و گریباں حکومتوں نے اپنے فوجیوں کو چاق و چوبندر کھنے کے لئے مفت طریقے سے اس کو تقسیم کیا، اور اس کو بھی ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ اگرچہ وقتی طور پر تمباکو نوشی سے ایک سرور کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے

انسان اس کا عادی بن جاتا ہے پھر یہ عادت اس قدر راسخ ہو جاتی ہے کہ اس سے چھٹکارا پانا تقریباً ناممکن تصور کیا جاتا ہے۔

تمباکو کے تفصیلی مطالعہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تمباکو کے اندر ۲۵۰ زہریلے مادے موجود ہیں، ان میں سب سے بنیادی زہر نیکوٹین ہے، اس کا سب سے برا اثر دل کی دھڑکن اور ہائی بلڈ پریشر کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، اسکے علاوہ اور دوسری بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں جیسے پھیپھڑے کا کینسر، حلق اور آنتوں اور گردے کی بیماریاں، اس کے علاوہ معدے کا زخم (السر) اور اس کی وجہ سے اور دوسری بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں جن کا علاج بھی مشکل ہوتا ہے۔

تمباکو نوشی کے مضر اثرات تمباکو نوش پر اس طرح مترتب ہوتے ہیں کہ اس کی عمر تقریباً ۱۲ سال کم ہو جاتی ہے، جائزہ کے مطابق اس کی ایک خوراک حیات مستعار کے ۱۸ سیکنڈ کم کرتی ہے، مرنے والوں میں ان لوگوں کی تعداد نسبتاً بہت زیادہ ہوتی ہے، جو تمباکو استعمال کرتے ہیں۔ تمباکو نوش افراد کینسر اور امراض قلب کے زیادہ شکار ہوتے ہیں، ننانوے فیصد تمباکو نوش دمہ یا (ASTHMA) کے مریض ہوتے ہیں، تمباکو نہ صرف پورے اعضائے جسم کو متاثر کرتا ہے، بلکہ عقلی توازن کو بھی سلب کر لیتا ہے، کھانسی، نزلہ، رگوں کی سوزش، زخروں میں کینسر یہ سب امراض تمباکو کے استعمال سے وجود پذیر ہوتے ہیں۔

(Sunday Times) کے طبی کالم نگار Olepher Telly نے ماہنامہ Reader Digest میں بعنوان ”تمباکو نوشی شاہوں کے لئے بھی سم قاتل“ ایک مقالہ لکھا اور اس میں ذکر کیا کہ برطانیہ کے چار حکمران ایسے گذرے ہیں جو تمباکو کے عادی تھے اور اسی مرض میں ان کا انتقال بھی ہوا۔

(۱) شاہ انگلستان ہفتم ایڈوارڈ (Edward) نے تمباکو کو معاشرتی سطح پر بہت رواج دیا، اس کا معمول تھا کہ ناشتہ سے پہلے پابندی سے اس کا استعمال کرتا تھا، جب اسکی عمر چالیس سال کی ہوئی تو رگوں کی سوزش میں مبتلا ہوا، ڈاکٹروں نے تمباکو کا پرہیز بتایا، لیکن اس نے توجہ نہیں دی، بالآخر ۶۰ سال کی عمر میں اسکا وحشی توازن مفقود ہوا، اور ۶۸ سال کی عمر میں اس کی وفات ہو گئی۔



(۲) شاہ پنجم (George) بھی تمباکو نوشی کا عادی تھا، چنانچہ اسکو متعدد امراض لاحق ہوئے، عمر کی ساتویں دہائی میں یہی امراض جان لیوا ثابت ہوئے۔

(۳-۴) شاہ ششم (George) اور اسکے بھائی ایڈوارڈ ہشتم کو ۱۲-۱۳ سال ہی کی عمر سے تمباکو نوشی کی عادت پڑ گئی تھی، دن میں وہ دونوں چالیس، پچاس بار اس کا استعمال کرتے تھے، تمباکو کی کثرت استعمال سے ایک کو پھیپھڑے اور دوسرے کو حلق کا کینسر ہوا، اور اسی مرض میں ۱۹۵۲ء کے سال میں ان دونوں کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا۔

اس موقع پر لندن کے مشہور اخبارات (London Times) اور (Gardan Times) میں تمباکو نوشی سے متعلق بہت سے مقالات لکھے گئے، ان میں انسداد تمباکو نوشی کی مہم کی پر زور تائید بھی کی گئی ہے۔

آج اس زمانے میں جبکہ نشہ آور چیزوں کی عادت بہت پھیل چکی ہے، اور تمباکو کا استعمال کر کے ذہنی سکون حاصل کرنے اور ذمہ داریوں کے بوجھ سے فرار اختیار کرنے کی صورت حال بہت عام ہو چکی ہے، ضروری ہے کہ اس معمول کے انسداد کے لئے ایک مہم چھیڑی جائے جو اپنی تاثیر اور افادیت کے اعتبار سے پوری طرح کامیاب ہو، اور وہ اس موذی بیماری سے نہ صرف امت کے نوجوانوں کے لئے بلکہ ہماری سوسائٹی کے تمام افراد کے لئے عبرت کا سامان فراہم کرے اور بری عادت سے باز رکھنے میں اس کا کردار نہایت اہم اور عام ہو<sup>(۱)</sup>۔

مقام مسرت ہے کہ حکومت ہند کی طرف سے کچھ دنوں ایک اعلانیہ جاری ہوا ہے۔ اس میں صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ عام جگہوں اور بازاروں، سفر کی حالت میں سگریٹ وغیرہ استعمال کرنا قابل مواخذہ جرم ہے۔



(۱) اس مقالہ کے اعداد و شمار کی ترتیب میں شیخ سیف بن عبداللہ الحاتمی کے مقالے ”تمباکو نوشی کے معرعات“ سے بھی مدد لی گئی ہے۔



## دختر کشی یا نسل کشی؟!

بعض مسلم اقلیتی ممالک، خاص طور سے عالمی توجہات کے مرکز ہمارے ملک ہندوستان میں لڑکیوں کو رحم مادر ہی میں یا ولادت کے فوراً بعد قتل کرنے کی ایک بڑی خطرناک ملعون و باپھیل گئی ہے، یہ مہلک و با اس خدشہ میں پھیلی ہے کہ کہیں لڑکیاں والدین پر بوجھ نہ بن جائیں، کیونکہ وہ ان کی شادیوں کے اخراجات کو برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتے ہیں، مزید برآں شادیوں کے ظالمانہ رسم و رواج کی وجہ سے وہ اپنے لخت جگر کو غیر کے سپرد کرنے میں بڑی قیمت ادا کرنے کے مجاز ہوتے ہیں، بے شرمی اور بے حیائی کی انتہا یہ ہے کہ ہونے والا شوہر مع اہل خانہ اپنے مطالبات پورے کرانے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کرتا ہے اور کسی حال میں ان سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اگر شوہر کی طرف سے رشتہ ازدواج کو منقطع کرنے کا مسئلہ غیر معمولی اہمیت کا حامل نہ ہوتا تو لڑکی کے والدین واقرباء کئے گئے مطالبات کو بہت جلد پورا نہ کرتے، چنانچہ جب شادی کی کارروائی پوری ہو جاتی ہے اور متعینہ مدت میں مطالبات بھی پورے کر دیئے جاتے ہیں تو محبت و مودت اور فرحت و مسرت کے لمحات دراز ہوتے ہیں، ورنہ اس کے برعکس جہنم میں اجنبیت، معاملات میں سخت گیری اور نا پسندیدگی کا اظہار اور خاص طور سے دلہن کی زندگی کا خاتمہ یقینی صورت اختیار کر جاتا ہے۔

یہ وہ صورت حال ہے جس سے آج کا مسلم معاشرہ بھی دوچار ہے، لیکن اسکے بہ نسبت موجودہ غیر مسلم معاشرہ میں یہ وبا تیزی سے پھیل رہی ہے، بسا اوقات مقامی صحافت میں لڑکیوں کو بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتارنے کے واقعات کے اسباب اور حقائق کو پوری وضاحت سے

شائع کیا جاتا ہے، خواہ الٹراساؤنڈ (Ultra Sound) کے ذریعہ جنین کی حالت میں ان کے جنس کی تعیین ہوگئی ہو اور راستے سے ان کو ہٹانا ممکن بھی ہو، یا ولادت کے بعد خفیہ علاج و معالجہ اور دوسرے بدترین ذرائع سے اس ناپاک حرکت کو انجام دیا جانا آسان ہو۔

زمانہ قدیم میں جزیرۃ العرب کے بعض قبائل بھی اس خبیث و غیر انسانی فعل کے مرتکب تھے، کیونکہ ان کو یہ خطرہ لاحق تھا کہ جب ان کی لڑکیوں کی شادی انجان اور اجنبی اشخاص کے ساتھ ہوگی تو وہ دوسرے اور سامانوں کی طرح ان کے مالک بن جائیں گے، ان کے رستہ جو چاہیں گے تصرف کریں گے اور من چاہی خدمت لیں گے، اسلام کے آنے سے پہلے لوگوں میں یہ بری اور شر آمیز عادت و خصلت پائی جاتی تھی، اور یہ حقیقت ہے کہ جب بھی دیں سے بے اعتنائی برتی جائے گی اور اخلاقی و انسانی قدروں کو پس پشت ڈالا جائے گا تو اس کا نتیجہ اُس وحشیانہ اور ظالمانہ جہالت کی صورت میں ظاہر ہوگا، جس نے جاہلیت کے پورے ماحول پر اپنا سکہ جمار کھا تھا، یہی وہ ہمہ گیر اثر تھا جو ذلت و احساسِ کمتری کے شکار حلقوں میں اپنی گرفت مضبوط کر چکا تھا، لہذا جب اسلام آیا اور اس وقت لوگوں میں بد بختی و خوش بختی اور حقوق اللہ و حقوق العباد کے درمیان کوئی امتیاز و تفاوت باقی نہیں رہ گیا تھا، تو وہ منظر سامنے آیا جس سے تاریخ آج بھی آشنا ہے اور اس کو اس نے حسرت و الم کی روشنائی سے قلمبند کر رکھا ہے کہ مرد پر لوگوں کی توجہ زیادہ تھی، جب کہ عورت کا انجام مٹی کا گڑھا تھا، اسی کو اللہ رب العزت نے اس طرح تعبیر کیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَإِذَا بَشِيرٌ

أَحَدُهُم بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهَهُ مَسْودًا وَهُوَ كَظِيمٌ، يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَبِهِ أَيْمَسْكَهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدْسُهُ فِي التُّرَابِ، أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ“۔ (نحل: ۵۸-۵۹)

**ترجمہ:** اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوش خبری سنائی جاتی ہے، تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور (دل میں) گھٹناتا رہتا ہے اور بری خبر پر وہ لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے کہ آیا اس (مولود) کو ذلت کی حالت میں لئے رہے یا اسے مٹی میں گاڑ دے؟ ہائے کیسی بری تجویز یہ کرتے ہیں۔

جب بھی کسی انسانی معاشرہ میں لڑکیوں کو قتل کر دینے کی یہ ظالمانہ صورت حال پائی جائے گی

تو یہ دانا و بینا اور پیدا کرنے والے رب العزت کی قدرت سے کھلم کھلا اعلان جنگ ہوگا اور اس کی نعمت کی ناشکری و ناقدری شمار ہوگی۔

آج مسلم معاشرہ میں بھی یہ وحشیانہ و جارحانہ وبا پھیلتی جا رہی ہے، معاشرہ کی یہ حالت اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں کے قلوب مردہ ہو گئے ہیں اور انسان جانوروں و درندوں میں تبدیل بلکہ اس سے بھی بدتر ہو گیا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ صنف نازک کی تعدادوں بدن خطرناک طریقے سے گھٹتی جا رہی ہے، یہاں تک کہ بعض علاقوں میں یہ تناسب گوتے گوتے ۳۳% فیصد ہو گیا ہے، اور ایسی تمدنی و معاشرتی مشکلات سامنے آرہی ہیں، جن کا کوئی حل ہی نظر نہیں آ رہا ہے، لڑکیوں کو قتل کر دینے ہی کی وجہ سے ۳۳% فیصد مردوں کے لئے ازدواجی زندگی میں داخل ہونا مشکل ہو گیا ہے، نتیجہ بالکل واضح ہے کہ اب شادی سے محروم نوجوانوں کے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں رہ گیا ہے کہ وہ عیاشی و فحاشی اور فسق و فجور کے خفیہ اڈوں کا رخ کریں اور طوائفوں اور جسم فروشوں کے کوٹھوں پر اپنی جنسی خواہشات کو پوری کریں۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان ناگفتہ بہ حالات اور اس گھناؤنی حرکت کے فروغ نیز بین الاقوامی سطح پر آلات لہو و طرب کے استعمال سے نہ کثرت آبادی کا مسئلہ حل ہوگا، اور نہ فیملی پلاننگ میں کامیابی ملے گی، بلکہ اس سے امراض کا ہجوم ہوگا اور مفلسی و فحاشی کا دور دورہ ہوگا، ضرورت ہے کہ صحیح اسلامی تعلیمات کو حرز جاں بنا کر کاروانِ حیات کو سوائے منزل گامزن رکھا جائے، لیکن اس مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے اسلامی شریعت کے عادلانہ اور اعتدال پسند اصول و قواعد سے واقفیت حاصل کرنا انتہائی ضروری ہے۔

کاش ہمارے خواص و عوام اسلام کے بتائے ہوئے زیریں اصول و قواعد کو معلوم کر کے ان کا عملی تجربہ کرتے، اگر اس تجربے میں وہ انسانیت کا فروغ اور مسائل کا حل پالیں تو یہ ایک بڑی کامیابی اور ملک کو خوش حال بنانے کی طرف ایک عملی قدم ہوگا، ورنہ نتائج نہایت بھیانک شکل اختیار کر سکتے ہیں، اور بجز قدرت الہی کے کوئی ان کو بچا نہیں سکتا۔

\* \* \*

www.KitaboSunnat.com

# اسلام اور مغرب

مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی کا زیر نظر مجموعہ مضامین معرکہ حق و باطل کے ضمن میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش کے پس منظر میں داعیان اسلام، علماء، مفکرین اور محققین کی نگارشات تقاریر اور مباحثوں کے سلسلے کی ایک اہم کڑی اور اس موضوع سے متعلق تحریروں میں قابل قدر اضافہ ہے۔

اس مجموعہ کی خوبی یہ ہے کہ اس میں تقریباً ان تمام پہلوؤں کو زیر بحث لایا گیا ہے جو اسلام کی مغرب سے کشمکش کے سلسلہ میں عصر حاضر میں اہمیت کے حامل ہیں اور جن کے سلسلہ میں امت مسلمہ خصوصاً نئی مسلمان نسل کو رہنمائی کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا نے امریکہ، یورپ اور مشرق وسطیٰ کے حالات و مسائل پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ وطن عزیز ہندوستان، میں پیش آنے والے اہم واقعات کا بھی بے لاگ تجزیہ کرتے ہوئے راہ راست کی طرف رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔

مولانا کی تحریر کا ایک وصف یہ ہے کہ سخت ترین حالات اور گھٹا ٹوپ اندھیرے میں بھی مولانا امید کی کرن اور روشنی کی چمک دیکھ لیتے ہیں؛ وہ کہیں مایوس نظر نہیں آتے، بلکہ مخالف حالات میں بھی دھارے کو بدل ڈالنے اور طوفان کا رخ پلٹ دینے کی دعوت دیتے ہیں، قرآن کریم اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال مولانا کے زور قلم میں چار چاند لگا دیتا ہے۔



قاسمی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز نئی دہلی ۱۱۰ ۰۱۳

**Qazi Publishers & Distributors**

B-35, Nizamuddin West, New Delhi-110 013

Phone : +91-11-24352732, Fax: +91-11-24352043.

E-mail : qazipublishers@yahoo.com